اَشْفَقُ الْاِخْوَانِ
عَلَیْکَ دِیْنُکَ
بھائیوں سے بھی زیادہ تجھ پر
شفقت کرنے والا تیرا دین ہے

نقوشِ شرف

(مشتمل بر احوال و تعلیمات)

سُلطان المحققین حضرت مخدومِ جہاں

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہ العزیز

تالیف

سید صدر الحسن بی اے بی ٹی

بزمِ فردوسیہ (رجسٹرڈ) کراچی

اَشْفَقُ الْاِخْوَانِ عَلَيْكَ دِيْنُكَ

بھائیوں سے بھی زیادہ تجھ پر شفقت کرنے والا تیرا دین ہے

نقوشِ شرف

(مشتمل بر احوال و تعلیمات)

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ

تالیف

سید صدر الحسن

برزم فردوسیہ (ٹرسٹ) کراچی

مملوکہ خانقاہ بلخیہ
فردوسیہ
رائے پورہ
فتوحہ پٹنہ

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ
عظیم آباد، پٹنہ
رائے پورہ فتوحہ

نقوش شرف

(مشتمل براحوال وتعلیمات)

سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں

شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس اللہ سرہٗ العزیز

تالیف

سید صدرالحسن پی۔ایچ۔ڈی

ناشر
بزم فردوسیہ ٹرسٹ، کراچی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

عالمِ کائنات کا سب سے مقدّم فرض اور سب سے زیادہ مقدّس خدمت یہ ہے کہ نفوسِ انسانی کے اَخلاق وتربیت کی اصلاح وتکمیل کی جائے۔ یعنی پہلے ہر قسم کے فضائلِ اخلاق، زُہد وتقویٰ، عصمت وعفّاف، احسان وکرم، حِلم وعفو، عزم وثبات، ایثار ولُطف، غیرت واستغنا کے اصول وفروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کئے جائیں۔ اور پھر تمام عالم میں اُن کی عملی تعلیم رائج کی جائے۔

یَعلم اللہ بطفیلِ شرف الحق اِمروز
خیمہ برطارم گردونِ مُعلّٰی زدہ ام

ستمبر 2004ء

بزمِ فردوسیہ ٹرسٹ،
کراچی

اشاعتِ بارِ دوم

بحمد للہ صاحبانِ ذوق نے نقوشِ شرف کی قدردانی فرمائی اور اشاعتِ اوّل کی تقریباً تمام جلدیں تقسیم ہو چکی ہیں۔ لوگوں کی طلب پھر بھی مسلسل آ رہی تھی۔ احباب نے بارِ دوم کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ ادارے نے بارِ دوم کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ مؤلف کے اعزاء نے بھی اس کارِ خیر میں شرکت فرمائی ہے۔ اب یہ ناظرین کے پیشِ خدمت ہے اس میں حتی الامکان اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے اور حوالہ جات کے بعض نمبر شمار جو پچھلی اشاعت میں رہ گئے تھے اس کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔

آخر میں ایک مختصر اشاریہ (صفحہ نمبر 389 سے 408) کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔

ستمبر ۲۰۰۴ء

بزمِ فردوسیہ ٹرسٹ،

کراچی

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

نام کتاب	:	نقوش شرف (مشتمل براحوال وتعلیمات) سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہٗ العزیز
ناشر	:	بزمِ فردوسیہ ٹرسٹ، کراچی
تزئین وکمپوزنگ	:	سیّد ذیشان علی شاہ
مطبع	:	قاضی گرافکس، کراچی۔
اشاعتِ دوم	:	ستمبر ۲۰۰۴ء
تعداد	:	۵۰۰

ملنے کا پتہ:۔

(۱) دفتر ٹرسٹ: بیت الشرف: اے ۳۹۶، بلاک ''آئی''، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔

فون:۔ 6638625،6908839

فیکس:۔ 6908838

E-mail: one1rat@hotmail.com

www.bazmefirdousiatrust.com

انتساب

اُن پاک نفوس کے نام جنکے لئے فرمایا گیا

هُمُ القومُ لا یَشْقٰی بِهِمْ جَلِیسُهُمْ

(جماعت اولیاء کرام وہ بابرکت جماعت ہے کہ ان کی خدمت و صحبت میں بیٹھنے والا کبھی بدنصیب نہیں ہوتا۔)

فہرست مضامین (حصہ اول)

عنوان	صفحہ نمبر
حرف دعاء	۱۶
حروف عقیدت	۱۸
اظہار تشکر	۲۰
پیش لفظ	۲۴
عرض مؤلف	۲۷
اسم گرامی و پیدائش	۳۸
پیدائش و عہد طفلی	۳۸
منیر کا تلفظ	۴۱
اسم گرامی	۴۲
مقام و تاریخ پیدائش	۴۳
حوالہ جات	۴۴
ورود خاندان در منیر	۴۵
امام تاج فقیہ کا قصد منیر	۴۵

مختلف روایات	۴۴
تجزیاتی جائزہ	۵۴
حوالہ جات	۵۷
مخدوم کا خاندان	۵۸
سلسلہ نسب	۵۸
اولاد امام تاج فقیہ	۶۴
اولاد شیخ اسرائیل	۶۸
حضرت مخدوم یحیٰ منیری	۶۹
مخدوم جلیل الدین/خلیل الدین	۷۰
اولاد شیخ اسمٰعیل	۷۲
اولاد شیخ عبدالعزیز	۷۵
اولاد مخدوم سید شہاب الدین پیر جگجوت	۷۶
حوالہ جات	۷۸
تحصیل علم اور قیام سنار گاؤں	۸۰
ابتدائی تعلیم	۸۰
اعلیٰ تعلیم	۸۰
حضرت ابوتوامہ اور مخدوم جہاںؒ	۸۲
شادی اور اولاد	۸۴
حوالہ جات	۹۵
طلب پیر و راہ سلوک	۹۷
دہلی کا سفر	۹۷

بیعت	۹۸
صحرانوردی	۱۰۰
بنائے خانقاہ	۱۰۳
خلافت نامہ	۱۰۹
شجرہ بیعت	۱۱۲
احوال خواجہ نجیب الدین	۱۱۳
سلسلہ فردوسیہ، وجہ تسمیہ	۱۱۴
مشرب سلسلہ فردوسیہ	۱۱۵
حوالہ جات	۱۲۱
مسندرشدوہدایت	۱۲۳
مسند سجادگی	۱۲۳
خدمت خلق	۱۲۵
دولت ایمان سے سرفرازی	۱۲۹
مریدین	۱۳۰
طریقہ تعلیم	۱۳۲
وردووظائف	۱۳۵
خلفاء	۱۴۰
حوالہ جات	۱۴۵
معاصرین حضرت مخدوم جہاںؒ	۱۴۵
معاصرین حضرت مخدوم جہاںؒ	۱۴۵
حضرت جلال الدین بخاری	۱۴۵

حضرت نصیر الدین چراغ	۱۴۷
حضرت مخدوم احمد چرم پوش	۱۴۸
حضرت مخدوم مولانا مظفر شمس بلخی	۱۵۲
حضرت مخدوم شعیب	۱۵۴
حضرت مخدوم حسین توشہ توحید	۱۵۷
حوالہ جات	۱۶۱
رشد و ہدایت کا تحریری سرمایہ	۱۶۳
مکتوبات	۱۶۴
ملفوظات	۱۶۷
تصنیفات	۱۷۰
حوالہ جات	۱۷۲
طرز نگارش و لوگوں کی آراء	۱۷۳
طرز نگارش	۱۷۳
ابیات حضرت مخدوم جہاںؒ	۱۷۶
آراء صاحبان دانش و دل	۱۷۷
حوالہ جات	۱۸۱
ذات ستودہ صفات	۱۸۲
سراپا	۱۸۲
عہد طفلی	۱۸۲
شغف تحصیل علم	۱۸۳
مجاہدات طلب حق	۱۸۳

مسند مقتدائی	۱۸۴
صلہ رحمی	۱۸۵
سلسلہ رشد وہدایت	۱۸۶
دل پذیری وحق گوئی	۱۸۸
اتباع سنت	۱۸۹
بلند ہمتی وانکساری	۱۹۲
افادات علمی	۱۹۳
تعارف عین القضاۃ	۱۹۴
کرامات	۱۹۴
کمال بے نفسی	۱۹۸
مناجات	۱۹۹
حوالہ جات	۲۰۱
وفات نامہ	۲۰۴
حوالہ جات	۲۱۵

فہرست مضامین (حصہ دوم)

مباحث علمی وراہ صواب	۲۱۶
الٰہیات	۲۱۷
یونانی فلسفہ	۲۱۷

وجود باری تعالیٰ	۲۱۸
توحید باری تعالیٰ	۲۱۹
ثنویہ کا عقیدہ باطلہ	۲۲۰
ذات وصفات باری تعالے	۲۲۱
متشابہات الفاظ قرآنی	۲۲۴
کیا تقلیدی ایمان معتبر ہے	۲۲۶
تخلیق موجودات	۲۲۷
تخلیق آسمان وبہشت وغیرہ	۲۳۰
حقیقت انسان	۲۳۱
حشر کا میدان	۲۳۵
رویت باری تعالیٰ	۲۳۵
حاصل کلام	۲۳۶
حوالہ جات	۲۳۷
ایمان، اسلام، اور شریعت	۲۳۹
عقیدہ توحید	۲۳۹
حقیقت توبہ	۲۴۰
کلام اللہ	۲۴۲
قرآن سے استفادہ کے طریقے	۲۴۴
سنت نبی کریمؐ	۲۴۵
فقہ	۲۴۶
شریعت	۲۴۸

شرک جلی اور شرک خفی	۲۴۹
غلط گاہ عوام و خواص	۲۵۱
اتباع سنت	۲۵۳
تبلیغ اوامر و نواہی	۲۵۵
حوالہ جات	۲۶۱
آداب زندگی	۲۶۴
ابتدائیہ	۲۶۴
اذان بوقت ولادت	۲۶۸
بچوں کی مکتب	۲۶۸
شادی بیاہ کے رسم و رواج	۲۶۹
دنیاوی ذمہ داری کی ادائیگی	۲۶۹
حاجت براری	۲۷۰
عوام الناس کی تعلیم	۲۷۱
فرزندوں پر والدین کے حقوق	۲۷۱
ماں باپ پر اولاد کے حقوق	۲۷۲
رشتہ داروں کے حقوق	۲۷۳
پڑوسیوں کے حقوق	۲۷۴
بیوی پر شوہر کے حقوق	۲۷۵
شوہر پر بیوی کے حقوق	۲۷۶
غلاموں اور خدمتگاروں کے حقوق	۲۷۶
اخوت بین المسلمین	۲۷۷

خوش خلقی	۲۷۸
تعبیر خواب	۲۸۰
مناسبت اور لگاؤ	۲۸۲
سفر آخرت	۲۸۴
حوالہ جات	۲۸۶
تصوف وراہ سلوک	۲۸۸
تصوف کی اصل	۲۸۸
ابتدائے تصوف کا تاریخی پس منظر	۲۹۱
طبقات صوفیہ	۲۹۳
طلب راہ سلوک	۳۰۴
شریعت وطریقت	۳۰۵
طلب پیر	۳۱۰
ارادت مرید	۳۱۱
اہلیت شیخی	۳۱۳
مرید کے تدریجی مدارج	۳۱۵
صدق ارادت کی شرائط	۳۱۶
حق کی طلب اور محبت	۳۱۶
شریعت وحقیقت	۳۲۱
معرفت الٰہی	۳۲۲
اولیاءاللہ	۳۲۳
نوازشات ربی وراہ سلوک	۳۲۴

انوار	۳۲۴
کشف	۳۲۶
تجلی	۳۲۷
سماع	۳۲۸
تجرید وتفرید	۳۳۱
مژدہ لاتقنطومن رحمت اللہ	۳۳۲
حوالہ جات	۳۳۳

ضمیمے:

ضمیمہ ۱: حضرت مخدوم جہاںؒ کے مکتوبات کے چند نمونے	۳۳۶
ضمیمہ ۲: انعقاد اعراس کے لئے حجت وعرس حضرت مخدوم جہاںؒ	۳۶۵
ضمیمہ ۳: کلام عارفانہ ومنقبت درشان حضرت مخدوم جہاںؒ	۳۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف دعاء

''از حضرت سید شاہ علی حسین سہروردی یکے از دودمان حضرت مخدوم سید احمد چرم پوشؒ ''

(خانقاہ انبیر شریف)

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہ' العزیز کی سوانح حیات اور تعلیمات پر مبنی متعدد مضامین اور تصانیف شائع ہوتی رہی ہیں، مگر ایسی عظیم اور ہمہ جہت شخصیت پر سیر حاصل تصنیف کوئی آسان کام نہیں ہے۔ پھر ایسی پاکباز ہستی پر قلم اُٹھانا بڑا نازک مسئلہ بھی ہے، ہر ہر قدم پر وارفتگی عقیدتمندی اور تاریخی حوالہ جات میں توازن قائم رکھنا 'ایں نہ کار آسان است'۔ بہر صورت 'نقوش شرف' اس سلسلہ میں ایک نئی کوشش ضرور ہے اور اس اعتبار سے اہم ہے کہ اسکا انداز تحریر تحقیقی ہے اور کوئی بات بغیر حوالہ کے نہیں لکھی گئی ہیں۔

میرے محترم بھائی سید صدر الحسن صاحب کی یہ کاوش بڑی قابل قدر ہے کہ چند مہینوں میں یہ کام آپ نے سرانجام دیا، جو حقیقت میں حضرت مخدوم جہاںؒ کے فیض خاص کا آئینہ دار ہے۔ اور وہ کیوں نہ ہو کہ یہ تالیف حضرت صاحب سجادہ خانقاہ مخدوم الملک، جناب سید شاہ سیف الدین دام مجدہٗ، کی ایما پر لکھی گئی ہے۔ اور اسکا سہرا حضرت سجادہ کے خادم خاص، جناب سید غلام محی الدین صاحب، کے سر ہے جنہوں نے صاحب سجادہ کے تعمیل حکم میں اسکے لئے مؤلف کتاب کو آمادہ کیا۔

جناب سید صدر الحسن صاحب کے خاندان میں حضرت مخدوم جہاںؒ کی غلامی کا شرف جدی طور پر چلا آرہا ہے۔آپ کے والد و مرشد جناب سید شاہ ہادی حسنؒ کو حضرت جناب سید شاہ وصی احمد عرف براتیؒ سے بیعت و خلافت حاصل تھی، اور جناب سید شاہ ہادی حسنؒ کے جد امجد جناب سید شاہ محمد ہارون رضوی فردوسیؒ کو حضرت جناب سید شاہ علیم الدین بلخی فردوسیؒ، صاحب سجادہ خانقاہ بلخیہ فتوحہ، سے ارادت و خلافت حاصل تھی۔نسبی طور پر بلخی نسبتیں بھی آپ کے خاندان میں آکر ملی ہیں اور اسطرح غلامی مخدوم الملک کا گہرا نقش مؤلف کتاب کو خاندانی ورثہ کو طور پر بھی ملا ہے۔مگر شاید اتباع مخدوم میں عجز سے کام لیتے ہوئے اپنی تعریف صرف سید صدر الحسن بتاتے ہیں۔

اس عاجز کی یہ دعاء ہے کہ جناب مؤلف کتاب اور جناب کیپٹن (ر) سید غلام محی الدین مخدومی کی اس محنت کو بارگاہ مخدومؒ میں قبولیت حاصل ہو، اور اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین! ثم آمین۔

اگست ۲۰۰۲ — یکے از خاکپائے فقراء

سید شاہ محمد علی حسین سہروردی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حروف عقیدت

الھم صلی علی محمد و علی ال محمد عد د خلقك و رضاء نفسك و زنة عرشك و مدا د كلما تك

الحمد للہ رب العالمین آج ''نقوش شرف'' حضرت مخدوم جہاںؒ شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری رحمت اللہ علیہ کی سوانح حیات وتعلیمات پر ایک مبسوط کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے جسے بزم فردوسیہ ٹرسٹ کراچی نے سیدی ومولائی اخی معظم حضرت جناب سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی، زیب سجادہ مخدوم جہاںؒ، کی خواہش پر مرتب کراکر شائع کرانے کی سعادت حاصل کی ہے۔آمین۔

اس کتاب میں مخدوم جہاںؒ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اوران کی عبقریت کی خوبیاں نمایاں کی گئی ہیں۔یہ کتاب حقیقت میں ایک تحقیقی مقالہ ہےاور اسمیں حضرت مخدوم جہاںؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں کواُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت مخدوم طریقت کے سیدھے راستے کے دقیق نکتوں کے بیان کرنے والے اور حقیقت کے معنی کو ظاہر کرنے والے تھے۔آپ کے کلام میں قرآن وحدیث کے مضامین کی تفسیر اور علم کا سمندر موجیں مارتا نظر آتا ہے آپ شریعت وطریقت حقیقت ومعرفت کے ایسے شارح نظر آتے ہیں کہ مبتدی ومنتہی دونوں ان سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔

آپ نے اپنے مکتوبات کے مجموعے میں جگہ جگہ ایسے انشراح قلب کرنے والے نکات و

اشارات اور شرعی لطائف بیان کئے ہیں کہ جن سے معرفت و حقیقت کے متلاشی اور سلوک و طریقت کے سالک بہترین رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اور کاملین راہ طریقت بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

آپ مفسر بھی ہیں، محدث بھی ہیں، شریعت کی عزیمت کی کتاب بھی۔ آپ ایسے صاحب کمال بزرگ ہیں کہ آپ کی ایک انگلی کے اشارے سے کوہ گراں معلق ہوا میں رک گیا اور نہ جانے کتنے قلوب نور ایمان سے منور ہو گئے اور کتنے سالکان راہ واصل بحق ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعلیمات رشد و ہدایت روشنی کے ایسے چراغ ہیں کہ جن سے قیامت تک آنے والے انسان اپنے قلب و نظر کو منور کرتے رہیں گے۔

بقول حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمت اللہ علیہ آپ کا مقصد صرف اور صرف اللہ تھا۔

"اللہ بس ماسوا اللہ ہوس"

میں برادر محترم جناب سید صدر الحسن صاحب کا جو "نقوش شرف" کے مؤلف ہیں اور بزم فردوسیہ ٹرسٹ کے امیر جناب برادر کیپٹن (ر) سید غلام محی الدین مخدومی صاحب کا ٹرسٹ کی جانب سے اور خود ذاتی طور پر بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے دن رات محنت کر کے جس محبت اور لگن سے نقوش شرف کو مرتب کیا ہے اس کی جتنی بھی پزیرائی کی جائے کم ہے۔ اس طرح سید شاہ محمد علی حسین سہروردی مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ اس کام میں ہمیشہ انکے مخلص مشورے اور نیک دعائیں شامل حال رہیں۔ بزرگوں کی دعاؤں کا یہی اثر تھا کہ ایک مشکل کام حل ہوتا چلا گیا جسے مخدوم جہاںؒ کے محبین کی دعاؤں کا نتیجہ اور خود مخدوم جہاںؒ کا خاص فیضان کہہ سکتے ہیں ورنہ یہ کام اتنا جلد ممکن ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں کام کرنے والوں پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے جذبہ کو قبول فرمائے اور دین و دنیا کی سعادتمندیوں سے نوازے۔ آمین۔

اگست ۲۰۰۲ — سید امتیاز الہدیٰ سروری قادری

جنرل سیکریٹری بزم فردوسیہ ٹرسٹ کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہارِ تشکر

دیوانگی ربود چو در ہر طرف مرا　　در ہر طرف نمود جمال شرف مرا
خاک ستانہ تو نہ یرزد بہ کیمیا　　سنگ در تو ہست چو دُرِ نجف مرا
چنداں کہ ہمچو طلعت زیبا نہاں کنی　　چنداں شود بدیدن رویت شغف مرا

حضرت مخدوم جہاںؒ سے میرے قلبی تعلق کی بنا تو ہمارے والد محترم کا فیض و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے لطف و کرم کی بارش فرمائے، میں نے اکثر حضرت مخدوم جہاںؒ کا ذکر خیر نہایت ہی ذوق و شوق سے انہیں کرتے دیکھا تھا۔ چنانچہ یہ نام میرے لاشعور میں ایک نقش دلآویز بن چکا تھا، اگرچہ اسوقت مجھے دین و دنیا کا زیادہ شعور بھی نہ تھا۔ پھر جب سن شعور کو پہنچا تو میرے لئے حضرت مخدوم جہاںؒ کا اسم مبارک علامت دین بن چکا تھا جس نے مجھے راہ حق کی طلب کا شوق و ذوق عطا کیا اور اس جذبہ نے نہ جانے کتنے دروں کی خاک چھنوائی۔ اس راہ کی جادہ پیمائی میں جیسے جیسے وقت گذرتا گیا حضرت مخدوم کا نقش دل میں پختہ تر ہوتا گیا، اور اب یہ حال ہے کہ:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می بینم　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرت مخدوم کی نوازش ہی تھی کہ ایک دن میرے نہایت ہی عزیز دوست بھائی سید امتیاز الہدیٰ نے مکتوبات حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ کا ایک قلمی مسودہ مجھے عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ مسودہ چند سالوں سے یہاں کچھ احباب کے پاس خانقاہ عالیہ کے اجازت نامہ کے ساتھ بغرض طباعت آیا پڑا ہے اگر اسکی ذمہ داری آپ قبول کرلیں تو یہ بڑی سعادتمندی ہوگی۔ میں نے تو اسے اذنِ

مخدوم اور تعلیمات حضرت مخدوم کو عام کرنے کے لئے تائید غیبی سمجھا اور بلا تامل ذمہ داری قبول کر لی۔ اس کام کو ایک مستقل حیثیت دینے کے لئے ایک تنظیمی ڈھانچے کی ضرورت کے پیش نظر 'بزم فردوسیہ ٹرسٹ' کا قیام عمل میں آیا۔ یہ تمام کام ابھی ابتدائی مراحل میں ہی تھا کہ خبر ملی کہ سجادہ مخدوم جہاںؒ حضرت مولانا سید شاہ سیف الدین مدظلہ العالی کراچی تشریف لائے ہیں۔ اشتیاق ملاقات تو تھا ہی شرف ملاقات حاصل ہو گیا۔ حضرت کی خدمت میں حاضری کا یہ میرا پہلا موقع تھا۔ آپ نے نوازش فرمائی، دیر تک گفتگو رہی، کتابت وطباعت کتب کا عموماً ذکر ہوا اور مکتوبات حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ کا بھی ذکر آ گیا۔ میں نے اپنی خدمات پیش کیں اور درخواست کی کہ حضرت کی جانب سے واضح اذن عام مل جائے تا کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی دیگر کتابوں کی طباعت واشاعت کا کام بھی انجام پا سکے۔ آپ نے نوازش فرمائی اور اجازت عطا فرمائی۔ میرے لئے یہ نہایت مسرت کا مقام تھا کہ نوازش مخدوم کے حصول سعادت کا ایک مستقل باب کھل گیا۔ صاحب سجادہ مخدوم تو دوسرے ہی دن وطن واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے مگر نسبت مخدوم کی لذت مزید عطا کر گئے۔ مکتوبات حسینؒ کی طباعت کا کام شروع کر دیا گیا اور کتاب طبع ہو گئی۔ اسکے بعد تصنیفات حضرت مخدوم میں فوائد رکنی اور ساتھ ہی اوراد شرفی کی طباعت کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ الحمدللہ یہ دونوں کتابیں ایک ہی جلد میں طبع ہو گئیں۔ اسکا بیشک افسوس ہے کہ 'اوراد شرفی' کی طباعت میں کچھ سہو ہو گیا ہے، جسکے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ طبع ثانی میں اس کوتاہی کا انشاء اللہ ازالہ کر دیا جائے گا۔

جوں جوں ان کاموں میں میری مشغولیت بڑھتی گئی، جوش نسبت مخدوم نے کیفیت وارفتگی پیدا کر دی اور حضوری آستانہ مخدوم کی تمنا بڑھتی گئی۔

چوں شمع مرقد دیدم از درد و غم سوزیدم   جاں را تصدق کردم در یک نگہ پروانہ ساں

حضرت مخدوم جہاںؒ کے عرس کو ابھی کچھ ہی دن باقی تھے کہ میں نے حاضری کے ارادہ سے ہندوستان کے سفر کے لئے پروانہ راہ داری (ویزا) کی درخواست دے دی۔ اجازت نامہ کی امید لگائے بیٹھا نہ جانے آستانہ پر بوقت حاضری کے لئے کیا کچھ جذبہ شوق جمع کر رہا تھا کہ خبر ملی کہ درخواست نامنظور ہو گئی ہے۔ شدید مایوسی ہوئی، اپنے ایک کرم فرما بزرگ سے حال بتایا تو انہوں نے تسلی دی اور مشورہ دیا کہ حضرت

مخدوم کے عرس کی تیاری شروع کردیں، خزانہ غیب میں نوازش مخدوم کا کچھ اور عنوان ہوگا۔ حسب مشورہ میں نے عرس مخدوم کا اہتمام کیا اور الحمدللہ یہ مجلس خوش اسلوبی سے انجام پا گئی۔ ابھی کچھ ہی دن گذرے تھے، ماہ شوال کے کچھ دن ابھی باقی تھے کہ یہ مژدہ ملا کہ سجادہ مخدوم تشریف لا رہے ہیں۔ اس خبر میں ہی میں نے بڑا ذوق پایا اور غلبہ شوق سے حضرت کے استقبال کے لئے خود ائیر پورٹ نہ جاسکا بلکہ اپنے عزیز دوست جناب سید امتیاز الہدیٰ صاحب سے درخواست کی کہ وہ میری ذمہ داری پوری کریں اور میری طرف سے استقبال کے لئے ائیر پورٹ جائیں۔ میرے عزیز دوست نے بطریق احسن میرا یہ کام سرانجام دے دیا۔ حضرت اپنے متوسلین میں ایک صاحب کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ ان صاحب کے یہاں حضرت جناب سید شاہ سجاد علیہ الرحمہ، حضرت سجادہ کے جدامجد کا ۲۵ شوال المکرّم کو عرس ہوتا ہے۔ میرے لئے باریابی خدمت سجادہ مخدوم کا یہ بڑا اچھا موقع تھا۔ اب مجھ پر عقدہ محرومی سفر بہار کھلا۔ حضرت مخدوم نے مجھ سیہ کار پر یہ کرم فرمایا کہ اس دور افتادہ غلام کے لئے اپنے سجادہ کو بنفس نفیس یہاں بھیجا۔ اس نوازش مخدوم کا کیا شکر ادا کیجئے۔ میں حضرت سجادہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انکی مجلسوں میں شریک ہو کر مدعائے دلی پیش کی۔ حضرت مخدوم کے سلسلہ غلاموں میں مجھے بھی شامل کرنے کی استدعا کی۔ حضرت نے قبول فرمایا اور میری درخواست پر ایک تقریب بحوالہ تشریف آوری سجادہ مخدوم جہاںؒ، میرے غریب خانہ پر منعقد ہوئی جسے آپ نے زینت بخشی۔ اس خاکسار کو اس موقع پر اپنے حلقہ ارادت میں داخل فرما کر سرفرازی بخشی۔ اسکے بعد آپ کی نوازشوں کا کیا ذکر کروں:

بگرد کعبہ کے گردم کہ کوئے یار من کعبہ | کنم در باب میخانہ بوسم پائے مستاں را

جب تک حضرت یہاں تشریف فرما رہے، ہماری حضوری اور آپ کی نوازشات کا باب کھلا رہا۔ ایک مجلس میں مکتوبات وتصنیفات مخدوم جہاںؒ کا ذکر آ گیا۔ اس وقت حضرت نے مجھے متوجہ کر کے فرمایا کہ حضرت مخدوم جہاںؒ پر ایک تصنیف بزبان انگریزی بھی مرتب ہونی چاہیے۔ مجھے آپ کا اسکے لئے متوجہ فرمانا میرے لئے تو حکم کے درجہ میں تھا۔ مجھے اسکی فکر ہوگئی۔ ایک رائے یہ ٹھہری کہ پہلے ایک کتاب اردو میں تحریر کی جائے جسکی بنیاد پر انگریزی زبان میں کتاب مرتب کی جائے۔ میں اسی فکر میں سرگرداں تھا کہ یہ کام کیوں

کر ہو سکے گا، حضرت مخدوم جہاںؒ پر تصنیف کوئی کار آسان تو نہیں۔ بس اب اسے نوازش مخدوم ہی کہئے کہ اپنے ہی ایک غلام کو اس کام کا حوصلہ دے دیا، میری ملاقات جناب سید صدر الحسن صاحب، دست گرفتہ والد خود جناب سید شاہ ہادی حسن فردوسی مرید و خلیفہ حضرت جناب سید شاہ وصی احمد فردوسی المعروف بہ شاہ براتیؒ خانقاہ معظم بہار شریف سے ہوئی، جنہیں میں نے اس کام کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ انھیں اس کام کی ذمہ داری قبول کرنے میں پہلے تو بہت تردّد رہا مگر پھر عندیہ مخدوم سمجھ کر انہوں نے فیض مخدوم کا حوصلہ پایا اور اس کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ اور شاید یہ تصرف مخدوم ہی ہے کہ بس چند مہینوں میں 'نقوش شرف' کی تالیف ہوگئی جو قارئین کے پیش خدمت ہے۔

یا اللہ! اس کتاب کے سلسلہ میں درے قدمے سخنے و قلمے جن مخلص احباب نے معاونت کی ہے ان سب کو دارین میں اجر عظیم عطا فرمایئے۔ آمین!

یا اللہ اس کار خیر کو ہم سب کے لئے خیرات جاریہ کا واسطہ و وسیلہ بنا دیجئے اور ہمارے اہل و عیال اور آباؤ اجداد اور اعزہ و اقربا کیلیے اس کو سرمایہ نجات آخرت بنا دیجئے۔ آمین!

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اگست ۲۰۰۲

اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی نظر رحمت کا محتاج ہوں بطفیل مخدومِ جہاں
کیپٹن (ر) سید غلام محی الدین
امیر بزم فردوسیہ ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(از حضرت مولانا فضل القدیر ندوی صاحب، سابق پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی، حال پروفیسر اسلامیات، ہمدرد یونیورسٹی، کراچی)

مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہٗ ساتویں صدی ہجری کے مشائخ عظام اور ائمہ تصوف میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے علم وفضل، زُہد وتقویٰ، اور اصلاح نفس کی مسلسل جدوجہد سے حق آگہی کے ایک ایسے عصر وعہد کی تخلیق کی جس کا تسلسل صدیوں پر محیط ہے۔

حضرت مخدوم کی سیرت وشخصیت کی عظمت وانفرادیت صرف تزکیہ نفس اور ارشاد باطن نہیں ہے بلکہ تصوف پر ایک گراں قدر علمی سرمایہ کی تخلیق بھی ہے اور ان کے مکتوبات وملفوظات ہیں، جو علم باطن کے رموز وحقائق پر دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی اشاعت سے علم تصوف کے وقار میں اضافہ ہوا، نصوص قرآن وسنت کی گہری اور فکر انگیز شرح وتعبیر سامنے آئی۔

مخدوم الملک کی تحریریں بیداری قلب کا پیغام دیتی ہیں، وہ بیداری جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کراری
مِسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

''اے برادر عہدے بود کہ سنگ ہارا دل بودے، اکنوں در عہد ما بد روزاں دل ہا ہم سنگ شدند۔

اے بھائی ایک زمانہ تھا کہ پتھروں کے بھی دل ہوتے تھے، اب ہم بدنصیبوں کے زمانے میں تو دل بھی پتھر ہو گئے ہیں''۔

مخدوم الملک نے نظام خانقاہی کو خطوط سنن پر استوار کیا، اس کے اصول وضوابط وضع کئے، ان کی شخصیت علم ظاہر وباطن دونوں کی جامعیت سے آراستہ تھی، وہ فقیہ مجتہد بھی تھے، اور زیب سجادہ طریقت بھی، ان کے معاصر علماء اور مشائخ انہیں سلطان المحققین کہتے تھے اور ان کی تحریروں کو سرمۂ بصیرت سمجھتے تھے، حضرت مخدوم نے حقائق ولطائف اور اصطلاحاتِ علم باطن کو اپنے کلکِ گہر بار سے ایک نئی زبان بخشی۔

مخدوم کے افکار وتصورات، تبلیغ دین اور رشد وہدایت کے سارے پہلو عمیق مطالعے کے متقاضی ہیں، ان کی صفات وشخصیت کی متعدد جہات پر کچھ کام بھی ہوئے ہیں، سیر وسوانح اور تزکیہ نفس کی انقلابی جدوجہد کے حوالے سے اہم کتابیں بھی سامنے آئیں، لیکن زیر نظر کتاب ''نقوش شرف'' اس لحاظ سے سب پر فائق ہے کہ شاید پہلی بار مخدوم الملک کی سیر وسوانح، اور عہد آفریں روحانی خدمات مستند ترین حوالوں کے ساتھ محققانہ طرز واسلوب میں نہایت حسن ترتیب کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، ماخذ ومنبع خود مخدوم الملک ہی کی بصیرت افروز تحریریں ٹھہریں، اور سیر وسوانح سے لے کر نکاتِ تصوف کی شرح بھی اہم حوالوں سے کی گئی ہے چونکہ ہر صفحہ بحث ونظر سے معمور ہے، اس لئے کتاب تحقیقی اور سندی معیار کی حامل ہو گئی ہے۔

نقوش شرف کے مصنف جناب ڈاکٹر سید صدر الحسن ایم، ایس، سی۔ پی، ایچ، ڈی دراصل سائنسی علوم کے محقق ہیں لیکن انہیں دینی علوم کا بھی بہرۂ وافر حاصل ہے، فقہی اور دیگر موضوعات پر انہوں نے چند اچھی کتابیں لکھ کر علماء اور فقہا کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی ہے۔ وہ خود علماء اور صوفیاء کے خانوادے کے فرد اور مخدوم کے سلسلہ فردوسیہ میں اپنے والد کے دست گرفتہ ہیں۔ ان کے والد ماجد کو خانقاہ معظم بہار شریف میں جناب سید وصی احمد فردوسی المعروف بہ شاہ براتیؒ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ یہ مغربی اور مشرقی دونوں علوم کے جامع ہیں، تصنیفی ذوق کا معیار نہایت بلند ہے۔

ڈاکٹر سید صدر الحسن صاحب نے ''نقوش شرف'' دو حصوں میں لکھی ہے، پہلا حصہ حضرت مخدوم

جہاںؒ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ آپ کی تعلیمات سے متعلق ہے جسے زیادہ واضح کرنے کے لئے ''مباحث علمی وراہ صواب'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ یہ کتاب پندرہ ابواب پر مشتمل ہے جنکے تحت جن اہم موضوعات کو زیر تحریر لایا گیا ہے ان میں سیر وسوانح، مخدوم کا تصور اسلام، شریعت وطریقت، مخدوم کے افادات علمیہ، روحانی فیوض وبرکات، اشاعت دین وتبلیغ اسلام، مخدوم کا تحریری سرمایہ، اس کے علمی وروحانی مقام کی رفعت، ان کے علاوہ مخدوم کے معاصرین، نیز ساتویں صدی ہجری اور مشائخ مابعد کے تاثرات وغیرہ شامل ہیں۔ کوئی چیز بغیر حوالہ نہیں لکھی گئی ہے۔ حسن ترتیب نے کتاب کی دل آویزی میں اضافہ کیا ہے۔ اس سے عوام وخواص، ذی علم اور متوسطین دونوں مستفید ہو سکتے ہیں۔ موضوع کی وسعت اور مصنف کے طرز تحریر کی گہرائی اور گیرائی نے صدیوں پر محیط تاریخ تصوف کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ اسے مقبولیت بخشے۔

فضل القدیر ندوی   اگست ۲۰۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

نحمدہٗ و نصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم-امابعد- مقبلان بارگاہ رب العزت کی بڑی شان ہے-ارشاد باری تعالیٰ ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون- یہ وہ ہستیاں ہیں کہ عنایت وعزت حق عزوجل ان پر سایہ فگن ہے-ان کے مقامات کو کوئی کیا جانے کہ فرمایا گیا ہے،اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری-انہی کی یہ باتیں ہیں جو کہی گئی ہیں-

مردان رہش زندہ بجان دگراند   مرغان ہواش زآشیان دگراند
منگر تو بدیں چشم برایشاں کیشاں   بیروں ز دو کون از جہان دگراند

ان پاک نفوس کا ذکر خیر کار ثواب ہے، تذکرہ حضرت مخدوم جہاںؒ پر مبنی یہ کتاب اسی سعادت کے حصول کا ایک عنوان ہے- حضرت مخدوم جہاںؒ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ اولیائے کبار برصغیر میں سے ہیں-آج سات سو سال سے آپ کا دریائے فیض جاری وساری ہے-ایک طرف آپ کا فیض روحانی آپ کے سلسلہ خانقاہی سے جاری ہے تو دوسری طرف آپ کا تحریری علمی سرمایہ جویاں علم ودانش کے لئے وجہ ایقان راہ شریعت وطریقت حقیقت ہے- حضرت مخدوم جہاںؒ کی حالات زندگی اور تعلیمات پر مشتمل اس کتاب کی تالیف کا سبب بھی محض عطائے ربی ہے کہ حصول سعادتمندی کا عنوان جسطرح چاہیں پیدا فرما دیں- جب عطائے ربی ہوتی ہے تو قسمت بھی یاوری کرتی ہے اور اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں- مختصراً یہ ہے کہ احباب بزم فردوسیہ ٹرسٹ، مشفقی ومجی جناب سید شاہ علی حسین احمد سہروردی زید مجدہٗ، مجی کیپٹن (ر) سید محی الدین صاحب اور برادرم سید امتیاز الہدیٰ صاحب سے مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، حضرت

مخدوم جہاںؒ کی تعلیمات خصوصاً مکتوب صدی کو عام کرنے کی ضرورت کا ذکر ہوا اور اس خواہش کا بھی اظہار کیا گیا کہ سوانح حضرت مخدوم جہاںؒ پر بھی ایک تصنیف تیار کی جائے۔ معلوم ہوا کہ موجودہ صاحب سجادہ خانقاہ معظم بہار شریف، حضرت مولانا سید شاہ سیف الدین مدفیوضہ' وبرکاتہ'، جب پچھلی بار یہاں تشریف لائے تھے تو بزم فردوسیہ ٹرسٹ کے اغراض ومقاصد کو سراہتے ہوئے اسکی سرپرستی بھی قبول فرمالی تھی۔ راقم اُن دنوں یہاں موجود نہیں تھا اسلئے ان مجالس میں شرکت سے محروم رہا۔ بہر صورت، حضرت شاہ صاحب اپنے دست گرفتہ اور بزم فردوسیہ ٹرسٹ کے روح رواں کیپٹن (ر) سید محی الدین صاحب کو حضرت مخدوم صاحب کی سوانح حیات بزبان انگریزی تصنیف کرنے کا عندیہ دیا اور یہ حوصلہ بھی دیا کہ یہ کام یہاں ہوسکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا یہ فرمانا حکم کا درجہ رکھتا تھا، چنانچہ اسکی فکر ہوگئی۔ رائے یہ ٹھہری کہ انگریزی سے پہلے ایک تصنیف اردو زبان میں تیار کی جائے جسکی بنیاد پر انگریزی زبان میں سوانح حیات تیار کی جائے۔ اس کام کے لئے ان احباب نے مجھے ذمہ داری سونپنا چاہی۔ ہرچند کہ میں اس لائق نہیں تھا، مگر ان احباب کا اصرار تھا کہ ہمت کریں، عندیہ مخدوم ہے تو فیض مخدوم سے یہ کام آسان ہوجائے گا۔ انکار کی گنجائش نہ رہی، حصول سعادتمندی کے لئے کمر ہمت باندھ لی اور جو کچھ ہوسکا وہ بعنوان ''نقوش شرف'' قارئین کے پیش خدمت ہے۔

سوانح نگاری بھی تاریخ نویسی کا ایک حصہ ہے، اسلئے وہ تمام مشکلات جو تاریخ نویسی میں پیش آتی ہیں وہ سوانح نگاری میں بھی پیش آتی ہیں۔ مزید یہ کہ بزرگان دین کے حالات قلمبند کرنے میں ایک اور مشکل یہ ہوتی ہے کہ معیار تاریخ نویسی کے مطابق قابل اعتماد حوالہ جات کا حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ زیادہ تر زبانی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور جو تحریری مواد ملتا بھی ہے وہ بھی مرقع عقید تمندی ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے سلسلہ میں بھی اسطرح کی مشکل کا ذکر کچھ سوانح نگاروں نے کیا ہے۔ بہر صورت، حضرت مخدوم جہاںؒ کے سلسلہ میں تحریری مواد کی تلاش شروع کی تو تین ادوار کی تصانیف سامنے آئیں، ایک تو حضرت مخدوم جہاںؒ کے قریب ترین دور کی، دوسری چند صدی بعد کی، اور تیسری پچھلی ڈیڑھ صدی کے اندر کی۔ ان تصانیف کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنا مناسب ہوگا۔

حضرت مخدوم جہاںؒ سے قریب ترین دور کی تصنیف ''مناقب الاصفیاء'' ہے اور یہ حضرت مخدوم شعیبؒ کی تصنیف مشہور ہے۔ حضرت مخدوم شعیبؒ مرید وخلیفہ حضرت مخدوم جہاںؒ ہیں اور نسبی تعلق سے بھائی ہیں کہ ان دونوں کے مورث اعلیٰ حضرت امام تاج فقیہؒ ہیں۔ اسطرح اس کتاب پر تاریخی اعتبار سے سب سے زیادہ اعتماد کیا جاسکتا ہے، مگر اس تصنیف کے سلسلہ میں چند ایسے حقائق سامنے آئے ہیں کہ اس پر مطلقاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مناقب الاصفیاء کے حالیہ مطبوعہ نسخہ، مترجمہ ڈاکٹر محمد علی ارشد (جسے مکتبہ شرف، خانقاہ معظم بہار شریف نے نشر کیا، سال اشاعت ۲۰۰۱ء)، میں ایک مضمون بعنوان 'مناقب الاصفیاء حاصل مطالعہ' از جناب سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی بھی شامل ہے جس میں اس کتاب کا ایک محققانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ قارئین کی سہولت کے لئے اگلے صفحات میں اسکے اہم نکات 'تحصیل علم اور قیام سنارگاؤں' کے باب کے تحت پیش کر دیئے گئے ہیں۔ جناب شمیم الدین احمد صاحب کے اس تجزیہ کے پیش نظر مناقب الاصفیاء اگرچہ ایک اہم ماخذ ہے مگر اسکے مندرجات میں جرح وتعدیل کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

اسی دور کی ایک اہم کتاب مونس القلوب بھی ہے، جسکے جامع حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ ہیں اور جس میں حضرت مخدوم جہاںؒ، مولا مظفرؒ، مخدوم حسین توشہ توحیدؒ وغیرہ کے حالات مذکور ہیں۔ ایک دوسری اہم کتاب لطائف اشرفی بھی اسی دور کی ہے۔ یہ کتاب ملفوظات حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنائیؒ پر مشتمل ہے۔ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنائیؒ نے حضرت مخدوم جہاںؒ کا زمانہ پایا تھا اور حضرت مخدوم جہاںؒ سے نہایت عقیدتمندی رکھتے تھے اور آپ نے ہی حضرت مخدوم جہاںؒ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ اس کتاب کے جامع حضرت حاجی نظام غریب یمنیؒ، مرید وخلیفہ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنائیؒ ہیں۔

چند صدی بعد کی تصانیف میں چند قابل ذکر یہ ہیں: آئین اکبری مصنفہ ابوالفضل، اخبار الاخیار مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ گذشتہ ڈیڑھ سو سال کے اندر لکھی گئی تصانیف میں چند اہم تصانیف خزینۃ الاصفیا مصنفہ غلام سرور لاہوری، سیرت الشرف مصنفہ سید ضمیر الدین احمد، وسیلہ شرف وذریعہ دولت مصنفہ سید شاہ فرزند علی منیریؒ، بزم صوفیا مصنفہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، تاریخ سلسلہ فردوسیہ مصنفہ محمد معین الدین دردائی وغیرہ ہیں۔ ایک نہایت ہی اہم تصنیف مقالہ ڈاکٹر سید مطیع الامام ہے جو ڈاکٹر صاحب کا

پی ایچ ڈی کا کام ہے۔ یہ مقالہ جدید طرز تحقیق کے انداز سے لکھا گیا ہے، اور اس کام کے لئے ڈاکٹر صاحب نے بہار کی مختلف خانقاہوں کے کتب خانوں سے استفادہ کیا، متعلقہ مسودوں کی مائکروفلم بھی بنوائی جسے جامعہ کراچی کے کتب خانہ میں جمع کرا دیا۔ یہ تصنیف تقریباً تیس سال پہلے لکھی گئی ہے اور اس کا ترجمہ محمد ظفیر الحسن صاحب نے کیا ہے جو قسط وار ماہنامہ مہر نیمروز میں فارسی متن کے ساتھ چھپتا رہا۔ اس مقالہ میں تمام تر گفتگو کتب مطبوعہ یا خطی کے حوالے سے کی گئی ہے، مگر زبانی روایات کا ذکر بھی آ گیا ہے جسے بہر صورت قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا ہے۔

زبانی روایات کے سلسلہ میں کچھ باتیں غور طلب ہیں۔ تاریخی شواہد جو کتب تاریخ میں پیش کئے جاتے ہیں وہ بھی سمعی اور بصری روایات پر مشتمل ہوتے ہیں اور اگرچہ راوی محل وقوع پر موجود بھی ہوتا ہے مگر واقعہ کو اپنے محدود زاویہ نگاہ سے ہی دیکھتا ہے۔ پھر تاریخ نویس بھی اپنے فکری رجحان کے تحت ہی مختلف روایات کو مربوط کرتا ہے اور اسی لئے واقعہ نگاری میں فرق آ جاتا ہے اور جرح و تعدیل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بزرگانِ دین کے حالات کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ اُن کے متوسلین کے حوالہ سے مشتہر ہوتے ہیں اور چونکہ متوسلین کا سلسلہ تلمذ تسلسل کے ساتھ جاری رہتا ہے اسلئے ان کے حوالہ سے جو روایات مشتہر ہوتی ہیں وہ قابل اعتناء ہوتی ہیں۔ انکی سند کے لئے یہی قوی دلیل نظر آتی ہے۔ اگرچہ ان روایات میں فرق بھی پایا جاتا ہے، جو ایک فطری بات ہے کیونکہ ہر راوی کا انداز بیان اپنا ہوتا ہے۔ مگر ان روایات میں تطبیق دیکر اصل واقعہ کو فروعات سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے راقم کا یہ خیال ہے کہ بزرگانِ دین کے متعلق زبانی روایات کو یکسر مسترد کرنا مناسب نہیں ہے۔

جہاں تک حضرت مخدوم جہاںؒ کی تعلیمات کا تعلق ہے تو ان کا ایک معتد بہ حصہ، بعنوان مکتوبات، ملفوظات، رسائل و تصانیف، آج بھی خانقاہ معظم بہار شریف و دیگر خانقاہوں (خانقاہ بلخیہ، فتوحہ جو بعد فسادات بہار پٹنہ منتقل ہو گیا ہے، خانقاہ منیر شریف وغیرہ) میں محفوظ ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے مکتوبات (مکتوبات صدی) کو تو اس قدر قبولیت حاصل ہوئی کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی حیات میں اسکی نقول لوگوں نے حاصل کیں اور خانقاہوں میں یہ کتاب تصوف کی درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جانے لگی اور

صاحبان دل نے اسکا مطالعہ کرنا بھی اپنے وظائف میں شامل کرلیا۔

اسی طرح حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات بھی بہت اہتمام سے قلمبند کئے گئے، خاص کر حضرت زین بدر عربیؒ کا اس سلسلہ میں شغف کچھ ایسا رہا کہ ان تحریروں کی سند کی ضمانت بن گیا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کا تمام تحریری سرمایہ جنکی آج بھی معلوم تعداد پینتیس بتائی جاتی ہے، آج بھی موجود ہے اور ان کے مصدقہ ہونے میں کسی نے کوئی کلام نہیں کیا ہے۔

اس کتاب کی تالیف میں جن ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، ان میں کچھ تو بنیادی ماخذ ہیں اور کچھ ثانوی ماخذ ہیں۔ ثانوی ماخذ میں مندرج حوالہ جات کو بلا تامل قبول کرلیا گیا ہے، مگر انکا حوالہ ثانوی ماخذ کے حوالہ سے ہی دیا گیا ہے۔

یہ کتاب دو حصوں میں لکھی گئی ہے' پہلا حصہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی سوانح حیات سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ آپ کی تعلیمات پر مبنی ہے اور اسکو مزید واضح کرنے کے لئے اسکا عنوان 'مباحث علمی وراہ صواب' رکھا گیا ہے۔ دونوں حصوں کو ملا کر کل پندرہ ابواب بنتے ہیں۔ ہر باب کے بعد اس سے متعلق حوالہ جات باب کے فوراً ہی بعد دے دیئے گئے ہیں۔ البتہ ان حوالہ جات کو لکھنے میں اختصار سے کام لیا گیا ہے تاکہ طوالت اور تکرار سے بچا جاسکے۔

قارئین کی سہولت کے لئے اختصار کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے:

۱۔ مکتوبات صدی: مکتوبات صدی از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، مترجمہ سید شاہ نجم الدینؒ و سید شاہ الیاسؒ، ناشر سید شاہ محمد نعیم ندوی، لطیف آباد، حیدر آباد ۱۹۶۸ء

نوٹ: اس کتاب کے مختلف مطبوعہ نسخے شائع ہوئے، مگر نعیم ندوی صاحب کا طبع کردہ یہ نسخہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ فارسی متن کے ساتھ دو حصوں میں اور چار جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلا حصہ شروع کے چالیس مکتوبات پر مشتمل ہے جسکا ترجمہ جناب سید شاہ نجم الدینؒ نے کیا تھا۔ یہ حصہ دو جلدوں میں ہے۔ پہلی

جلد فارسی متن کے ساتھ اور دوسری جلد اردو متن پر مشتمل ہے۔اسی طرح دوسرا حصہ بعد کے ساٹھ مکتوبات پر مشتمل ہے جنکا ترجمہ جناب سید شاہ الیاسؒ نے کیا تھا، اسکی بھی اُسی طرح دو جلدیں ہیں ایک فارسی متن کی اور دوسری اردو ترجمہ کی۔ چونکہ یہ دونوں حصے الگ الگ حیثیت میں طبع ہوئے اسلئے اردو ترجمے (اسی طرح فارسی متن) کی دونوں جلدوں میں صفحات کے نمبر شمار کا تسلسل ٹوٹ گیا ہے۔ چنانچہ مکتوب کا شمار نمبر دیکر اس الجھن کو رفع کر دیا گیا ہے۔

۲۔مکتوبات دوصدی مترجمہ نعیم ندوی: مکتوبات دوصدی از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، ترجمہ سید محمد نعیم ندوی، ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم۔اے۔جناح روڈ، کراچی۔

نوٹ: اسمیں کل ۱۵۳ مکتوب ہیں، سنہ طباعت مذکور نہیں، مگر ۱۹۸۰ء کے بعد کی ہی ہے۔

۳۔مکتوبات دوصدی مترجمہ قسیم الدین احمد: مکتوبات دوصدی از حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، مترجم حکیم سید شاہ قسیم الدین احمد فردوسی (تصحیح و ترتیب نو سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی)، ناشر مکتبہ شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (۱۹۹۳ء)

نوٹ: اس کتاب میں ۲۰۸ مکتوبات ہیں، جبکہ مترجمہ نعیم ندوی میں صرف ۱۵۳ مکاتب ہیں۔

۴۔سیرت الشرف: سیرت الشرف مصنفہ سید ضمیر الدین احمد بہاری عظیم آبادی۔

۵۔وسیلہ شرف وذریعہ دولت: وسیلہ شرف وذریعہ دولت، تالیف سید شاہ فرزند علی صوفی منیریؒ (بہ تصحیح وتحشیہ از محمد طیب ابدالیؒ)، ملنے کا پتہ: کتاب منزل، سبزی منڈی، پٹنہ نمبر ۴

۶۔تاریخ سلسلہ فردوسیہ: تاریخ سلسلہ فردوسیہ، تالیف محمد معین الدین دردائی، کتاب منزل، باری

روڈ، گیا (بہار) (۱۹۶۲ء)

۷۔ مقالہ مطیع الامام: مقالہ مطیع الامام مشتمل بر سوانح حیات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، ترجمہ محمد ظفیر الحسن، ماہنامہ مہر نیمروز، نمبر۴ ۲۰ العمران، شرف آباد، کراچی نمبر۵

۸۔ معدن المعانی: معدن المعانی، ملفوظات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، جامع حضرت زین بدر عربی، ترجمہ سید شاہ قسیم الدین فردوسی، ناشر مکتبہ شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (۱۹۸۵ء)

۹۔ خوان پرنعمت: خوان پرنعمت، ملفوظات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، مترجم ڈاکٹر محمد علی ارشد فردوسی، ناشر مکتبہ شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (۱۹۸۹ء)

۱۰۔ راحت القلوب: راحت القلوب، ملفوظات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ مترجم حکیم شاہ محمد طاہر عثمانی فردوسی سملوی، ناشر مکتبہ فردوسیہ، خانقاہ مجیبیہ فردوسیہ، سملہ پاک، اورنگ آباد، (بہار) (۱۹۹۱ء)

۱۱۔ مناقب الاصفیاء: مناقب الاصفیاء، تالیف حضرت مخدوم شعیب فردوسیؒ، ترجمہ ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، ناشر مکتبہ، شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (۲۰۰۱ء)

۱۲۔ آداب المریدین: شرح آداب المریدین، تالیف حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، مترجمہ جناب سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی الفردوسی، ناشر بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (۱۹۶۶ء)

۱۳۔ مونس المریدین: مونس المریدین، ملفوظات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، مترجم سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی الفردوسی، ناشر بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (۱۳۸۳ھ)

۱۴۔ مناقب شعیبؒ: مناقب شعیبؒ، تالیف عبدالواسع صدیقی فردوسی، خانقاہ شیخپورہ، ضلع مونگیر (بہار) (۱۹۶۴ء)

۱۵۔فوائد المریدین: فوائد المریدین، ملفوظات حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ، مترجم سید شاہ قسیم الدین احمد شرفی الفردوسی، ناشر مکتبہ شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (۱۴۰۸ھ)

۱۶۔مکتوبات حسین: مکتوبات مخدوم حسینؒ، ترجمہ مع متن، مترجم سید شاہ قسیم الدین بلخی و شاہ علی ارشد شرفی بلخی، ناشر بزم فردوسیہ، کراچی (۱۹۹۹ء)

۱۷۔نور مبین: نور مبین، مرتبہ ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی، فیروز سنز، کراچی (۱۹۹۸ء)

اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں جن حضرات نے خصوصی معاونت کی ان میں احباب بزم فردوسیہ ٹرسٹ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ محترمی جناب سید شاہ علی حسین احمدی سہروردی زید مجدہٗ نے نہ صرف یہ کہ مسودہ کتاب کو پڑھا بلکہ اپنے مشوروں سے بھی نوازا اور کچھ اضافی معلومات بھی فراہم کیں، محبی کیپٹن (ر) سید غلام محی الدین صاحب تو مستقلاً میری ہمت افزائی کرتے رہے، اور دستیابی کتب و رسائل سے لے کر کتاب کی کمپوزنگ، ایڈیٹنگ، طباعت و اشاعت کی ساری ذمہ داری خود ہی بطریق احسن پوری کی، اور برادرم سید امتیاز الہدیٰ صاحب نے بھی مختلف عنوانات سے معاونت فرمائی۔

میں بطور خاص حضرت مولانا فضل القدیر ندوی، پروفیسر اسلامیات، ہمدرد یونیورسٹی، کا ممنون ہوں جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود میری درخواست پر مسودہ کتاب کو شرف نظر بخشا اور اسکے لئے پیش لفظ بھی تحریر فرمایا، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین! میں اپنی کوتاہ علمی سے ہمیشہ متردد رہا کہ نہ جانے مجھ سے اس کتاب میں کیا کچھ فروگذاشتیں سرزد ہوگئی ہونگی، مگر حضرت مولانا نے جس مشفقانہ انداز سے میری ہمت افزائی فرمائی ہے اس سے اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے لئے بڑا حوصلہ ملا ہے۔

اللہ تعالےٰ کا مجھ پر فضل عظیم ہے کہ میری پرورش و تربیت میرے والدین کے سایہ عاطفت میں ہوئی، حضرت والد ماجد سید شاہ ہادی حسن فردوسی، مرید و خلیفہ حضرت مولانا سید شاہ وصی احمد فردوسی المعروف بہ شاہ براتیؒ، خانقاہ معظم بہار شریف، نے مجھے سلسلہ فردوسیہ میں داخل فرمایا اور اسطرح حضرت مخدوم جہاںؒ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ میری والدہ محترمہ نے گھریلو ماحول کو جس طرح ترتیب دیا اُس میں میں نے دین کی حلاوت پائی۔ اللہ رب العزت میرے والدین پر رحمت فرمائیں، انکی قبروں کو منور فرمائیں، انکے

درجات بلند فرمائیں اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین!

غلامی حضرت مخدوم جہاںؒ کا شکر کس طرح ادا کروں!

شکر ہا می کنم بہ درگہ حق گرچہ شکرش نہ کار آسان است
درمیان مشائخ وعلماء ذات پاکش چو مہر تابان است
وصف او در زبان نمی گنجد ہر چہ گویم ہزار چنداں است
خواستم تا ز صد یکے گویم گفتن صدق کار مردان است
ہاتف غیب در سخن آمد کار تو نیست کار خاصان است

اگست ۲۰۰۲ **سید صدر الحسن**

نقوش شرف

حصہ اوّل (حالاتِ زندگی)

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ
عظیم آباد، پٹنہ
[illegible] پورہ فتوحہ

روضۂ اقدس مخدوم جہاں (بہار شریف)

اسم گرامی و پیدائش

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس اللہ سرہٗ العزیز اولیائے کبار میں سے ہیں۔ آپ قرون اولیٰ کے اصحاب تمکین کے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اتباع سنت پر کامل دستگاہ رکھنے والے اور اس کے مکمل پاسدار ہیں۔ بلانوش خمخانہ معرفت و غرقاب دریائے وحدت ہیں مگر پاسداری شریعت میں اظہار شطحیات سے مکمل محفوظ۔ راہ سلوک کے مرد کامل مگر ضبط ایسا کہ مسند ارشاد پر متمکن شمع انجمن متوسلان ہیں۔

پیدائش و عہد طفلی: آپ کا اسم گرامی شرف الدین احمد یحیٰ منیری ہے۔ اسی نام سے آپ مشہور ہیں۔ منیر آپ کی جائے پیدائش ہے۔ اس نسبت سے آپ منیری کہلاتے ہیں۔ منیر صوبہ بہار کا ایک قصبہ ہے جو صوبہ بہار کے صدر مقام پٹنہ سے تقریباً اٹھارہ میل پر واقع ہے۔ صوبہ بہار بھارت (ہندوستان) کا ایک صوبہ ہے جسے بھارت کی آئینی اصطلاح میں ریاست (State) کا درجہ حاصل ہے۔ اس صوبہ کی جغرافیائی حد بندی کا جائزہ لیں تو موریہ خاندان کے دور حکومت میں مگدھ کا نام نظر آتا ہے۔ یہ مگدھ آج کے وسطی، شمال وسطی اور جنوبی بہار اور اڑیسہ پر مشتمل تھا جس کا دار الخلافہ پاٹلی پترا (یعنی موجودہ پٹنہ) تھا۔ اشوک کی حکومت تقریباً پورے شمالی ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی اور اس دور میں بدھ مذہب کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ شہنشاہ اشوک (متوفی ۲۲۳ ق م) کے انتقال کے بعد حکومت کمزور ہوئی اور بدھ مذہب کو بھی زوال آیا اور برہمنوں نے زور پکڑا چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں کوئی مضبوط مرکزی حکومت وجود میں نہیں تھی۔ مشرقی ہندوستان میں گنگا اور برہمپترا کے ڈیلٹائی علاقہ میں ایک خوشحال حکومت تھی جس کی شمال مغربی اور مشرقی سرحدوں پر دوسری حکومتیں اسکے لئے خطرہ بنی رہتی تھیں۔ یہ مختلف حکومتیں زیادہ تر حکمرانوں کے نام

سے پہچانی جاتی تھیں۔ بہرصورت اس پورے علاقے کو گوار بنگالہ کہا جاتا تھا جس کو بعد میں ہندوؤں نے گوادہ اور مسلمانوں نے بنگالہ کے نام سے موسوم کردیا۔

حضرت امام تاج فقیہ" جب منیر تشریف لائے تو منیر کا علاقہ قنوج کے تحت تھا اور یہ علاقہ بہار (یعنی قصبہ بہار) سے الگ تھا۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ منیر کے اٹھارہ سال بعد قلعہ بہار محمد بختیار خلجی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس علاقے یعنی بہار میں برہمن آباد تھے اور قلعہ حقیقت میں ایک درسگاہ تھی۔ چنانچہ قلعہ کی حفاظت کے لئے لوگ بہت جوانمردی سے لڑے اور تمام لوگ اس لڑائی میں کام آئے۔ جب مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے تو وہاں کتابیں ہی کتابیں نظر آئیں اور پتہ چلا کہ بہار کا اصل نام سنسکرت زبان میں وہار تھا جس کے معنی درسگاہ کے تھے اور واقعی یہ جگہ اسم بامسمیٰ تھی۔ فتح قلعہ بہار کے بعد اس پورے علاقے کو مسلمانوں نے بہار کے نام سے موسوم کردیا۔ ظاہر ہے کہ حکمرانوں کے زیرنگیں علاقے کے ردوبدل کے ساتھ بہار کی جغرافیائی حدبندی میں فرق آتا رہا مگر اس کا تعین مگدھ کے حوالے سے ہی ہوتا رہا۔ مسلمانوں اور انگریزوں کے دور میں یہ علاقہ بنگال کا حصہ رہا اور بیسویں صدی کے اوائل میں انگریزوں نے اس کو الگ صوبہ کی حیثیت دے دی۔

جب مسلمانوں کی پرانی تاریخ کے حوالے سے منیر اور بہار کی بات ہوتی ہے تو اس سے مراد قصبہ منیر اور قصبہ بہار (بہار شریف) ہوتی ہے۔ فتح قلعہ بہار کے بعد اس علاقے کو مسلمان بہار کہنے لگے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے A Short History of Pakistan by I.H Qureshi, Karachi University Press (1984), Pages 168-169)

آپ کی پیدائش کے سلسلہ میں آپ کے والد کو اشارہ غیبی ہوا تھا۔ ایک حکایت یہ مشہور ہے کہ آپ کے والد حضرت مخدوم یحیٰ ایک بزرگ حضرت مولانا تقی الدین عربی ساکن مہسون سے عقیدت مندی رکھتے تھے۔ یہ بزرگ وہ ہیں کہ جنہوں نے احیائے علوم کا انتخاب ملتقط کے نام سے کیا تھا۔ مخدوم یحیٰ ان بزرگ کی خدمت میں اکثر منیر سے مہسون جایا کرتے تھے۔ حضرت تقی الدین مخدوم یحیٰ " کو دیکھ کر تعظیما

کھڑے ہو جاتے اور آپ کی پشت پر بوسہ دیتے تھے۔ حسب معمول ایک دن جب مخدوم یحیٰؒ مولانا تقی الدینؒ کے پاس تشریف لے گئے تو مولانا تقی الدینؒ نے اس طرح تعظیم نہیں کی۔ مخدوم یحیٰؒ کو تردّد ہوا۔ حضرت مولانا تقی الدینؒ اشراق باطن سے سمجھ گئے اور فرمایا کہ میں جس کی تعظیم کرتا تھا وہ اب قضائے الٰہی سے دنیائے آب وگل میں ظہور کے لئے حصول کالبد خاکی کی ارتقائی منزلیں طے کرنے کے لئے آپ سے جدا ہو چکا ہے۔ یہ بشارت تھی حضرت مخدوم جہاںؒ کی پیدائش کی۔ آپ کی ولادت باسعادت آپ کے آبائی مکان واقع منیر میں ہوئی جو اب تک موجود ہے، اور ایک روایت یوں ہے [۲] کہ حضرت امام تاج فقیہؒ نے بعد فتح منیر اس جگہ آرام فرمایا تھا۔ اس عمارت اور برآمدہ کے درمیان ایک صحن ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی تقریباً اڑتالیس (۴۸) فٹ ہے جس کمرے میں آپ کی ولادت ہوئی تھی وہاں آج بھی لکڑی کی ایک چوکی موجود ہے جس پر آپ کی والدہ نے آرام فرمایا تھا۔ اس کمرے سے متصل ایک حجرہ بھی ہے جس میں آپ کے والد عبادت کیا کرتے تھے۔

تاریخ ولادت ۲۹ شعبان المعظم ۶۶۱ھ مشہور ہے [۳]۔ تاریخ ولادت کے سلسلے میں مختلف تذکرہ نگاروں نے کچھ اختلاف کیا ہے جس پر اگلے صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی۔

مخدوم جہاںؒ مادر زاد ولی تھے۔ اس کا ادراک والدین کو ہو گیا تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ (بی بی رضیہ) جو خود بھی ولیہ تھیں فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنے اس بچے (مخدوم جہاںؒ) کو کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا۔ اغلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ نہیں پیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ماہ رمضان میں عہد شیر خوارگی میں آپ دن کو دودھ نہیں پیتے تھے۔ عہد طفلی کا ایک واقعہ مشہور ہے [۴] کہ ایک دن آپ کی والدہ بچہ کو گھر پر اکیلا چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے کہیں گئی ہوئی تھیں۔ واپس آئیں تو دیکھتی ہیں کہ ایک مرد بزرگ بچہ کے پاس بیٹھے مکھیاں ہٹا رہے ہیں۔ آپ یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئیں۔ بعد میں اس کا ذکر اپنے والد سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ سے کیا۔ حضرت نے فرمایا فکر کی بات نہیں ہے وہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے اور فرما رہے تھے کہ بچہ کو اکیلا چھوڑنے سے منع فرمائیں۔ خالی مکان میں آسیب کا ڈر رہتا ہے۔

تمام قرائن تو پتہ دے رہے ہیں کہ مخدوم جہاںؒ مادر زاد ولی ہیں مگر مشیت ایزدی دیکھئے کہ آپ کی

زندگی عام روش کے مطابق گزر رہی ہے۔ دنیاوی متعلقات ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ روش شریعت کے اندر تعلیم ظاہر و باطن کے حصول کی منزلیں طے فرما رہے ہیں۔ غیر ارادی طور پر بھی اظہار ولایت نہیں ہوتا۔ یہ سب فضل ایزدی ہے کہ ایسی ہی ہستیاں مقتدائی کا، روش سنت کے مطابق، حق ادا کرتی ہیں۔ جب مسند ارشاد پر متمکن ہوتے ہیں تو ارادتمند عقیدتمندی میں مخدوم جہاںؒ کہتے ہیں، کوئی مخدوم الملک کہتا ہے مگر پھر بھی انکساری اور عجز کا یہ عالم ہے کہ اپنے کو کمترین خلائق سمجھتے ہیں۔ عام معتقدین آپ کو بس مخدوم صاحب کہتے ہیں۔ مخدوم تو بہت ہیں مگر عوام میں مخدوم صاحب آپ ہی مشہور ہیں۔ حضرت عبداللہ شطارؒ فرماتے ہیں کہ حالت کشف میں، میں نے بزرگوں کے القاب عرش پر لکھے دیکھے۔ لقب بایزید بسطامیؒ سلطان العارفین لکھا دیکھا اور حضرت مخدوم جہاںؒ کا لقب سلطان المحققین لکھا دیکھا[5]۔

منیر کا تلفظ: لفظ منیر کے تلفظ میں مختلف ادوار میں فرق رہا ہے۔ جناب سید شاہ فرزند علی منیریؒ اپنی تالیف ''وسیلہ شرف و ذریعہ دولت'' میں یوں تحریر فرماتے ہیں[6] (اس کتاب کا نسخہ اوّل جو حضرت سید شاہ فرزند علی منیری کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے حضرت طیب ابدالی مترجم کتاب ہٰذا کے پاس موجود ہے جس پر سن تحریر ۱۳۱۱ھ لکھا ہے): ''منیر بفتح اوّل و ثالث و سکون ثانی و رابع اور اب کثرت استعمال سے بفتح میم اور کسر نون و یائے مجہول مشہور ہے اور پچھّم میں بہ ضم میم بولتے ہیں۔ چنانچہ استاد مرحوم اسد اللہ خان غالب دہلوی (خدا ان کی مغفرت کرے) خط جو مجھ کو لکھتے تھے میم کو پیش دے دیتے تھے''۔

مقالہ مطلع الامام میں مزید تفصیل درج ہے[7]۔ اس کے مطابق منیر سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کا تلفظ منیر (مَ۔نِ۔یٖ۔رَ) تھا (دیوناگری رسم الخط میں لکھیں گے تو یہ مُنِیرَ لکھا جائے گا)۔ مسلمانوں کے دور میں اس تلفظ میں تھوڑا فرق ہوگیا اور یہ منیر (مَ۔نِ۔یٖ۔رْ) پڑھا جانے لگا اور یہی تلفظ مسلمان دور حکومت میں بہت عرصہ تک رائج رہا۔ سند میں مقالہ نگار نے چند ابیات پیش کئے ہیں۔ شیخ حسین معز شمس بلخیؒ (۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء) جانشین حضرت مخدوم جہاںؒ منقبت حضرت مخدوم جہاںؒ میں فرماتے ہیں:

متدائے دین پیرم منیری — ایں سخن از ما بگفت از دلبری

ایک دوسری تصنیف حضرت ابراہیم قوام فاروقی موسوم بہ 'شرف نامہ منیری' میں حضرت مخدوم جہاںؒ کی منقبت

ہے جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔ واضح رہے کہ یہ کتاب فارسی۔عربی اور ترکی زبان کی فرہنگ ہے۔ سنہ تالیف ۸۶۲۔۸۷۹ھ ہے اور مصنف نے اس کتاب کو مخدوم جہاںؒ سے انتساب کیا ہے۔

مغیث جہاں سرور منیر است | کہ خاک در روضہ اش عنبر است

مسمی بنی احمد منیری | کہ دارد بدو دین حق برتری

واضح ہے کہ دلبری اور برتری سے ہم قافیہ ہونے کی بنیاد پر منیری (مَ۔نْ۔یْ۔رِ۔یْ) ہی پڑھا جائے گا اور عنبر سے ہم قافیہ منیر (مَ۔نْ۔یْ۔رْ) پڑھا جائے گا۔

پچھلے چند صدیوں سے تلفظ منیر (مَ۔نِ۔ے۔رْ) ہی مروج ہے۔

حضرت غالب نے شاید اظہار محبت میں لفظ منیر کو با معنی بنا کر مُنِیرُ (بمعنی روشن) کر دیا ہوگا۔

اسم گرامی: حضرت مخدوم جہاںؒ کے اسم گرامی کے سلسلہ میں بھی سوانح نگاروں نے کچھ توضیح طلب باتیں لکھ دی ہیں۔ وسیلہ شرف و ذریعہ دولت اور تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں نام کے سلسلے میں ایسی کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔ بس آپ کو مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری سے منسوب کیا گیا ہے۔ مگر سیرت الشرف اور مقالہ مطیع الامام میں نام کی کچھ تفصیل درج ہے۔ سیرت الشرف میں یوں مرقوم ہے[8]:

"احمد نام۔ شرف الحق والملۃ والدین۔ لقب۔ سید المتکلمین۔ سلطان المحققین۔ برہان العاشقین۔ شیخ الاسلام والمسلمین۔ مخدوم جہاںؒ۔ مخدوم الملک۔ خطاب"۔

مقالہ مطیع الامام میں یوں درج ہے[9]:

"نام احمد۔ کوئی دوسرا نام کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ لقب: مشہور لقب شرف الدین ہے لیکن ذیل کے القاب بھی بالعموم مختلف کتابوں میں دیکھنے میں آئے ہیں کیونکہ آپ کے مریدین ومتوسلین نے آپ کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔ شرف الحق وشرع والدین۔ مخدوم جہاںؒ......"

نام، لقب اور خطاب کے حوالہ سے جو ان سوانح نگاروں نے تفریق کی ہے وہ زیادہ قابل اعتناء نہیں کیونکہ سبھی آپ کو بہر صورت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری سے ہی موسوم کرتے ہیں اور نام کا

مقصد بھی بہر صورت تعارف ہی ہے۔ بہر صورت، اس سلسلہ میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا مشہور و معروف نام شرف الدین ہی اصل نام ہے۔ یہ نام آپ کے دوسرے بھائیوں کے نام سے ہم آہنگ ہے (آپ کے بھائیوں کے نام خلیل الدین۔ جلیل الدین اور حبیب الدین مشہور ہیں اور ان ناموں کے ساتھ اور کوئی نام مثلاً احمد نظر نہیں آیا)۔ اب رہا لفظ احمد کا اضافہ شرف الدین کے ساتھ کیونکر ہوا۔ ایک تاویل اس کی اس طرح ہوسکتی ہے کہ والد کے نام کو بطور کنیت اختیار کرلیا گیا ہو۔ اگرچہ آپ کے والد کا نام اکثر مخدوم یحییٰ لکھا ملتا ہے مگر تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں احمد یحییٰ بھی مذکور ہے (دیکھئے صفحہ ۱۳۹)۔ پرانی تحریروں میں اس طرح کنیت لکھنے کا رواج نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی کا نام حسین معز شمس بلخی مشہور ہے (معز شمس بلخی والد کا نام ہے)۔ چنانچہ ہوسکتا ہے کہ شرف الدین کے ساتھ احمد یحییٰ بطور کنیت استعمال ہوا ہو۔ مزید یہ کہ شرف الحق و شرع والدین اور اس طرح کے دوسرے القاب جو مریدین و متوسلین لکھتے ہیں وہ اظہار عقیدتمندی کی انشا پردازیاں ہیں۔ ایسے نام بھی اگرچہ القاب ہی کہلاتے ہیں۔ مگر یہ القاب ان القاب سے الگ ہیں جو کسی عظمت کے حوالے سے عوام میں مقبول ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے مشہور القاب مخدوم جہاںؒ، مخدوم الملک، سلطان المحققین ہیں اور یہ کوئی خطابات نہیں جن سے سربراہان حکومت و ملوک سلطنت نوازتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا اسم گرامی شرف الدین، کنیت احمد یحییٰ اور القاب مخدوم جہاںؒ وغیرہ ہی زیادہ رائج نظر آتے ہیں۔

مقام و تاریخ پیدائش: مقام پیدائش کے سلسلہ میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ یہ تو منیر ہی محقق ہے۔ تاریخ پیدائش میں اختلاف پایا جاتا ہے[10]۔ 'بزم صوفیا' میں ۲۶ شعبان المکرم لکھا ہے۔ مؤلف حیات ثبات، جناب شاہ نجم الدینؒ فردوسی، نے ۲۹ شعبان لکھا ہے۔ دوسرے تذکروں میں جمعہ کا دن بھی مذکور ہے۔ سن ولادت ۶۶۱ھ پر گویا اتفاق پایا جاتا ہے۔ ان تمام تحریروں میں حیات ثبات پر زیادہ اعتماد کرنا اس لئے مناسب ہے کہ یہ خانوادہ مخدوم کی تصنیف ہے۔ اس طرح تاریخ پیدائش ۲۹ شعبان المعظم ۶۶۱ھ ہی زیادہ رائج نظر آتا ہے اور جیسا دوسرے تذکروں میں ہے شاید یہ جمعہ کا دن ہو۔ سن ولادت میں مصنف

مقالہ مطیع الامام نے کچھ کلام کیا ہے، اس بنا پر کہ اس کی کوئی سند مرقوم نہیں ہے [11]۔ مگر اس کو اس بنا پر قابل اعتناء قرار دیا ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے نانا مخدوم شہاب الدین پیر جگجوتؒ کا تاریخ وصال ۶۶۶ھ ہے اور یہ ثابت ہے کہ نانا نے آپ کو دیکھا ہے۔

حوالہ جات:

(۱) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۶۳۔ مزید دیکھئے: وسیلہ شرف وذریعہ دولت صفحہ ۱۲۔

(۲) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۲، صفحہ ۲۹۔

(۳) ایضاً، صفحہ ۲۸

(۴) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۶۴

(۵) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۴۸

(۶) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۴۷

(۷) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ مارچ اپریل ۱۹۷۲ء صفحہ ۱۹ تا ۲۱

(۸) سیرت الشرف، صفحہ ۴۰

(۹) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۵

(۱۰) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۳۷

(۱۱) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۲ء، صفحہ ۲۷

ورود خاندان در منیر

امام تاج فقیہ کا قصد منیر: حضرت مخدوم جہاںؒ کے پردادا امام تاج فقیہؒ جو بیت المقدس کے محلہ قدس خلیل میں رہتے تھے خاندان کے پہلے فرد تھے جنہوں نے قصد منیر فرمایا۔ آپ یہاں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آئے۔ بیٹوں میں شیخ اسرائیل اور شیخ اسماعیل آپ کے ساتھ آئے تھے۔ آپ نے تکمیل مقاصد کے بعد بچوں کو یہاں چھوڑ دیا اور خود واپس چلے گئے۔ اس حد تک تو تمام سوانح نگاروں میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ مگر یہ کہ منیر آنے کی وجہ کیا تھی، کب آئے، خاندان کے کون افراد ساتھ تھے ان کی تفاصیل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ امام تاج فقیہ بیت المقدس کے محلہ قدس خلیل میں رہتے تھے۔ آپ نے ایک روز حضرت رسالتمآب ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ منیر میں ایک بندہ مومن (مومن عارف) رہتا ہے جس کو منیر کے راجہ نے بہت تنگ کر رکھا ہے تم وہاں جاؤ اور اس سے جہاد کرو ہم دوسرے کچھ ملوک کو بھی ہدایت کرتے ہیں، وہ تمہارا ساتھ دیں گے۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت امام تاج فقیہ گھر سے نکل پڑے، بیوی بچوں کو ساتھ لیا۔ راستے میں کچھ اور لوگ شریک قافلہ ہو گئے۔ یہ قافلہ منیر پہنچا۔ راجہ سے لڑائی ہوئی۔ راجہ شکست کھا کر بیوی بچوں کے ساتھ بھاگ نکلا۔ شاید کسی مجاہد کے ہاتھ لگ گیا اور قتل ہوا۔ حضرت امام تاج فقیہؒ نے اس طرح منیر فتح کیا اور کچھ عرصہ منیر میں قیام فرمایا۔ آپ کی اہلیہ کا یہاں انتقال ہو گیا۔ آپ اہلیہ کے انتقال سے افسردہ ہو گئے اور منیر کی غیر معروف زمین اور ماحول سے دل گرفتہ ہو کر اپنے وطن واپس لوٹ گئے مگر بچوں میں شیخ اسرائیل اور شیخ اسماعیل کو یہیں چھوڑ گئے۔ واپس جا کر اپنی سالی سے شادی کر لی اور بیت المقدس میں ہی بقیہ زندگی گزار دی اور پھر منیر تشریف نہیں لائے۔ ایک روایت کے مطابق دوسری شادی سے شیخ عبدالعزیز تولد ہوئے جو والد کے انتقال کے بعد اپنی والدہ سے

اجازت لے کر بھائیوں سے ملنے منیر تشریف لے آئے اور یہیں کے ہو رہے۔

مختلف روایات: مذکورہ بالا روایت مختلف مشہور روایات کی تلخیص ہے۔ چونکہ مختلف تذکرہ نگاروں نے ان کی بہت سی جزیات میں کلام کیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ پہلے ان کے اقتباسات پیش کئے جائیں اور پھر ان کا تجزیہ کر کے ایک قابل اعتماد رائے قائم کی جائے۔ پہلے وسیلہ شرف و ذریعہ دولت سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے[1]۔

''صاحب تواریخ فرشتہ ذکر حکومت فیروز رائے ولد کیشو راج ولد مہاراج ولد کشن ولد پورب ولد ہند ابن حام ابن نوح علیہ السلام لکھتے ہیں کہ بلدہ منیر اس کے زمانے میں بنا ہوا اور اس نے بنا کیا سلطنت منوچہرہ شاہ ایران اور سام نریمان پہلوان کے زمانے میں اور اس کے دادا مہاراج ولد کشن نے کہ فریدوں کا ہمعصر تھا بلدہ بہار بنا کیا اور اہل علم وفضل کو اطراف واکناف سے بلوا کر اوس شہر میں مقیم کیا اور عبادت خانے اور مدرسے بہت بنوائے اور ان اقطاع وحدود کے محاصل کو طلبہ علم کے خرچ میں وقف کیا اور وجہ تسمیہ بہار کی یہی ہے کہ بہار بیائے موحدہ مکسورہ زبان سنسکرت میں مدرسہ کو کہتے ہیں انتہی۔ الغرض منیر میں ایک راجہ تھا کہ اپنے مذہب میں بہت سخت اور بڑا ظالم تھا اور اس کا بہت بڑا علاقہ تھا اور اوس کے علاقہ بھر میں ایک ہی گھر مسلمان کا تھا جن کا نام مومن عارف تھا اور قبر اُن کی منیر میں ہے وہ مرد کامل اور صاحب کرامت تھے۔ راجہ اون پر طرح طرح کے ظلم اور سختیاں کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ اس کی عملداری سے نکل جائیں اور وہ ایسے بزرگ تھے کہ پنج وقتہ نماز بیت اللہ میں جا کر ادا کرتے تھے جب راجہ کا ظلم حد سے زیادہ ہوا وہ مدینہ میں گئے اور روضہ منورہ پر جا کر استغاثہ کیا۔ اوس رات کو امام محمد تاج فقیہ کے شہر بیت المقدس محلہ قدس خلیل میں رہتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور فرمان جہاد صادر ہوا اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ ہم بعضے امراو ملوک کو بھی حکم کرتے ہیں وہ لوگ بھی مدد دینگے۔ الغرض امام والا مقام نے صبح کو ارادہ سفر اور عزم جہاد بیان کیا اور بہت سے مسلمان ساتھ ہوئے

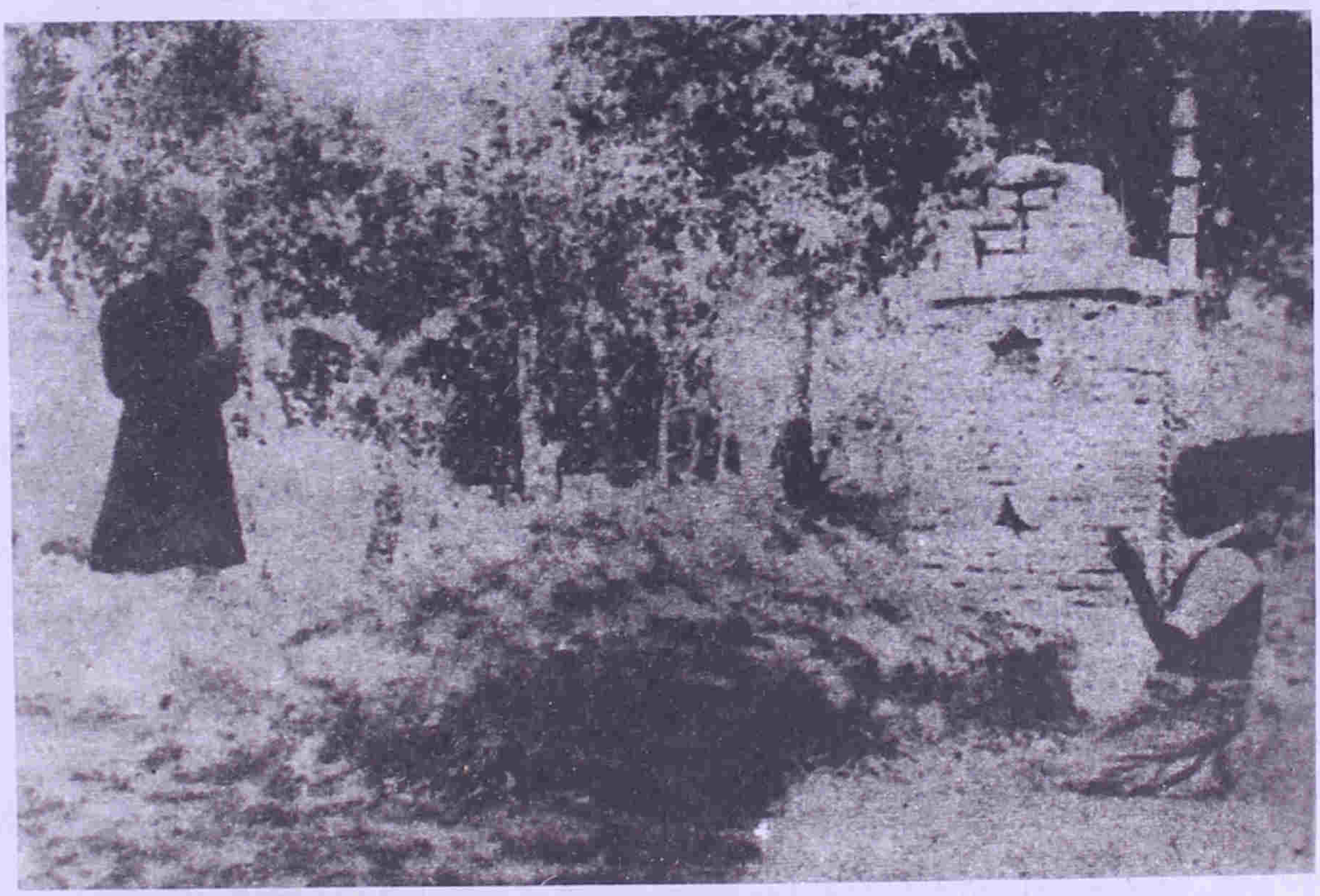

مزارِ مبارک حضرت مومن عارفؒ (منیر شریف)

اور راہ کے درمیان جہاں پہنچے وہاں کے مسلمانوں نے ساتھ دیا اور بعضے بادشاہوں نے بحکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ عالم رویا میں مشرف بہ زیارت ہوئے اپنے عزیزوں کو سالار فوج کر کے لشکر ساتھ کر دیا چنانچہ تاج الدین کھانڈ گاہ اور میر علی ترک، لربک شہید، شاہزادوں سے ہیں اور میر سید جعفر اور میر سید مظفر بھی سرداروں میں سے تھے اور سالار کل افواج حضرت قطب سالار علم بردار ربانی تھے جن کا مزار مہنداواں (یہ منیر سے متصل لب سڑک ایک قدیم گاؤں ہے) میں ہے۔ الغرض جب لشکر اسلام اوس کے ملک کے سرحد پر پہنچا وہاں سے جہاد شروع ہوا جب غازیان دین بفتح و فیروزی قریب منیر پہنچے وہاں کا راجہ اپنے اہل و عیال کو لے کر کہیں فرار کر گیا پھر اوس کی خبر معلوم نہ ہوئی اور بعضے کہتے ہیں کہ راہ میں کسی غازی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ الغرض بہ فتح و ظفر منیر میں پہنچے اور علم اسلام نصب کیا اور رواق میں جو ایک پتھر کا متکا ہے اور تکیہ بولا جاتا ہے۔ امام تاج فقیہ اوس پر تکیہ لگا کر بیٹھے اور تلوار دھوئی۔ بڑی درگاہ جہاں حضرت مخدوم شاہ یحییٰؒ منیری کا مزار ہے کوئی پرستش کی جگہ تھی غازیوں نے بتوں کو توڑا اور اوسکے دروازہ پر جو ایک تصویر ہے پتھر کی اوس کو شکستہ کر کے جہاد کی نشانی چھوڑی۔ قطعہ تاریخ:

یافت چوں برراجۂ منیر ظفر — دادامام از دیں جہانے رانوی

ہست منقول از بزرگان سلف — سال آں دین محمد شد قوی
(۵۷۶ھ)

شہیدوں کے نام جو مشہور اور کرسی نامہ میں مسطور ہیں یہ ہیں۔ علوی شہید، میر سید علی ترک، لربک شہید، فرید شہید، تاج شہید، معصوم شہید، چندن شہید، جنید شہید، اسحاق شہید، یعقوب شہید، یوسف شہید، پہلوان شہید، صوفی شہید، شاہ عبدالغنی شہید، شاہ عبدالسبحان شہید، قبول شہید، دوست محمد شہید، علاؤ الدین شہید، سید جلال شہید، شیرو شہید، سید روشن علی شہید، شاہ غلام حسین شہید، مصطفےٰ خان شہید، یوسف بیگ شہید، شیخ عاصم شہید، داؤد شہید رضی اللہ علیہم اجمعین۔

حاصل کلام: حضرت امام تاج فقیہ کا دل اس کفرستان میں نہ لگا۔ بعد فتح صاحبزادوں کو اپنی جگہ پر چھوڑ کر وطن کی طرف مراجعت کی۔ صاحبزادے تین تھے۔ مخدوم شاہ اسرائیل، مخدوم شاہ اسماعیل، مخدوم شاہ عبدالعزیز اور بعضے کہتے ہیں کہ مخدوم شاہ یحیٰ منیری کی ولادت وطن ہی میں ہوئی تھی۔ آپ اپنے جد امجد کے ساتھ آئے تھے اور مخدوم شاہ رکن الدین مرغیلانی جو مخدوم شاہ یحیٰ منیری کے استاد ہیں آپ بھی ساتھ آئے تھے۔ ......نقل ہے کہ حضرت مخدوم شاہ یحیٰ منیری علیہ الرحمتہ کے زمانے میں ایک بادشاہ غازی ومجاہد (اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی مراد ہے) جہاد کرتے ہوئے دیار مشرق میں پہنچے آپ نے سلطنت اوں کے نذر کی۔ انہوں نے کہا کہ میں جہاد کرتا ہوں مال غنیمت لیتا ہوں مسلمانوں کا مال و ملک نہیں لیتا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہی اور ملک وراثت اور ملک نہیں داد الٰہی ہے جس کو چاہے دے مجھ سے یہ بار نہیں اٹھتا عبادت میں حرج ہوتا ہے پھر عدل وانصاف کے لئے وصیت کی اور سلطنت ان کے گلے مڑھی اور خود سبکدوش ہوئے اور وہ بادشاہ غازی خرچ خانقاہ وغیرہ کے لئے چند مواضع آپ کے متعلق کر گئے''۔

اس سے ملتی جلتی، مگر کچھ اختلاف جزیات کے ساتھ، سید شاہ مراد اللہ ساکن منیر کی کتاب آثار منیر میں روایت ملتی ہے[2]۔ یہ کتاب وسیلہ شرف وذریعہ دولت کے چوّن (۵۴) سال بعد کی تحریر ہے۔ درج ذیل اقتباس مقالہ مطیع الامام سے مستعار ہے۔

''منیر شریف صوبہ بہار میں ایک تاریخی اور متبرک مقام ہے جو آٹھ سو برس سے بڑے بڑے علمائے عظام اور صوفیائے کرام کا مسکن رہا ہے۔ اس وقت یہاں راجہ منیر بر سر حکومت تھا۔ اس زمانے میں ایک مسلمان حضرت مومن عارف رحمتہ اللہ علیہ اپنے وطن یمن سے بغرض سیاحت اس طرف آئے اور یہاں مقیم ہوگئے۔

راجہ کو ان کی نور ایمانی سے اپنی سلطنت کے لئے مذہبی خطرات محسوس ہونے لگے۔ اس لئے اس منبع ایمانی کو یمن جانے پر مجبور کیا اور انہوں نے رختِ سفر باندھا اور مختلف مقامات کی سیر کرتے

ہوئے مرکز اسلام یعنی مدینہ منورہ پہنچ کر بارگاہ رسالت علیہ السلام میں استغاثہ کیا۔ اس مسافر اسلام کی التجا نے خلعت قبولیت پایا اور خاندان ہاشم کے ایک جلیل القدر انسان جن کا گھرانہ شروع سے صوری اور معنوی خوبیوں سے آراستہ۔ جن کی بزرگی کا شہرہ دو چار میں نہیں تمام عرب میں تھا جو خدا کی یاد میں اپنے وطن شہر بیت المقدس کے قصبہ قدس خلیل (جبروں) میں مصروف تھے۔ جن کا نام محمد اور لقب تاج فقیہ تھا۔ خواب میں زیارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور حکم جہاد پایا۔ حکم ہوتا ہے رختِ سفر باندھو اور سرمین منیر کو نور اسلام سے منور کرو۔ ہمارا کلاہ بھی لے لو☆۔ اللہ اس کی برکت سے فتح یاب کرے گا۔

فرمان نبوی ﷺ کے صادر ہوتے ہی اپنے وطن سے معہ اہل و عیال اور کلاہ مبارک اور دیگر تبرکات (جو پہلے سے ان کے خاندان میں محفوظ تھے) روانہ ہوئے اور راہ میں بہت سے مسلمانوں نے ساتھ دیا اور بعض بادشاہوں نے بحکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ عالم رویا میں مشرف بہ زیارت ہوئے اپنے عزیزوں کو سالار فوج کے ساتھ کیا۔ چنانچہ تاج الدین کھانڈگاہ اور میر علی ترک لربیگ شہید شہزادوں سے ہیں۔ حضرت پیر دستگیر غوث الاعظم شاہ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے خواہرزادے حضرت سیدنا خطیر الدین ابدال قدس اللہ سرہٗ بھی شوق جہاد میں آپ کے ساتھ ہوئے اور یہیں کے ہو رہے۔ اس طرح اس مختصر جماعت نے ایک فوج کی صورت اختیار کر لی اور ہندوستان کا بیشتر حصہ خاموشی سے طے کر لیا۔

ہندوستان میں اس فوج کا داخلہ شمال مغرب کے راستے سے ہوا اور کرمناسا نگ ندی جو بکسر کے قریب ہے جہاں سے حکومت منیر کی سرحد شروع ہوتی تھی پہنچ گئے۔ جب اس ندی کو عبور کیا تو راجہ کی فوج مدمقابل ہوئی اور جم کر لڑائی ہونے لگی۔ راجہ کی فوج کو ہزیمت ہوئی اور قلعہ کے

☆ مناقب شعیب مصنفہ عبدالواسع صدیقی فردوسی کے مطابق ''یہ تاج مبارک خانقاہ منیر شریف میں ابتک محفوظ ہے۔ اور ہر سال عرس کے زمانہ میں صاحب سجادہ کی عنایت سے عامۃ المسلمین اسکی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں''۔

پھاٹک تک شدت کے ساتھ تعاقب کیا گیا۔ یہاں راجہ نے آخری سنبھالا لیا اور خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ منیر مسلمانوں کے قبضے میں اس وقت آیا جبکہ راجہ کی اکثر و بیشتر فوج تباہ اور برباد ہو چکی تھی۔

اس طرح یہ ظلمت کدہ بقعہ نور بن گیا جس کی ضیاء نے صوبہ بہار کے ذرّہ ذرّہ کو منور کر دیا۔ ۲۷ رجب ۵۷۶ھ کا وہ مبارک دن تھا کہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل حضرت امام محمد تاج فقیہ کے ہاتھوں ہوئی۔ راجہ کا قلعہ مسمار ہو گیا مگر آثار عتیقہ کے قرائن ابھی اس کے شکم میں محفوظ ہیں۔

منیر فتح ہونے کے بعد سرگروہ لشکر حضرت امام محمد تاج فقیہ ہاشمی قدس سرہٗ نے کچھ دنوں یہاں قیام کے بعد ولایت منیر اپنے صاحبزادہ کے سپرد کیا اور تنہا بیت المقدس واپس تشریف لے گئے ...... یہ فتح صرف مقامی ہی فتح نہ تھی کیونکہ امام محمد تاج فقیہ کے رفقا جو لڑائی میں شہید ہوئے ان کے مزارات منیر شریف سے دور دور مقامات پر بھی ہیں۔ مثلاً شاہ برہان شہید جن کا مزار پٹنہ سے دکھن کمہرار میں اور چندن شہید کا مزار سہسرام کی ایک پہاڑی پر ہے جو چندن شہید کی چوٹی کہلاتی ہے''۔

مقالہ مطیع الامام میں مشہور روایات بحوالہ وسیلہ شرف وذریعہ دولت مؤلفہ سید شاہ فرزند علی منیری، و آثار منیر، مؤلفہ سید شاہ مراد اللہ منبری کا ذکر کر کے فتح بہار کے سلسلے میں تاریخی شواہد پیش کئے گئے ہیں۔ ذیل میں ان سے ضروری اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:۔

''یہ امر مسلمہ ہے کہ چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) کے اواخر میں بہار کو مسلمانوں نے فتح کیا۔ اس واقعہ کو ابونصر منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوز جانی نے اپنے مشہور کتاب ''طبقات ناصری'' میں بیان کیا ہے۔ طبقات ناصری اس زمانے کی بہترین تاریخی ماخذ شمار کی جاتی ہے۔ منہاج سراج لکھتے ہیں۔

محمد بختیار خلجی غور اور گرم علاقے کا رہنے والا تھا۔ نہایت ہی قوی چست و چالاک، مرد میدان، بہادر، دلیر، شجاع اور با استعداد۔ اپنے قبیلہ سے نکل کر حضرت سلطان معزالدین کی بارگاہ میں

غزنی پہنچا مگر وہاں فوجی بھرتی کی نظر میں حقیر نظر آیا...... کچھ دنوں کے بعد ملک حسام الدین اغلبک کی خدمت میں اودھ پہنچا...... بہادر اور دلیر تو تھا ہی۔ بہار اور منیر کی طرف دوڑ دھوپ کیا کرتا تھا۔ جہاں اسے مال غنیمت ہاتھ لگا۔ جب فوج، گھوڑے اور اسلحے اس کے ہاتھوں میں آ گئے تو اس کی جوانمردی اور مال غنیمت کی شہرت پھیلی خلجیوں کا گروہ ہندوستان کی اطراف سے سمٹ کر اس کی خدمت میں آیا۔ سلطان قطب الدین کو اس کی خبر ملی۔ اس نے محمد بختیار خلجی کو بلاوا بھیجا اور اعزاز وافر عطا کئے۔ اس بخششوں سے اس کو مدد ملی اور اس کی قوت بڑھی وہ اپنی فوج لے کر بہار کی طرف چلا گیا اور اس کو تاراج کیا۔ ایک دو سال اسطرح انہی علاقوں اور خطوں میں حملے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بہار کے قلعہ کا محاصرہ کرنے کے قابل ہو گیا۔ معتبر راویوں کا بیان ہے کہ دو سو زرہ پوش گھوڑوں کو لے کر قلعہ بہار کے دروازے پر پہنچا اور اچانک جنگ چھیڑ دی۔ فرغانہ کے دو ذی عقل برادران نظام الدین و صمصام الدین رحمہما اللہ محمد بختیار خلجی کی خدمت میں تھے۔ ۶۴۱ھ/۱۲۴۳ء میں صمصام الدین کی زبانی راقم الحروف کو لکھنوتی میں یہ بیان دستیاب ہوا:

جب فصیل تک پہنچے تو جنگ چھیڑ دی یہ دونوں بھائی اس کی فوج کے جانبازوں میں سے تھے۔ محمد بختیار نے اپنے طاقت اور شجاعت سے اس فصیل کے دروازے کو توڑ پھینکا اور قلعہ کو فتح کیا اور کافی مال غنیمت ہاتھ لگا۔ اس موضع کے باشندے زیادہ تر برہمن تھے۔ اپنا سر منڈاتے تھے وہ سب کے سب مارے گئے۔ وہاں بہت سی کتابیں تھیں۔ جب ان اہل اسلام کی نظر ان کتابوں پر پڑی تو کچھ لوگوں کو طلب کیا تا کہ ان کتابوں کے مفہوم اور معنی سمجھیں لیکن، وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ سب مارے جا چکے تھے جب تحقیق ہوئی تو پتہ چلا کہ اس فصیل کے اندر شہر مدرسہ تھا اور بہار کو ہندی زبان میں مدرسہ کہتے ہیں۔ فتحیابی کے بعد کافی مال غنیمت ہاتھ آیا پھر وہ سلطان قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اعزاز و اکرام سے سرفراز ہوا"۔

ان حوالہ جات کی بحث کو سمیٹتے ہوئے ڈاکٹر مطیع الامام اپنے مقالہ میں یہ فرماتے ہیں کہ "اس طریقے سے بہار کے فتح کی تاریخ سنین ۵۹۳۔۵۹۵ھ (۱۱۹۷/۱۱۹۹ء) کے درمیان متعین کر سکتے ہیں"۔

اب سیرت الشرف کے حوالہ سے احوال امام محمد تاج فقیہ سنئے ۵۔

''مولانا محمد تاج فقیہ جو ہند میں مخدوم کے خاندان کے بانی ہیں قدس خلیل سے جو بیت المقدس کا ایک محلہ ہے ہندوستان آئے اور قصبہ منیر پہنچ کر سکونت گزیں ہوئے۔

یہ قصبہ بہار سے ساٹھ میل پچھّم واقع ہے۔ تاریخ سے جو کچھ پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ منوچہرہ شاہ ایران کے عہد میں فیروز رائے سلطان ہند نے اس کو آباد کیا تھا اور ایک زمانے میں منیر ہندوؤں کا دار الحکومت رہا ہے۔

اس قدر تو مسلم ہے، کوئی گفتگو اس میں نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وطن چھوڑنے کی اور اتنے دور دراز سفر کا باعث کیا ہوا اس کا پتا چلتا نظر نہیں آتا۔ کیونکہ مولانا دنیاوی حیثیت سے کوئی ایسے بڑے اور نامور لوگوں میں سے نہیں تھے کہ جس کے کارنامے اور سوانح حیات تاریخ کے صفحوں پر بادشاہوں اور امراء کے پہلو بہ پہلو جگہ پاسکتے۔ اس لئے کوئی قابل اعتبار امر اس بارے میں ہاتھ آنا قریب قریب ناممکن ہے۔ ناقلین نے جو نقلیں لکھی ہیں وہ نہایت مختلف اور مخدوش ہیں۔ ہرگز قابل وثوق اور لائق تسلیم نہیں کیونکہ جتنی تحریریں اس امر میں ہوئی ہیں وہ مولانا کے بہت بعد کی ہیں۔ مخدوم کے قبل اگرچہ خاندان بنوع ممیّز تھا مگر اس کی ایسی حالت نہ تھی کہ ایک گروہ اس کا گرویدہ ہو اور اس کے حالات قلمبند کرنے کی تحریک پیدا ہو۔ جب ہمارے مخدوم کی شہرت عام تمام پھیلی تو آپ کے خاندانی حالات کے دریافت کرنے کی طرف لوگوں کا رجحان ہوا۔ اور خال خال لوگوں سے جو روایتیں اس وقت بہم پہنچیں بلا چھان بین کے قلمبند کرلیں۔ میرے نزدیک ان کا اعادہ کرنا اور سوانح کے صفحات کو ان سے سیاہ کرنا محض بے سود ہوگا۔ صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ایک قطعہ جو مسلمانوں کی فتح منیر کی تاریخ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۷۶ھ میں منیر مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوا اور وہ قطعہ یہ ہے۔ قطعہ۔

یافت چوں برراجۂ منیر ظفر — دادامام ازدیں جہانے رانوی
ہست منقول از بزرگان سلف — سال آن دین محمد شد قوی
(۵۷۶)

مولانا محمد تاج فقیہ کی ذات سے منیر اور مضافات منیر میں اسلام نے بہت کچھ اشاعت پائی۔ شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں اذان اور تکبیر کی آواز سنائی نہ دیتی ہو۔ مولانا کے باعث ایک باوقعت اور باقوت جماعت مسلمانوں کی پیدا ہوگئی۔ مگر مولانا تھوڑی ہی مدت یہاں رہنے پائے تھے کہ آپ کی اہلیہ نے رحلت فرمائی۔ مصیبت میں اگرچہ آپ کی اولاد ساتھ تھی پھر بھی وطن اصلی یاد آیا۔ بیٹوں کو منیر میں ہی چھوڑ کر آپ بیت المقدس کو لوٹ گئے۔ وطن پہنچ کر اپنی سالی کو حبالہ نکاح میں لائے۔ اس نکاح سے ایک فرزند شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ مولانا نے اپنی عمر کا بقیہ حصہ قدس خلیل ہی میں بسر کیا۔ مولانا کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیز اپنے علاتی بھائیوں سے ملنے کے لئے منیر آئے اور یہاں پہنچ کر سکونت اختیار کرلی۔ صاحب مناقب الاصفیاء آپ ہی کے پوتے ہیں"۔

متذکرہ بالا روایات کا اگر جائزہ لیا جائے تو جزیات واقعہ کے معمولی اختلافات جو زیادہ قابل ذکر نہیں ہیں ان کو چھوڑ کر چند اہم باتوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ چند اہم باتیں یہ ہیں: (۱) واقعہ فتح منیر میں امام محمد تاج فقیہ کا کچھ کردار رہا ہے یا نہیں؟ (۲) فتح بہار اور فتح منیر ایک ہی فتوحات کی کڑی ہیں یا مختلف وقتوں میں مختلف لوگوں کے ہاتھوں سرانجام پائیں؟ (۳) امام تاج فقیہ کی اولاد عبدالعزیز کے منیر آنے کے سلسلہ میں جو اختلاف روایات ہیں ان میں قابل اعتماد قول کیا ہے؟

تجزیاتی جائزہ: صاحب سیرت الشرف نے تو امام تاج فقیہ کا فتح منیر میں کردار عقلی اعتبار سے یکسر مسترد کردیا ہے، البتہ مقالہ مطیع الامام نے اس روایت پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے اور اس کی وجہ کسی تاریخی حوالہ کی غیر موجودگی قرار دی ہے اور روایات مشہورہ پر اعتماد کرنے میں کلام کیا ہے۔

اس ضمن میں قابل اعتماد رائے قائم کرنے کے لئے کچھ تسلیم شدہ حقائق کو جن پر سب کا اتفاق ہے پیش نظر رکھنا مناسب ہوگا۔ امام محمد تاج فقیہ کا منیر تشریف لانا تو سبھی تسلیم کرتے ہیں ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور کم از کم دو بچوں شیخ اسرائیل اور شیخ اسماعیل کا آنا بھی تسلیم شدہ ہے۔ اس وقت ہندوستان کی سیاسی فضا

کچھ اس طرح ہے۔ کسی مضبوط مرکزی حکومت کا پتہ نہیں چلتا، برہمن مذہب اور بدھ مذہب والوں کی رسّہ کشی جاری ہے، برہمن بدھ مذہب کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے کوشاں ہیں اور ان کو ہندوستان سے بے دخل اور معدوم کرنے کے درپے ہیں۔ اس طرح چھوٹے چھوٹے راجاؤں کی عملداری نظر آتی ہے۔ بہار، بنگال، آسام اور اڑیسہ کے علاقے جو اس وقت گوار بنگالہ کے نام سے منسوب ہیں وہ کم از کم چار حصوں میں مقسوم ہیں اور ایک دوسرے کو زیر نگیں کرنے کی جنگ جاری ہے۔ چنانچہ منیر کے راجہ کا علاقہ بہار کی حکومت سے الگ ہے۔ امام تاج فقیہ جن دنوں منیر میں تشریف رکھتے ہیں ان دنوں وہاں مسلمان چین آرام سے منیر میں رہ رہے ہیں اور مسلمان گھرانے آباد ہیں اور داعی دین کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان دنوں منیر کا راجہ کہاں ہے؟ اب صرف مومن عارف ہی نہیں سبھی مسلمان آرام سے رہ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منیر فتح ہو چکا ہے اور مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہے تبھی تو امام تاج فقیہ اپنے بچوں کو چھوڑ کر واپس وطن جا رہے ہیں۔ پھر امام تاج فقیہ کا واپس جانا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ ایک متعین مقصد کے لئے یہاں تشریف لائے تھے۔ ورنہ جو اولیا اللہ محض تبلیغ دین کے لئے کہیں جاتے ہیں تو وہیں کے ہو رہتے ہیں اور تادم حیات تبلیغی کام جاری رکھتے ہیں۔ تاریخی شواہد بتا رہے ہیں کہ بختیار خلجی نے بہار ۵۹۳۔۵۹۵ھ کے درمیان فتح کیا۔ اس وقت خاندان امام تاج فقیہ منیر میں آباد ہے بلکہ سریر آرائے منیر ہے۔ امام تاج فقیہ جا چکے ہیں۔ بختیار خلجی کی مہم کشور کشائی جاری ہے مگر اس سے منسوب فتح منیر نہیں ہے۔ اس لئے یہ روایت بھی قابل قبول ہے کہ خود مخدوم یحیٰ نے منیر کی حکومت اس کے بیٹے کو سونپی اور اپنے کو عبادت و ریاضت کے لئے فارغ کر لیا۔

صاحب سیرت الشرف کا بہ الفاظ دیگر یہ کہنا کہ حضرت امام تاج فقیہ کوئی قابل ذکر حیثیت نہیں رکھتے تھے، اگر چہ خود بھی ان کی تبلیغ دین کی کاوشوں کا ذکر کرتے ہیں محل نظر ہے۔ اس سلسلہ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ صاحب نظر کے نظر انتخاب کو کیا کہئے۔ ہو سکتا ہے کہ امام تاج فقیہ علم دین کے ساتھ ساتھ علم سپہ گری اور علم امور مملکت کی خداداد صلاحیت سے متصف ہوں۔ پھر اگر تائید غیبی ہو تو اسباب ظاہری بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ عام مسلمانوں کے ماسوا امراء و سلاطین بھی عملاً قافلہ امام تاج فقیہ میں شامل ہو جاتے

ہیں۔ اگر یہ سب کچھ تسلیم نہیں کیا جائے تو تاریخ فتح منیر اور وہاں مسلمانوں کا اس دور میں آباد ہو جانے کی تاریخ تشنہ رہ جائے گی۔ چنانچہ اغلب یہی ہے کہ حضرت امام تاج فقیہ ہی فاتح منیر ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا فتح بہار کے سالار کارواں بختیار خلجی ہیں اور فتح منیر فتح بہار سے پہلے کا واقعہ ہے اور بہار اور منیر کے ہندو سربراہان اس وقت الگ الگ تھے۔ اسی لئے یہ فتوحات الگ الگ وقتوں میں تقریباً اٹھارہ سال کے وقفہ سے ہوئیں بختیار خلجی کے تذکرہ میں فتح منیر کا ذکر نہ ہونا بھی یہی بتاتا ہے کہ فتح منیر پہلے واقع ہو چکا ہے۔

زبانی اور خاندانی روایات پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ جو صاحب سیرت الشرف نے بیان کی وہ بھی اتنا وزن نہیں رکھتی۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اس خاندان کو حضرت مخدوم جہاںؒ سے عظمت ملی اور اس سے پہلے یہ خاندان قابل ذکر نہ تھا کہ اس کی روداد قلمبند ہوتی یا شہرت پاتی تو بھی چند شواہد ایسے ہیں کہ کم از کم یہ ماننا ہوگا کہ مخدوم کے خاندان میں امام تاج فقیہ کا فتح منیر کا واقعہ ضرور ہی مشتہر ہوگا اور مصدقہ بھی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کی عمر انتیس سال کی تھی جب آپ کے والد مخدوم یحیٰؒ کا وصال ہوا۔ مخدوم یحیٰؒ کے چار صاحبزادے تھے اور مخدوم یحیٰ نے اپنے والد شیخ اسرائیل کا دور بکمال ہوشمندی دیکھا تھا۔ شیخ اسرائیل اور شیخ اسماعیل امام تاج فقیہ کے قصد منیر میں شریک قافلہ ہیں۔ دونوں نوجوان ہیں (اگر مخدوم یحیٰؒ کی ولادت ۵۹۲ھ تسلیم کر لی جائے تو اس طرح تو مخدوم اسرائیل صاحب اولاد ہو چکے ہیں)۔ پھر خاندان شیخ اسرائیل اور شیخ اسماعیل کافی پھیلا اور قرابتمندی حضرت سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ نے اس کو اور وسعت دی اور ممتاز بھی کر دیا۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے دور تک امام تاج فقیہ کے واقعہ منیر کے عینی شواہد زندہ ہیں۔ پھر خاندان کے ایسے عظیم کارنامے کی روایت خاندان میں مشتہر نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔ اور بے شک حضرت مخدوم کے متوسلین و معتقدین جن کی تعداد کثیر ہے، انہوں نے اس واقعہ کو شہرت دوام عطا کیا اور یہ روایتیں تاریخ کا حصہ بن گئی ہیں۔ چنانچہ حضرت امام تاج فقیہ کے فتح منیر کی مشہور روایت جیسا کہ وسیلہ شرف وذریعہ دولت اور آثار منیر میں درج ہے بحیثیت مجموعی قابل اعتماد ہے اور جزیات کی تفصیل میں جو فرق نظر آتا ہے وہ قابل اعتنا نہیں کہ زبانی روایات میں تو کیا تحریری روایات میں ایسا فرق ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالعزیز کے منیر آنے کے سلسلے میں تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

مصنف تاریخ سلسلہ فردوسیہ نے ایک بات یہ لکھ دی ہے[6] کہ امام تاج فقیہ نے منیر آکر چھ سال قیام فرمایا پھر معرکہ منیر پیش آیا۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ حضرت امام تاج فقیہ کے ساتھ ایک بڑی جماعت مجاہدین کی آئی تھی۔ اگر یہ مجاہدین جنگ نہ چاہتے تب بھی اس سے فرار نہ تھا کیونکہ راجہ جس نے ایک مردمومن کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد کو کب اپنی سرزمین پر برداشت کر سکتا تھا۔ لگتا یہ ہے کہ شاید بعد فتح منیر حضرت امام تاج فقیہ منیر میں چھ سال قیام فرما کر وطن واپس گئے۔

حوالہ جات:

(۱) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۴۷

(۲) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ مارچ اپریل ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۴

(۳) ایضاً، صفحہ ۲۸

(۴) ایضاً، صفحہ ۳۱

(۵) سیرت الشرف، صفحہ ۴۲

(۶) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۳۹

مخدوم کا خاندان

سلسلہ نسب: حضرت مخدوم جہاںؒ کے اجداد میں آپ کے پردادا حضرت امام تاج فقیہ ہی سب سے پہلے ہندوستان آئے اور منیر فتح کر کے اپنی اولادوں کو یہاں چھوڑ کر وطن واپس چلے گئے۔ اسطرح یہ خاندان یہاں آباد ہوگیا۔ حضرت امام تاج فقیہ نسباً ہاشمی و مطلبی ہیں۔ خاندانی نسب نامے جو دستیاب ہیں ان میں اوّل حضرت مولانا شاہ آمون، مرید وخلیفہ حضرت مخدوم جہاںؒ، کا مرتب کردہ ہے جس کو آپ نے، جیسا کہ آپ نے خود فرمایا، حضرت مخدوم جہاںؒ سے سن کر ہی مرتب کیا۔ حضرت مولانا آمون بارہ سال کی عمر سے ہی حضرت مخدوم کے ساتھ رہے اور آپؒ کے والد حضرت ابراہیم بھی حضرت مخدوم جہاںؒ کے مرید تھے۔ اس نسب نامہ پر بدرجہ اولیٰ اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ مگر آپ سے ہی منسوب نسب نامہ کا ایک نسخہ خانقاہ بہار شریف میں ہے اور دوسرا خانقاہ بلخیہ پٹنہ میں ہے اور ان دونوں میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ نسب نامہ مخدوم کے متعدد نسخے خانقاہ اسلام پور و منیر وغیرہ میں موجود ہیں۔ مقالہ مطیع الامام میں چھ نسخوں سے استفادہ کر کے ان کو جدول کی شکل میں پیش کیا گیا ہے اور ان کے اندراج میں جو فرق پایا جاتا ہے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے:۔ جدول میں پیش کردہ نسب نامہ کے چھ نسخوں کی تفصیل درج ذیل ہے!۔

۱۔ تحقیقات المعانی نسخہ اول: یہ ملفوظات مولانا شاہ آمون، جو خانقاہ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری میں موجود ہے پرمبنی ہے اور اسے تاریخ سلسلہ فردوسیہ سے اخذ کر کے جدول میں شامل کیا گیا ہے۔

۲۔ تحقیقات المعانی نسخہ دوم: یہ ملفوظات مولانا شاہ آمون سے ماخوذ ہے جس کا خطی نسخہ خانقاہ بلخیہ پٹنہ میں موجود ہے۔

۳۔ مطالب الطالب (شرح آداب المریدین) یہ نسخہ خطی ہے اور کتب خانہ بلخیہ، پٹنہ میں موجود ہے۔ سال

کتابت ۱۱۵۸ھ ہے

۴۔ وسیلہ شرف وذریعہ دولت: تالیف سید شاہ فرزند علی منیری، طبع پٹنہ ۱۳۱۳ھ

۵۔ سیرت الشرف: تالیف سید ضمیر الدین احمد طبع پٹنہ ۱۹۰۱ میلادی

۶۔ آثار منیر: تالیف سید شاہ مراد اللہ منیری، طبع پٹنہ ۱۳۶۷ھ

نسب نامہ، بمطابق تحقیقات المعانی ملفوظات حضرت مولانا شاہ آمون، جو خانقاہ مخدوم جہاںؒ، بہار شریف میں موجود ہے درج ذیل ہے:

مخدوم شرف الدین بن مخدوم یحیٰ بن شاہ اسرائیل بن امام تاج فقیہ بن امام ابوبکر بن امام ابوالفتح بن امام ابوالقاسم بن امام ابوالصائم بن امام ابودہر بن امام ابواللیث بن امام ابوسہمہ بن امام ابودین بن امام ابومسعود بن امام ابوذر بن زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم

مختلف نسخوں میں جو قابل ذکر اختلافات پائے جاتے ہیں وہ درج ذیل جدول میں پیش کئے جاتے ہیں:

پشت	نسخہ۱	نسخہ۲	نسخہ۳	نسخہ۴	نسخہ۵	نسخہ۶
۱	مخدوم شرف الدین	شاہ شرف الدین	شیخ شرف الدین	مخدوم شرف الدین	مخدوم شرف الدین احمد	-
۸	امام ابوالصائم	امام ابوصیام	امام ابوصیام	ابولصائم	ابی لصائم	ابوصائم
۱۱	امام ابوسہمہ	امام ابوشہمہ	امام ابوشہمہ	ابوسرمہ	ابی سہمہ	ابوسرمہ (ابوسہمہ)
۱۲	امام ابودین	امام ابودین	امام ابودین	ابودین	ابی الدین	ابودین
۱۳	امام ابومسعود	امام ابومسعود	امام ابومسعود	ابومسعود	ابی سعید	ابومسعود
۱۴	امام ابوذر	امام ابودرداء	امام ابودرداء	ابوذر	ابی ذر	ابوذر
۱۵	زبیر	-	-	زبیر	زبیر المکنّٰی	زبیر
۱۶	عبدالمطلب	عبدالمطلب	عبدالمطلب	عبدالمطلب	ابی صعب	عبدالمطلب
۱۷	ہاشم	ہاشم	ہاشم	ہاشم	عبدالمطلب	ہاشم
۱۸	-	-	-	-	ہاشم	-

غور سے دیکھا جائے تو چودھویں پشت سے اوپر کے ناموں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ زیادہ اہم نہیں۔ یہ فرق کچھ اس نوعیت کے ہیں۔ مثلاً ابو کی جگہ ابی آ گیا ہے، کہیں القاب یا تو حذف ہیں یا کچھ فرق کے ساتھ لکھے گئے ہیں مثلاً امام کی جگہ مولانا لکھا گیا ہے۔ کہیں شیخ کی جگہ شاہ یا مخدوم شاہ مذکور ہے۔ البتہ گیارہویں اور تیرہویں پشت کے نام میں کچھ بین فرق ہے۔ مثلاً ابوسہمہ کو کہیں ابوشہمہ یا ابوسرمہ لکھا گیا ہے اسی طرح ابو مسعود کو ایک نسخہ میں سعید لکھا گیا ہے۔ البتہ چودھویں پشت اور اس کے آگے کے ناموں کے اختلاف زیادہ اہم اور قابل غور ہیں جنکی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ چودھویں پشت میں ابوذر کی بجائے کچھ نسخوں میں ابودردا لکھا گیا ہے۔ تحقیقات المعانی کے نسخہ دوم میں جو خانقاہ بلخیہ پٹنہ میں موجود ہے اس میں بھی ابودردا ہی لکھا ہوا ہے۔ چونکہ حضرت زبیر بن ہاشم کی کوئی اولاد ابودردا نام کی منقول نہیں ہے، اسلئے کچھ تذکرہ نگاروں نے حضرت مخدوم جہاںؒ کو غیر ہاشمی بلکہ انصاری لکھا ہے۔ مگر یہ یقیناً سہو ہے چونکہ آپ کا مطلبی و ہاشمی ہونا متفق ہے یہاں تک کہ جن نسب ناموں میں ابودردا (نسخہ دوم و سوم) کا نام چودھویں پشت پر لکھا ہے وہ بھی ہاشم پر منتہی ہوتا ہے اور بیچ سے عبدالمطلب کے اوپر کا نام حذف ہے۔

۲۔ ایک دوسری بحث یہ ہے کہ ابوذر نام کی کوئی اولاد حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی تھی یا نہیں۔ اس سلسلہ میں تاریخی حوالے سے مقالہ مطیع الامام میں کافی بحث کی گئی ہے اور حاشیہ وسیلہ شرف و ذریعہ دولت میں بھی اس پر روشنی ڈالی گئی ہے[2] جو درج ذیل ہے:

''ابوذر: آپ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت زبیر کے صاحبزادے تھے۔ مبرو نے کامل میں لکھا ہے کہ انکا نام عبداللہ اور کنیت ابوذر تھی۔ ان کا حال اسد الغابہ فی احوال الصحابہ مصنفہ ابن اثیر جوزی میں لکھا ہے ابن سعد نے صحابہ کے طبقہ خامسہ میں ان کو لکھا ہے اور لکھا ہے کہ آپ بہت بڑے جری اور بہادر تھے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابن عمی وحبیبی وقیل انہ کان یقول ابن ابی فرماتے تھے۔ اصابہ میں ہے کہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں فتح مکہ کے دن حاضر ہوئے تو آپ نے

ان کو حلہ (ایک جوڑا کپڑا) پہنایا اور اپنی بغل میں بٹھایا جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا آپ کی عمر قریب تیس برس کی تھی۔ ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایام خلافت میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے''۔

مقالہ مطیع الامام میں مختلف تاریخی حوالہ جات سے اس پر بحث کی گئی ہے اور آخر میں تذکرہ صادقہ تالیف عبدالرحیم زبیری الہاشمی (طبع الہ آباد، ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۷۔۱۸) سے ایک اقتباس پیش کیا گیا ہے [۳] جسے اس ضمن کا حاصل مطالعہ کہنا مناسب ہو گیا اور خود صاحب مقالہ نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

اقتباس درج ذیل ہے:۔

''کم سے کم پچاس نسب نامے نظر سے گزرے ہیں اور کل عبداللہ ابن زبیر ابن عبدالمطلب میں منتہا ہی پائے گئے۔ معین الدین جھوسی مورخ زمانہ تغلق شاہی نے ان قبائل عرب کے انساب جو اس زمانہ میں ہندوستان آئے اہتمام کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ ان میں زبیر بن عبدالمطلب کی اولاد کی آمد ہندوستان کا حال بھی درج کیا ہے۔ یہ کتاب کتب خانہ خدا بخش خاں بانکی پور میں موجود ہے''۔

مگر ابومحمد بن مسلم بن قتیبہ'' اپنی کتاب المعارف صفحہ ۳۸ مطبوعہ مصر میں تحریر فرماتے ہیں عبداللہ بن الزبیر بن عبدالمطلب نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام لائے البتہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ مگر انقطاع نسل کو اخبار و شواہد سے محکم نہیں فرمایا۔ قاعدہ تو یہ ہے مثبت منفی پر مقدم ہے۔ اسلئے احتمال کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

(۱) ممکن ہے کہ عبداللہ بن زبیر کی عزلت نشینی اور قیام ملک عجم نے نساب کے لئے وسیلہ وقوف مسدود کر دیا ہو۔ جیسا کہ خود ابن قتیبہ اپنے زمانے کی حالت مقدمہ کتاب صفحہ ۲ میں رقمطراز ہیں۔

''میں نے ایسے شرفا کو دیکھا جو اپنے نسب نامہ سے بے خبر ہیں اور میں نے ایسے بھی حسب نسب والوں کو دیکھا ہے جو اپنے اسلاف کو نہیں جانتے ہیں۔ اور قریش میں سے

ایسے لوگوں کو پایا جنہیں اس کا علم بھی نہیں کہ ان کی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کہاں جا کر ملتی ہے یا اکابر صحابہ سے رشتہ داری کیا ہوتی تھی''۔

بلاشبہ انتشار قبائل۔ اختلاط اہل عجم اور بعد وطن نے عربوں کے صدیوں کی طبیعت ثانیہ مذاق استحفاظ انساب کو اس درجے پہنچا دیا ہوگا۔

(ب) ''بعض مرتبہ اصل الاصول میں غلطی واقع نہیں ہوتی لیکن اس اصول کی مختلف گنجان شاخوں میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص بلا شک صدیقی ہو مگر وہ نسل سے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ہو لیکن وہ اپنی نسبت محمد بن ابی بکر کی طرف کرتا ہو۔ دوسرا شخص صلباً انصاری ہو مگر بعوض خزرجی اوسی شہرت پا گیا ہو''۔ ایسی صورتوں میں پہلا شخص صدیقی دوسرا انصاری ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔

(ج) کبھی اشتراک اسمی واقع ہوتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن حارث بن عبدالمطلب ایک ہی جد بزرگوار کے نبیرہ ارجمند ہیں۔ آخرالذکر کی نسل کے جاری و ساری ہونے میں نساب متفق ہیں۔ ان کا مسکن اور مولد ابن قتیبہ اپنی کتاب المعارف میں ملک شام بتاتے ہیں ان کی اولاد شام میں ہے اور تعداد میں کمی کی وجہ سے ان لوگوں کو الموزہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جانب نساب متاخرین عبداللہ بن زبیر کے اولاد کا مسکن و مولد بھی مقام خلیل (ملک شام) میں بتاتے ہیں۔ پس کیا عجب ہے کہ کسی پیچیدگی کی وجہ سے متاخرین نصاب نے حارثی نسل کو زبیری تصور کر لیا ہو کیونکہ کل نساب اور سوانح نگار مخدوم یحیٰ منیری کے عبدالمطلبی ہونے پر متحد اور مصر شدید ہیں اور یہی قرین قیاس ہے۔ واللہ اعلم بالصواب''۔

جناب ڈاکٹر مطیع الامام فرماتے ہیں: ''تاوقتیکہ دوسری شہادت سامنے نہ آئے جو مذکورہ بالا حقائق کے خلاف ہو، ہم بھی یقین رکھتے ہیں کہ جس نتیجہ پر صاحب تذکرہ صادقہ تحقیق کے بعد پہنچے ہیں قرین صحت نظر آتی ہے''۔

صاحب تذکرہ صادقہ کی تحقیق کی تائید میں مزید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زبیر عبدالمطلب

کے بڑے صاحبزادے تھے اور عبدالمطلب کے وصال کے بعد آپ کے جانشین اور سردار بنو ہاشم ہوئے اور خدمت خانہ کعبہ کی ذمہ داری تاحیات (تیرہ سال تک) نبھائی۔ اور آپ کے وصال کے بعد حضرت ابوطالب نے یہ جگہ سنبھالی۔ حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد کی شناخت بڑے چچا کی نسبت سے مشہور ہو جانا قرین قیاس ہے اور اسطرح کی ولدیت کے اظہار کا رواج رہا ہے۔ مثلاً حضرت مخدوم نوشہ توحید اپنے چچا مخدوم مظفر بلخی کی اولاد مشہور ہوئے۔

۳۔ نسخہ پنجم میں زبیر المکنی اور عبدالمطلب کے درمیان ایک نام ابی صعب کا آ گیا ہے۔ اس کے متعلق وسیلہ شرف و ذریعہ دولت میں یہ مرقوم ہے[۴] کہ یہ حضرت زبیر کی کنیت تھی۔ مگر تاریخی شواہد سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ زبیر المکنی تو بہر صورت حضرت زبیر کو دوسرے ہم نام حضرات سے ممیز کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور اغلب یہ ہے کہ ابی صعب کا نام کسی غلط فہمی کی بنیاد پر آ گیا ہو۔

الغرض حضرت مخدوم جہاںؒ کا پدری نسب نامہ بمطابق نسخہ اوّل بحوالہ تحقیقات المعالی (ملفوظات حضرت مولانا آمونؒ) مملوکہ خانقاہ حضرت مخدوم جہاںؒ بہار شریف ہی قابل اعتماد ہے اور حضرت مخدوم جہاںؒ کا نسبی طور پر ہاشمی و مطلبی ہونا محقق ہے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کا مادری سلسلہ نسب حضرت امام حسین ابن امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کے واسطے سے خاندان نبوت سے ملتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے نانا قاضی سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ حسینی سادات میں سے ہیں اور سلسلہ نسب بحوالہ حیات ثبات مصنفہ حضرت سید شاہ نجم الدین فردوسیؒ درج ذیل ہے[۵]:

مخدوم شیخ شرف الدین بن بی بی رضیہ بنت سید شہاب الدین پیر جگجوت (درگاہ جیوٹھلی) ابن سلطان سید شاہ محمد بن سید شاہ احمد بن سید شاہ ناصر الدین بن سید یوسف بن سید حسن بن سید قاسم بن سید موسیٰ بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید رکن الدین بن سید قطب الدین بن سید اسحاق بن سید اسماعیل بن سید امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بن حضرت علی ابن ابوطالب۔

اولاد امام تاج فقیہ: حضرت امام تاج فقیہ کے تین صاحبزادے تھے، مخدوم اسرائیل، مخدوم اسماعیل، مخدوم عبدالعزیز۔ مخدوم اسرائیل اور مخدوم اسماعیل اپنے والد حضرت امام تاج فقیہ کے ہمراہ منیر آئے تھے۔ اس میں کسی تذکرہ نگار کو کلام نہیں مگر حضرت عبدالعزیز کے سلسلہ میں بہت ہی مختلف روایتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ کہ حضرت امام تاج فقیہؒ بعد فتح منیر وطن واپس چلے گئے، اس میں بھی تمام تذکرہ نگار متفق ہیں۔ البتہ یہ کہ آپ منیر سے کب واپس ہوئے، واپسی میں ساتھ کون تھا، واپس کہاں گئے، ان تمام امور میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت عبدالعزیز کے سلسلہ میں بھی مختلف روایتیں ہیں۔ یہ کہ ان کی والدہ کون تھیں، یہ منیر کب آئے، کہاں پیدا ہوئے، کہاں وصال ہوا، یہ تمام باتیں تحقیق طلب ہیں۔ صاحب مقالہ مطیع الامام نے ان امور پر تفصیلی مواد جمع کیا ہے جن کی تلخیص درج ذیل ہے[6]:۔

۱۔ بحوالہ آثار شرف: حضرت امام تاج فقیہ کچھ عرصہ منیر میں قیام فرما کر جب کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا وصال ہو گیا (آپ کا مزار منیر میں موجود ہے) تو ہندوستان کی وحشت خیز زمین سے دل گرفتہ ہو کر تن تنہا وطن واپس چلے گئے اور وہاں اپنی سالی سے دوسری شادی کر لی جن سے ایک صاحبزادے عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد عبدالعزیز سن شعور کو پہنچ کر اپنی والدہ سے اجازت لے کر منیر اپنے بھائیوں کے پاس آ گئے۔

۲۔ بحوالہ کنز الانساب: یوں روایت ہے کہ آپ اس زمین کو اپنے دونوں بیٹوں شیخ اسرائیل اور شیخ اسماعیل کو سپرد کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں اپنی سالی سے شادی کر لی جن سے عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد اپنے والد کی وصیت کی تعمیل میں عبدالعزیز اپنے بھائیوں کے پاس ہندوستان آ گئے اور اپنے بڑے بھائی شیخ اسرائیل کے ساتھ منیر میں رہنے لگے۔ آپ کے دوسرے بھائی شیخ اسماعیل تقسیم ولایت کے مطابق (والد نے ہی یہ تقسیم فرما دی تھی) گنگا پار ترہت میں آباد ہو گئے تھے۔

۳۔ بحوالہ وسیلہ شرف و ذریعہ دولت: امام تاج فقیہ اپنے تین بیٹوں کے ساتھ منیر تشریف لائے تھے۔ ان کو چھوڑ کر (بعد فتح منیر) مدینہ منورہ چلے گئے اور بوقت مراجعت مفتوحہ علاقہ کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا جس کے مطابق حضرت اسرائیل کو جنوبی حصہ اور حضرت اسماعیل کو شمالی حصہ (ترہت) عطا فرمایا تھا اور

عبدالعزیز کو حضرت اسرائیل کے سپرد کیا اور ان لوگوں کو تبلیغ دین کی ہدایت کی تھی۔

۴۔ بحوالہ سیرت الشرف: حضرت امام تاج فقیہ تھوڑے ہی دن منیر میں رہ پائے تھے کہ زوجہ محترمہ کا وصال ہوگیا۔ جس سے دلبرداشتہ ہوکر واپس بیت المقدس چلے گئے۔ بچوں کو یہیں چھوڑا اور وہاں اپنی سالی سے شادی کرلی جن سے حضرت عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ امام تاج فقیہ کا وصال بیت المقدس میں ہی ہوا اور آپ کے وصال کے بعد عبدالعزیز بھائیوں کے پاس منیر تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے۔

۵۔ بحوالہ حاشیہ مناقب الاصفیاء تصنیف مخدوم شاہ شعیبؒ (یہ کتاب حکیم سید قسیم الدین بلخی کے پاس موجود ہے): یہ حاشیہ عام نسخہ مناقب الاصفیاء میں موجود نہیں ہے۔ بہرصورت اس کے مطابق حضرت امام تاج فقیہ اپنے چھوٹے بیٹے عبدالعزیز کو اپنے ساتھ بیت المقدس واپس لے گئے۔ وہاں ان کی شادی کی جن سے دو صاحبزادے شاہ جلال الدین اور شاہ سلیمان پیدا ہوئے۔ یہ دونوں بھائی اپنے والد اور دادا کے وصال کے بعد اپنے چچا شیخ اسرائیل کے پاس منیر آ گئے۔

۶۔ بحوالہ تاریخ سلسلہ فردوسیہ: امام تاج فقیہ کے تین صاحبزادے تھے شیخ اسرائیل، شیخ اسماعیل، شیخ عبدالعزیز۔ منیر میں آپ کی زوجہ کا انتقال ہوگیا۔ اس سبب سے اپنے وطن بیت المقدس واپس چلے گئے اور اپنے بچوں کو یہیں چھوڑ گئے۔ آپ نے بیت المقدس پہنچ کر اپنی سالی سے دوسری شادی کرلی اور باقی زندگی وہیں گزاری اور آپ کا وصال وہیں ہوا۔

ان مختلف روایتوں کے پیش نظر حقیقت حال تک پہنچنا مشکل ضرور ہے مگر کچھ قابل اعتناء رائے پھر بھی قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ آپ (امام تاج فقیہؒ) فتح منیر کے بعد وطن واپس لوٹ گئے۔ واپسی کے محرکات میں آپ کی رفیقہ حیات کا رحلت کر جانا بھی ضرور لگتا ہے۔ منیر میں آپ نے شیخ اسرائیل اور شیخ اسماعیل کو چھوڑ دیا اس میں بھی کوئی کلام نہیں۔ واپسی کے سن کا تعین بھی مشکل ہے مگر خلجیوں کے فتح بہار سے پہلے ہی آپ واپس جاچکے تھے کیونکہ مخدوم یحیٰ نے ہی منیر کو خلجیوں کے حوالے کیا تھا۔ واپس کہاں گئے اس سلسلہ میں روایتوں میں تطبیق دی جاسکتی ہے۔ یہ بات بالکل اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ واپسی پر آپ حضرت فداہ ابی و امی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر فتح منیر کی خدمت

انجام دینے کے اظہار تشکر کے لئے ضرور ہی گئے ہونگے اور خانہ کعبہ کی حاضری بھی اسی نوعیت کی رہی ہوگی چنانچہ ان مقامات مقدسہ پر حاضری کے بعد اپنے وطن بیت المقدس پہنچے ہونگے۔ اب رہا حضرت عبدالعزیز کے سلسلہ میں صحیح روایت کا تعین۔ اس سلسلہ میں روایت مناقب الاصفیاء کو ترجیح دینا اس لئے مناسب نظر آتا ہے کہ یہ تمام حوالوں میں قدیم ترین حوالہ ہے۔ مگر چونکہ اس کتاب کے مختلف نسخوں کے اصل متن میں یہ حاشیہ مذکور نہیں اور یہ کہ یہ حاشیہ ایک ہی نسخہ کے حوالے سے مذکور ہے اس سند کو کمزور ضرور کر دیتا ہے۔ اور پھر، جیسا کہ بعد میں ذکر ہوگا، خود مناقب الاصفیاء کے مختلف نسخوں میں بعض روایتوں کا اختلاف اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی روایتوں کو بھی جرح وقدح کے بعد ہی قبول کرنا چاہئے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ کچھ اور شہادتوں کی بنیاد پر رائے قائم کی جائے۔ روایتوں سے قطع نظر کچھ تاریخی مواد قابل غور ہیں:

تاریخ فتح منیر: ۵۷۶ھ　　　تاریخ فتح بہار: اندازاً ۵۹۳ھ

حضرت شہاب الدین پیر جگجوتؒ: 　تاریخ ولادت ۵۷۰ھ، تاریخ وفات: ۶۶۶ھ

حضرت نجم الدین کبریٰؒ: 　سال وصال ۶۱۰ھ

حضرت مخدوم یحیٰؒ: 　تاریخ ولادت ۵۷۲ھ (یہ تاریخ محل نظر ہے) شاید ۵۸۲ھ ہو، تاریخ وصال ۶۹۰ھ

حضرت مخدوم شعیبؒ: 　تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الآخر ۶۸۸ھ تاریخ وصال ۱۲ ربیع الآخر ۸۲۴ھ

مخدوم یحیٰ بن شیخ اسرائیل شاہ سلیمان بن عبدالعزیز کے چچازاد بھائی ہیں۔ یہ دونوں بھائی ہم زلف ہیں، مخدوم یحیٰؒ کی شادی حضرت مخدوم شہاب الدین پیر جگجوتؒ کی بڑی صاحبزادی بی بی رضیہ سے ہوئی اور شاہ سلیمان ملقب بہ لنگر زمین کی شادی حضرت پیر جگجوتؒ کی سنجھلی (تیسری) صاحبزادی سے ہوئی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دونوں بہنوں کی عمر میں بہت تو دس بارہ سال کا فرق ہوگا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عبدالعزیز امام تاج فقیہ کی واپسی بیت المقدس کے بعد آپ کی دوسری زوجہ سے پیدا ہوئے تو عبدالعزیز اندازاً دس سال حضرت مخدوم یحیٰ سے چھوٹے ہونگے۔ چنانچہ حضرت شاہ سلیمان حضرت مخدوم یحیٰ سے تقریباً تیس سال چھوٹے ہونگے۔ اس طرح دو سگی بہنوں کے ساتھ، جن کی عمر کا فرق بمشکل دس

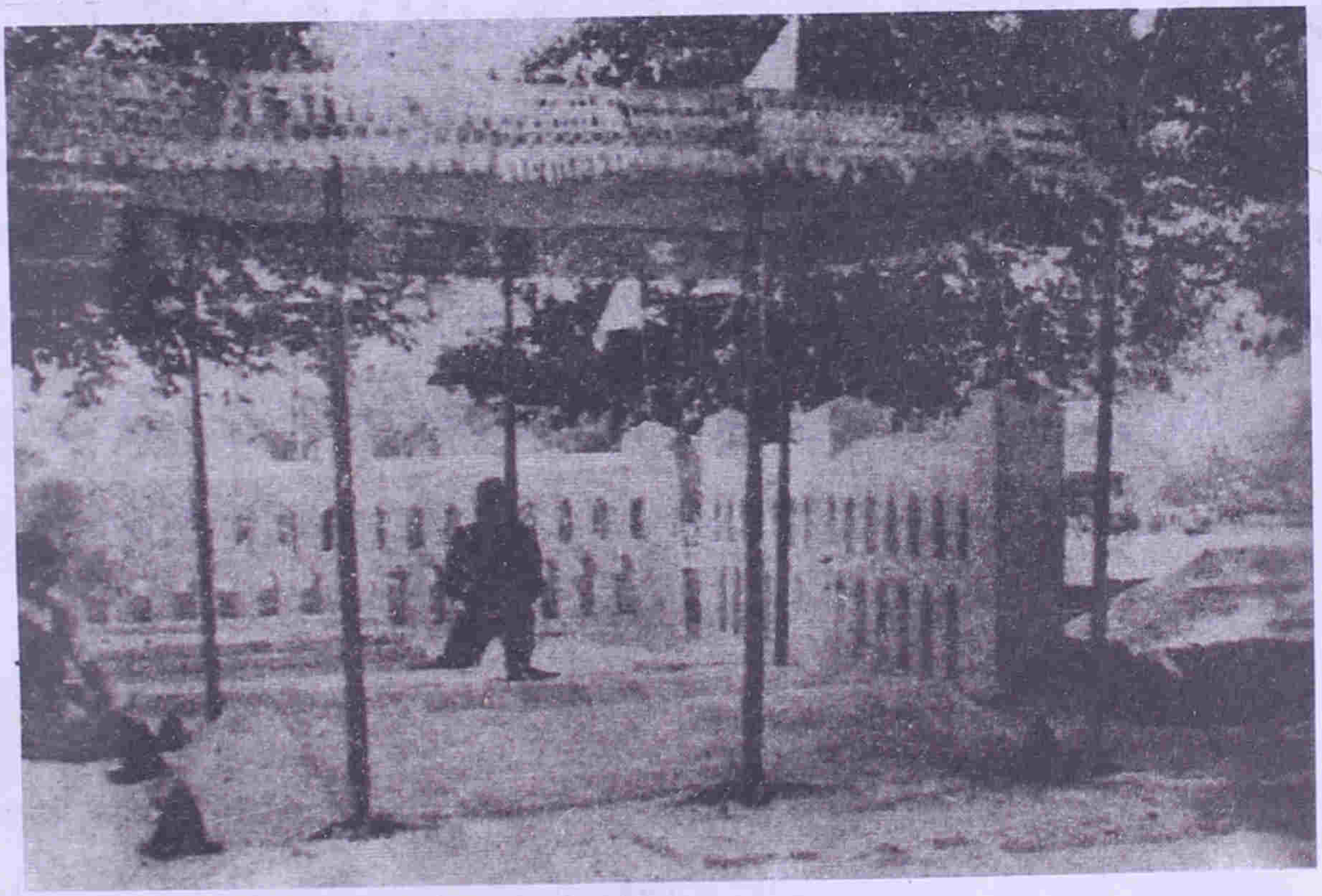

مزارِ مبارک حضرت مخدوم یحیٰ منیریؒ بڑی درگاہ (منیر شریف)

سال ہو، دو بھائیوں سے بالترتیب شادی جن کی عمروں میں فرق کچھ تیس برس کا ہوگا اگرچہ ممکن تو ہے مگر قرین قیاس نہیں۔ البتہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ عبدالعزیز بھی اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ منیر (مہم منیر پر) آئے ہونگے تو بے شک عبدالعزیز کی عمر حضرت مخدوم یحیٰؒ سے زیادہ ہوگی اور اس طرح مخدوم یحیٰؒ اور مخدوم سلیمان کی عمر کا فرق مناسب ہوگا اور ان کا ہم زلف ہونا عقلی اعتبار سے زیادہ قابل قبول ہوگا۔ پھر مخدوم شعیب بن شاہ جلال بن عبدالعزیز حضرت مخدوم جہاںؒ کے چچازاد بھائی (مخدوم شرف الدین بن مخدوم یحیٰؒ بن مخدوم اسرائیل) ہیں اور ان کی عمروں میں تقریباً بیس سال کا فرق ہے اور یہ بھی اسی وقت ممکن ہے کہ حضرت عبدالعزیز حضرت مخدوم یحیٰؒ سے عمر میں بڑے ہوں۔ اس طرح حضرت عبدالعزیز کا اپنے والد کے ساتھ منیر آنا زیادہ قرین قیاس ہے اور یہ حاشیہ مناقب الاصفیاء کی روایت کی تائید میں ایک عقلی دلیل ضرور فراہم کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عبدالعزیز اور شیخ اسرائیل اور شیخ اسماعیل ایک ہی ماں سے پیدا ہوئے ہونگے۔ اور مناقب الاصفیاء کے حاشیہ میں مذکور روایت سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ آپ اپنے والد کے ساتھ بیت المقدس چلے گئے اور وہیں ان کا وصال بھی ہوا اسلئے لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا ہوگا کہ عبدالعزیز حضرت امام تاج فقیہ کی دوسری شادی سے پیدا ہوئے۔

الغرض یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ عبدالعزیز اپنے والد کے ساتھ منیر آئے ہونگے اور ان کے ساتھ ہی واپس بیت المقدس چلے گئے جہاں انہوں نے زندگی گزار دی۔ وہیں شادی ہوئی جن سے دو بچے پیدا ہوئے جو سن شعور کو پہنچ کر اپنے چچا کے پاس منیر آ گئے۔

اولاد شیخ اسرائیل: اولاد شیخ اسرائیل ابن امام تاج فقیہ کی تفصیل نقشہ ذیل سے واضح ہے [7]۔

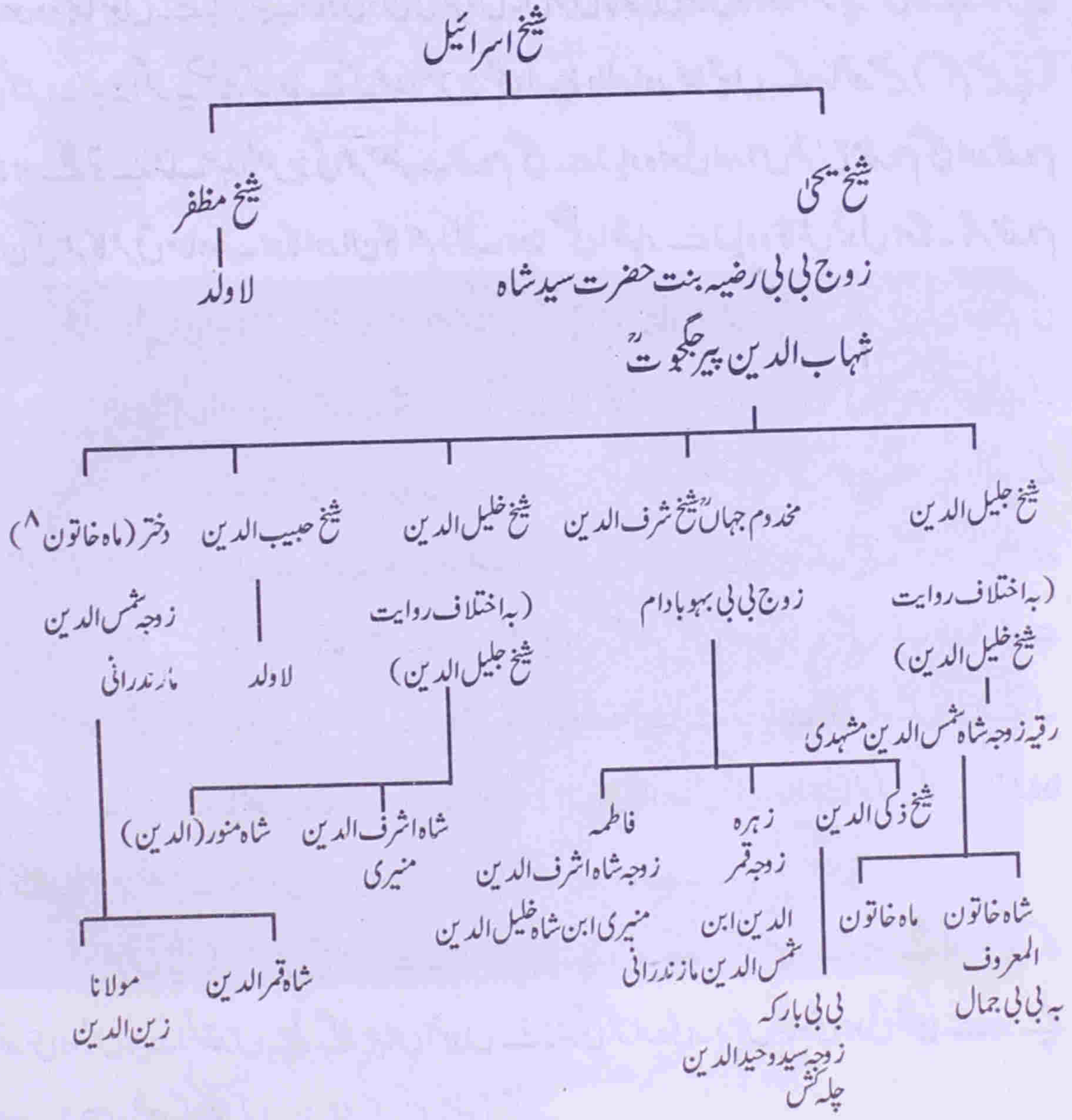

اولاد شیخ اسرائیل کی تفصیل تو اوپر دیئے گئے نقشے سے واضح ہے۔ مزید تفصیل کی یوں تو ضرورت نہیں مگر کچھ تذکرہ ان ہستیوں کا یہاں مناسب ہوگا جن کے آثار تاریخ پر ثبت ہیں۔

حضرت مخدوم یحیی[۹]: آپ مخدوم جہاںؒ کے والد ہیں۔ روایت کے مطابق آپ کی ولادت ۵۷۲ھ میں ہوئی (یہ تاریخ مشکوک ہے) اور تاریخ وصال ۱۱ شعبان ۶۹۰ھ ہے۔ آپ نے علم دین شاہ رکن

الدین مرغیلانی سے حاصل کیا جو ایک روایت کے مطابق حضرت امام تاج فقیہ کے قافلہ کے ساتھ ہی منیر آئے تھے۔ شاید انہی بزرگ سے مخدوم یحیٰؒ کو ارادت بھی تھی۔ مخدوم یحیٰ ایک بزرگ مولانا تقی الدین عربی مرید شیخ احمد دمشقی سے عقیدتمندی رکھتے تھے اور ان سے شرف ملاقات کی غرض سے اکثر منیر سے مہسون (بنگال) جایا کرتے۔ اس کی کچھ تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ آپ ولی کامل تھے اور آپ کو مخدوم پیر جگجوتؒ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ کی زوجہ بی بی رضیہ بھی ولیہ تھیں۔ حضرت مخدوم یحیٰ نے ہی منیر کی حکومت خلجیوں کے سپرد کی اور پھر عبادت و ریاضت میں ہمہ وقت مصروف رہنے لگے۔ آپ کا مزار مبارک منیر میں مرجع خلائق ہے اور یہ بڑی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مخدوم یحیٰ منیری کی اولادوں میں مخدوم جہاںؒ آپ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ یہ کتاب تو انہی کے تذکرہ پر مبنی ہے اس لئے یہاں پر اسکی تفصیل لکھنا بے معنی ہوگا۔ البتہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے بھائیوں میں دو ناموں میں تذکرہ نگاروں نے بہت اشتباہ پیدا کر دیا ہے جس پر روشنی ڈالنا مناسب ہوگا۔ بہر صورت، حضرت مخدوم جہاںؒ سے دو چھوٹے بھائی تھے ایک مخدوم جلیل الدین (یا خلیل الدین) جو آپ کے مرید ہوئے اور جنہوں نے خدمت گزاری کا شرف حاصل کیا اور ان کے دو صاحبزادوں کے مزارات حضرت مخدوم کے احاطہ قبرستان میں موجود ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کی ایک بہن بھی تھیں، نام ماہ خاتون تھا (بحوالہ تاریخ سلسلہ فردوسیہ)، آپ کے دو صاحبزادے حضرت قمر الدین اور زین الدین حضرت مخدوم جہاںؒ کی مجلسوں میں شرکت فرماتے تھے جیسا کہ ملفوظات مخدوم سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے سب سے چھوٹے بھائی مخدوم حبیب الدین لاولد رہے اور آپ بنگال چلے گئے تھے اور وہیں زندگی بسر کی۔ آپ کا مزار موضع سکدہ ضلع بردوان میں حضرت مخدوم ذکی الدین ابن مخدوم جہاںؒ سے ملا ہوا ہے۔

مخدوم جلیل الدین / مخدوم خلیل الدین: جیسا کہ اوپر نقشہ میں ظاہر کیا گیا ہے حضرت مخدوم جہاںؒ کے بڑے بھائی کا نام جلیل الدین آیا ہے۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ، سیرت الشرف و مقالہ مطیع

الامام میں یہی اختیار کیا گیا ہے اور ملفوظات کی بنیاد پر جو نام کا اشتباہ پیدا ہو گیا ہے جس میں مخدوم جلیل الدین کا ذکر آپ کے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے منقول ہے اس میں بھی تاریخ سلسلہ فردوسیہ، سیرت الشرف اور مقالہ مطیع الامام نے اپنے مؤقف کی مطابقت رکھتے ہوئے خلیل الدین کو ہی ہر جگہ چھوٹا بھائی قرار دیا ہے۔ صاحب وسیلہ شرف و ذریعہ دولت نے اس سلسلے میں بحث کی ہے۔ اس سے اقتباس درج ذیل ہے [۱۰]:

''مشہور یہ ہے کہ آپ کے بڑے بھائی کا نام جلیل الدین ہے حرف جیم منقوطہ سے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ طلب پیر میں گئے تھے اور دونوں حضرات خواجہ نجیب الدین فردوسی سے مرید ہوئے اور دو بھائی اور تھے حضرت مخدوم جہاںؒ سے چھوٹے شاہ خلیل الدین حرف خائے منقوطہ فوقانی سے اور شاہ حبیب الدین۔ یہ دونوں حضرات مخدوم جہاںؒ کے مرید ہیں لیکن ملفوظات شریف اور وصیت نامہ کے قرائن عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ جلیل الدین بحرف جیم آپ سے چھوٹے تھے اور مرید و مسترشد آپ کے تھے اور بہار میں آپ کی خدمت میں رہتے تھے تو مناقب الاصفیاء میں جو برادر بزرگ لکھا ہے (صاحب مناقب الاصفیاء نے صرف برادر بزرگ لکھ دیا ہے اور نام کی وضاحت نہیں کی ہے) وہ شیخ خلیل الدین بحرف خائے معجمہ فوقانی ہونگے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ حضرت خواجہ سے مرید ہوئے اور منیر میں مقیم رہے اور قبل اس کے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ بہار میں سجادہ پر جلوس فرمائیں داخل فردوس بریں ہوئے۔ تغیر نقطہ اختلاف کا باعث ہوا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب''۔

صاحب وسیلہ شرف و ذریعہ دولت کا یہ استدلال کہ جیم اور خا میں چونکہ صرف نقطہ کے اوپر نیچے کا فرق ہے اور کتابت میں سہواً جیم کا خا لکھ دینا یا خا کا جیم لکھ دینا عین ممکن ہے، عقلی طور پر وزن رکھتا ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ملفوظات میں جلیل الدین (جیم کے ساتھ) کا لکھا جانا بھی اسی قسم کی غلطی کا نتیجہ نہ ہو۔ کتابت کی غلطی تو بہرصورت اس میں بھی ممکن ہے۔ اس طرح تو یہ مسئلہ لاینحل ہے۔ ایسی صورت میں روایت مشہورہ کا سہارا لینا ہی مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے۔ چونکہ چھوٹے بھائی کا مزار حضرت مخدوم جہاںؒ کے

احاطہ مزارات میں موجود اور ممیز ہے اسلیئے خدام خانقاہ مخدوم کی روایت کو ہی قبول کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے مناقب الاصفیاء کے تازہ ترین مطبوعہ نسخہ (۲۰۰۱ء) میں جس کے ناشر مکتبہ شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف ہیں حضرت مخدوم جہاںؒ کے آخری لمحات کا بعنوان 'ایمان اگر بگور بری صد کرامت است' ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں[۱۱]: ''برادر حقیقی بندگی شیخ جلیل الدین (واضح طور پر جیم سے لکھا گیا ہے) قاضی زاہد اور دوسرے احباب حاضر خدمت تھے زبان مبارک سے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہنے لگے......'' چونکہ یہ خانقاہ معظم کے سلسلہ اشاعت کی تصنیف ہے اس لئے کم از کم روایات مشہورہ کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اس طرح صاحب وسیلہ شرف و ذریعہ دولت کی توجیہ مناسب نظر آتی ہے اور رائج قول یہی ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے بڑے بھائی کا نام خلیل الدین (حرف خا) اور چھوٹے بھائی کا نام جلیل الدین (حرف جیم سے) تھا۔ ایک اور اعتبار سے یہ رائے مناسب معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت مخدوم دولت منیری اولاد شیخ خلیل الدین میں ہیں جیسا کہ صاحب وسیلہ شرف و ذریعہ دولت نے لکھا ہے۔ شیخ خلیل الدین کے ایک صاحبزادے اشرف الدین تھے جن کی شادی مخدوم جہاںؒ کی بیٹی فاطمہ سے ہوئی تھی۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خلیل الدین حضرت مخدوم جہاںؒ کے بڑے بھائی ہونگے ورنہ حضرت اشرف الدین اور بی بی فاطمہ کی عمر کا فرق رشتہ ازدواج کے لئے مناسب نہیں ٹھہرتا کیونکہ اس طرح اغلب یہ ہوتا کہ اشرف الدین عمر میں بی بی فاطمہ سے چھوٹے ہوتے۔ بہر صورت یہ باتیں قیاس پر ہی مبنی ہیں۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے بڑے بھائی اپنے والد سے بیعت تھے اور والد کے وصال کے بعد والد کی جگہ بیٹھے۔ منیر میں ہی انتقال فرمایا اور وہیں آپ کا مزار موجود ہے۔ اب جو یہ مشہور ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے سفر دہلی میں آپ حضرت مخدوم کے ساتھ تھے اور خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ سے بیعت ہوئے تو ان دو روایات میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ آپ مرید تو والد سے ہی ہوں مگر کیا عجب کہ خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ سے بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہوگی۔

اولاد شیخ اسماعیل: اولاد شیخ اسماعیل کی تفصیل درج ذیل نقشہ سے واضح ہے[۱۲]:

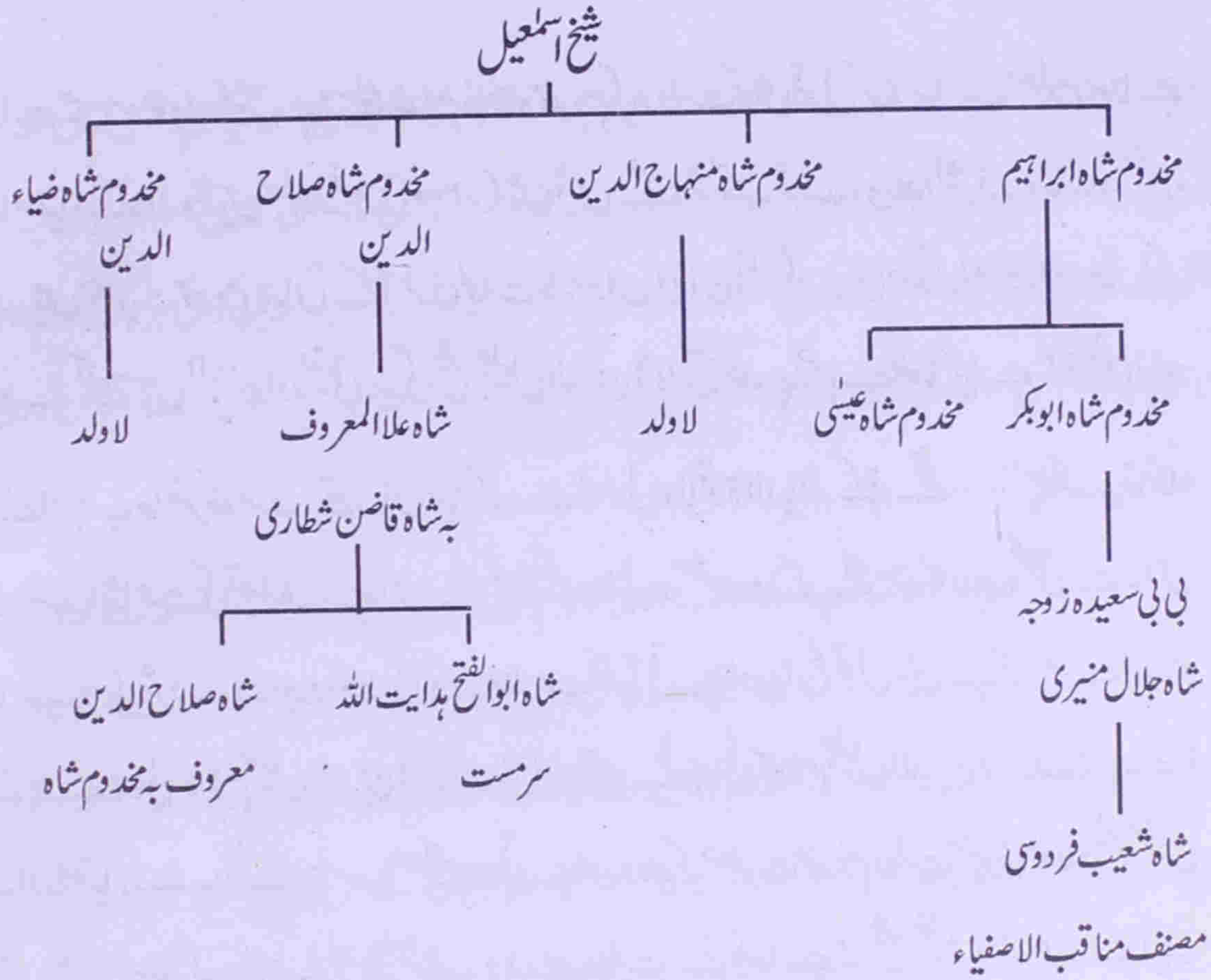

حضرت شیخ اسمٰعیل کی اولادوں میں سلسلہ نسب صرف شاہ ابراہیم اور شاہ صلاح الدین سے جاری ہوا۔ ان دونوں کی اولاد میں تاریخی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ شاہ ابراہیم کی پوتی بی بی سعیدہ شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے شاہ جلال منیری سے بیاہی گئیں جن سے مخدوم شعیب رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ مخدوم شعیبؒ کو مخدوم جہاںؒ سے بیعت تھی۔ آپ پر غلبہ حال تھا اور آپ نے بھی صحرانوردی میں ایک مدت گزاری۔ مخدوم جہاںؒ کی رحلت کے وقت آپ موجود نہیں تھے اور ابھی صحرانوردی میں ہی مقامات طے کر رہے تھے۔ مشہور ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ نے آپ کے لئے اپنے کچھ تبرکات چھوڑے تھے جنہیں ان تک پہنچانے کی وصیت فرمائی تھی۔ حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید کے زمانہ سجادگی میں مخدوم شعیبؒ آبادی میں نمودار ہوئے۔ حضرت مخدوم حسینؒ نے اپنے صاحبزادے مخدوم حسن دائم جشن بلخیؒ کی معرفت تبرکات مخدوم جہاںؒ کو مخدوم شعیبؒ کو پیش کرنے کے لئے بھیجا۔ مخدوم شعیبؒ نے تبرکات قبول کرنے سے پہلے حضرت مخدوم حسن سے بیعت لینے کے لئے کہا۔ حضرت حسنؒ نے بہت عذر کیا مگر شاید الحکم فوق الادب کے مطابق

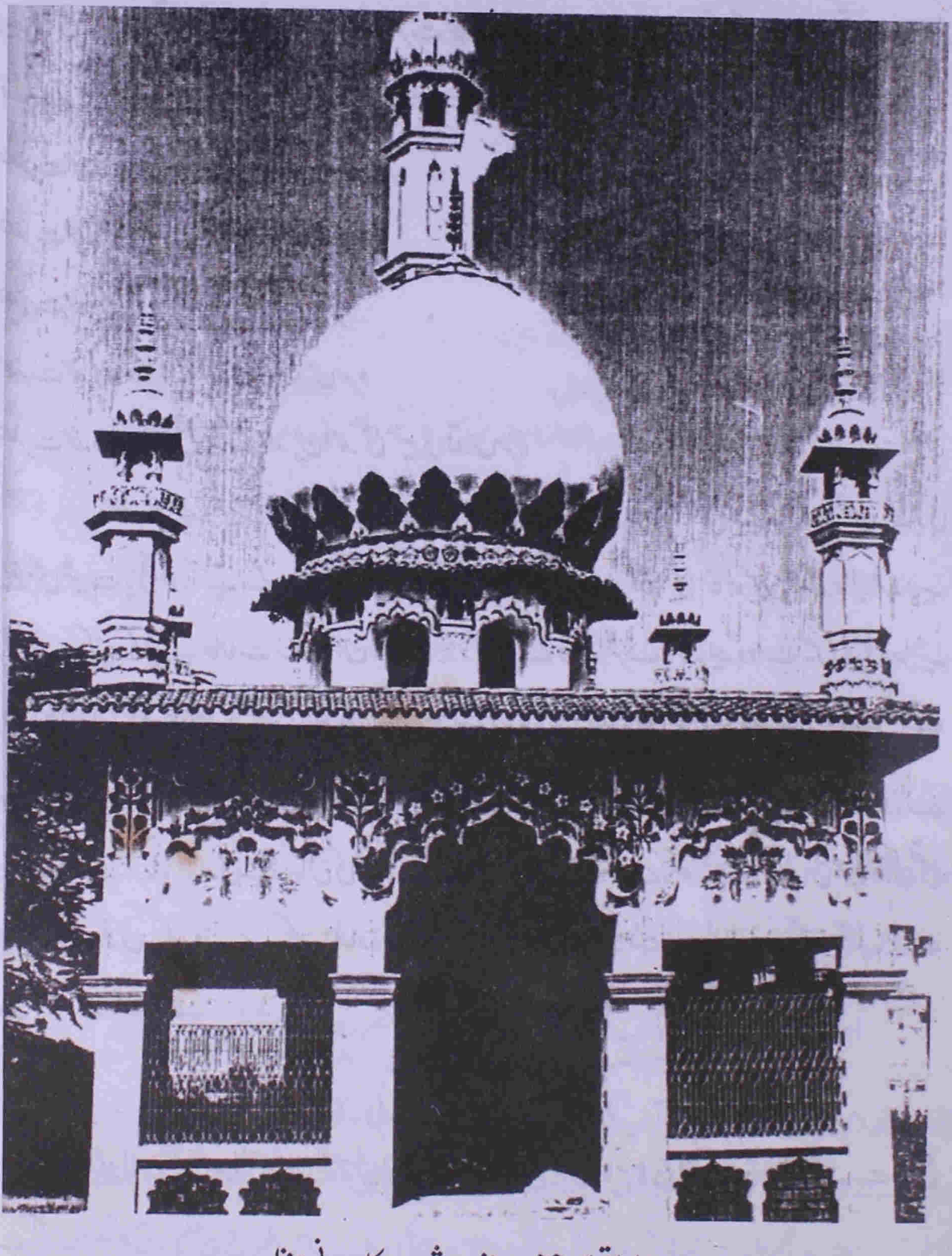

مزارِ اقدس حضرت مخدوم شعیب کا بیرونی منظر

بیعت لی۔ چنانچہ شجرہ شعیبیہ فردوسیہ میں حضرت مخدوم شعیب اور مخدوم جہاںؒ کے درمیان تین واسطے آجاتے ہیں:۔

حضرت مخدوم شعیب قدس سرہ

حضرت مخدوم شیخ حسن بلخی قدس سرہ

حضرت مخدوم شیخ حسین معز بلخی قدس سرہ

حضرت مخدوم مولانا مظفر شمس بلخی قدس سرہ

حضرت مخدوم جہاںؒ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ

حضرت مخدوم شاہ صلاح الدین کے صاحبزادے مخدوم شاہ علا المعروف بہ شاہ قاضن شطاری نے بھی شہرت پائی اور آپ کے صاحبزادے شاہ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست بھی اکابرین سلسلہ عالیہ فردوسیہ (شطاریہ رکنیہ) ہیں۔ حالات زندگی ان دونوں بزرگوں کے وسیلہ شرف و ذریعہ دولت میں ذیلی حاشیہ (Footnote) کے طور پر صفحہ نمبر ۷۰ میں دیکھے جاسکتے ہیں [۱۳]۔ حضرت شاہ ہدایت اللہ نے اکتساب علم کے بعد والد سے روحانی تعلیم کی درخواست کی۔ والد نے طے کے روزے رکھنے کو فرمایا۔ پوچھا کتنے روزے رکھے جائیں۔ فرمایا تمہاری جتنے سال کی عمر ہے اتنے ہی دنوں کے روزے رکھو۔ چودہ سال کی عمر ہو چکی تھی چنانچہ چودہ دنوں کے روزے رکھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ آپ بڑے عالی حوصلہ بزرگ تھے۔

اولاد شیخ عبدالعزیز: تفصیل اولاد شیخ عبدالعزیز ابن امام تاج فقیہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہے [۱۴]:

شیخ عبدالعزیز

- شاہ سلیمان ملقب بہ لنگر زمین
  زوج بی بی ہدیہ معروف بہ بی بی
  کمال دختر سید شہاب الدین پیر جگجوت
  - شاہ عطاء اللہ
  - بی بی کمال
    زوجہ شاہ حسام الدین
    - بی بی دولت
    - شاہ غریب اللہ
      دھوکر پوش
- شاہ جلال منیری
  زوج بی بی سعیدہ بنت
  مخدوم شاہ ابوبکر
  - مخدوم شاہ شعیب فردوسی
    (صاحب مناقب الاصفیاء)

حضرت مخدوم شاہ شعیبؒ کا مختصر ذکر پچھلے اوراق میں ہو چکا ہے۔ حضرت سلیمان لنگر زمین اور بی بی کمال کے مزارات موضع کاکو میں مرجع خلائق ہیں۔ شاہ غریب اللہ دھوکر پوش (بعضوں نے دھکڑ پوش لکھا ہے) مشہور سہروردی بزرگ ہیں۔

اولاد مخدوم سید شہاب الدین پیر جگجوتؒ: حضرت مخدوم شہاب الدین پیر جگجوتؒ [15] حضرت مخدوم جہاںؒ کے نانا ہیں۔ آپ کی ولادت ۵۷۰ھ میں ہوئی۔ کاشغر وطن تھا۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے بیعت حاصل کی اور خلافت بھی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت نجم الدین کبریٰؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی سال رحلت ۶۱۰ھ بتائی جاتی ہے اس طرح پیر جگجوتؒ کا نجم الدین کبریٰؒ سے فیض حاصل کرنا ممکن تو ہے۔ آپ کی اولادوں کی تفصیل ذیل کے نقشہ سے واضح ہے۔ آپ کی تمام صاحبزادیاں ولیہ کاملہ تھیں اور سب ہی داماد ولی کامل تھے اور ان کی اولادیں بھی۔ آپ کے سلسلہ نسب کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ آپ کا وصال ۲۱ ذی قعد ۶۶۶ھ کی صبح کو ہوا۔ آپ کا مزار لب گنگا بمقام جیٹھلی (پٹنہ

سے آٹھ میل کے فاصلے پر) ہے۔ مزار کچا ہے مگر گنگا کی تغیانی سے قدرت نے محفوظ کر رکھا ہے۔

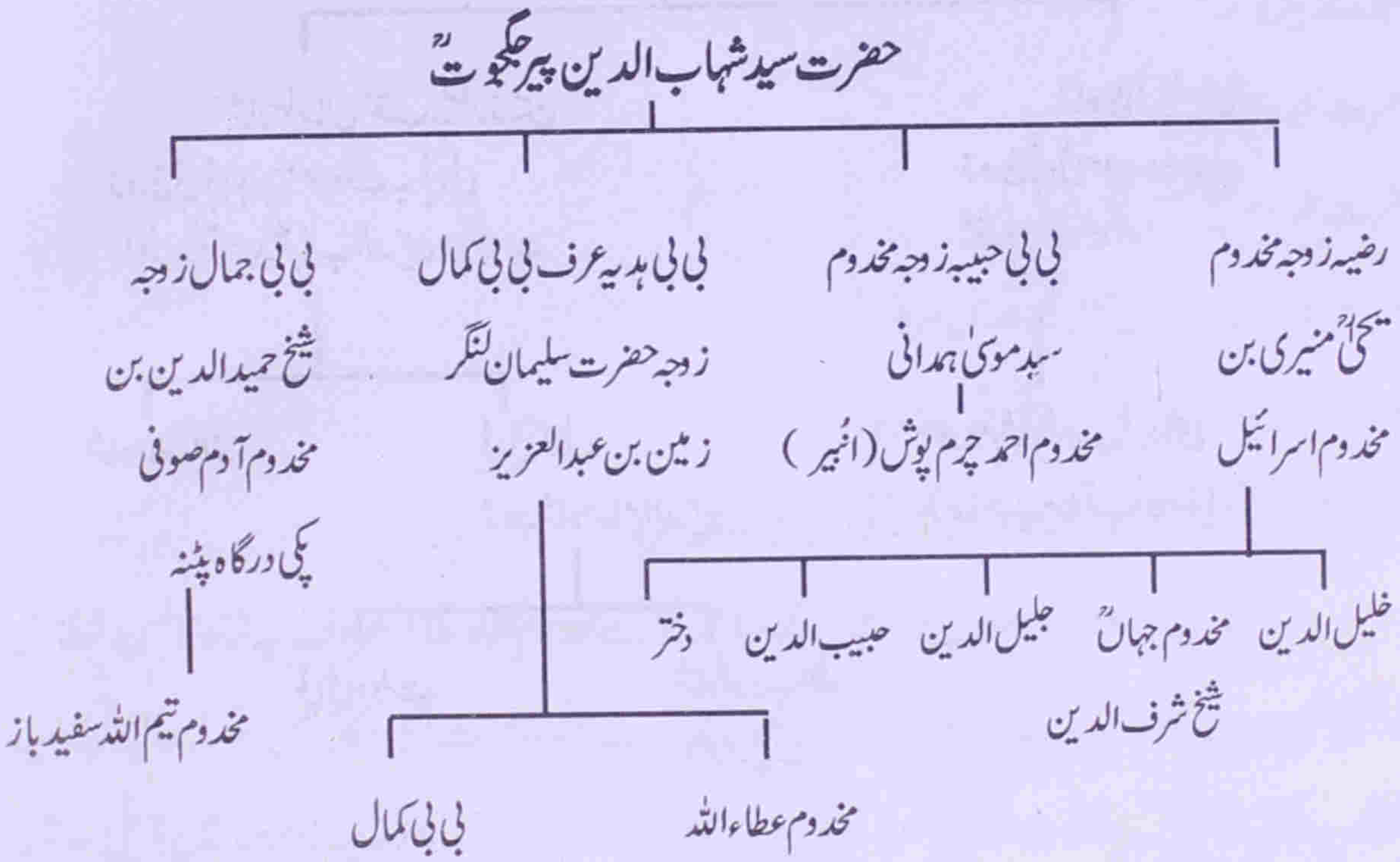

اولاد بی بی رضیہ کا پچھلے صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔ بی بی حبیبہ سے مخدوم احمد چرم پوش رحمتہ اللہ پیدا ہوئے۔ آپ عمر میں مخدوم جہاںؒ سے بڑے تھے۔ آپ سہروردیہ سلسلہ کے بزرگ تھے اور بہت جلالی بزرگ تھے۔ حضرت مولانا مظفر شمس بلخی خلیفہ مخدوم جہاںؒ کے والد شمس الدین بلخی اور ان کے دو صاجزادے معز شمس بلخی اور قمر الدین بلخی آپ کے ہی مرید تھے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کا مزار محلّہ انبیر بہار شریف میں مرجع خلائق ہے۔ خانقاہ انبیر سے فیض تا حال جاری ہے۔

اولاد بی بی ہدیہ کا ذکر پچھلے صفحات میں اولاد عبدالعزیز کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ آپ کے نواسے غریب اللہ حسین دھکڑ پوش جلیل القدر سہروردی بزرگ گزرے ہیں۔

بی بی جمال کی شادی شیخ حمید الدین سے ہوئی تھی۔ شیخ حمید الدین مخدوم آدم صوفی مرید وخلیفہ حضرت بابا فرید الدین مسعود شکر گنجؒ کے صاجزادے تھے۔ ان دونوں بزرگوار کے مزارات بھی جیوٹھلی میں حضرت شہاب الدین پیر جگجوتؒ کے مزار سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ہیں۔ یہ مزارات ایک احاطہ میں جو

پکی دیواروں سے گھرا ہوا ایک اچھے رقبہ پر محیط ہے، موجود ہیں۔ احاطہ میں چند اور مزارات بھی ہیں۔ باپ بیٹے کے مزارات قریب ہی قریب ہیں اور پختہ ہیں۔ اسی لئے پکی درگاہ کہلاتے ہیں۔ یہ احاطہ لب گنگا تو نہیں ہے مگر پھر بھی دریائے گنگا سے قریب ہے۔ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ آج سے تقریباً پچاس سال پہلے یہ جگہ صاف ستھری نظر آتی تھی اور مزارات کی بھی، ایسا لگتا تھا کہ، دیکھ بھال معقول طور پر ہو رہی تھی۔ مگر پچھلے دس بارہ سال جب انہیں دوبارہ وہاں حاضری کا موقع ملا تو حالت کی خستگی دیکھ کر دل افسردہ ہوا۔

حضرت مخدوم تیم اللہ سفید باز بی بی جمال کے بیٹے ہوئے۔ آپ کا مزار بیجوبن متصل بڑی درگاہ بہار شریف میں ہے۔

حوالہ جات:

(۱) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ مئی، جون ۱۹۷۲ء، صفحہ ۵

(۲) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۶۹

(۳) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ مئی، جون ۱۹۷۲، صفحہ ۱۱

(۴) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۷۰

(۵) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۳۸

(۶) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۸ تا ۲۰

(۷) ایضاً، صفحہ ۲۱

(۸) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۱۱

(۹) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۲ء، صفحہ ۲۵

(۱۰) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۲۱

(۱۱) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۹۱

(۱۲) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۲ء، صفحہ ۳۳

(۱۳) وسیلہ شرف و ذریعہ دولت، صفحہ ۷۰

(۱۴) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی۔ اگست ۱۹۷۲ء، صفحہ ۳۵

(۱۵) وسیلہ شرف و ذریعہ دولت، صفحہ ۱۳

تحصیل علم اور قیام سنار گاؤں

ابتدائی تعلیم: مخدوم جہاںؒ کی ابتدائی تعلیم تو گھر پر ہی ہوئی۔ اس زمانے کے نصاب تعلیم کے مطابق مصادر اور مفتاح اللغات وغیرہ بالاستیعاب پڑھا[1]۔ یہ تعلیم کا سلسلہ بہت تسلی بخش نہیں تھا۔ معدن المعانی ملفوظات حضرت مخدوم جہاںؒ میں آپ کا ہی یہ قول مرقوم ہے[2]: ''بچپن میں چند کتابیں مجھ کو یاد کروائی گئیں چنانچہ مصادر اور مفتاح اللغات اس کے علاوہ اور کتابیں اور مفتاح اللغات میں سے بہت سے اشعار مجلد کا مجلد یاد کروائے گئے اور بار بار زبانی سنا جاتا تھا۔ افسوس بجائے اس کے قرآن شریف یاد کرایا جاتا''۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ کتابیں آپ نے کس سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم[3]: قدرت نے تحصیل اعلیٰ تعلیم کا غیب سے ہی اہتمام کر دیا۔ حضرت شیخ شرف الدین ابوتوامہ اپنے وقت کے عالم متبحر تھے اور دینی و دنیاوی علوم میں شیخ وقت تھے اور ان پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ مروجہ علوم دنیاوی و نیز علم کیمیا، ہیمیا اور سیمیا میں بھی کمال رکھتے تھے۔ آپ بخارا کے رہنے والے تھے۔ غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی میں آپ کو مقبولیت حاصل تھی اور آپ کے عقیدتمندوں کا ایک سیلاب امڈ آیا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ بادشاہ کو اندیشہ ہوا کہ شیخ ابوتوامہ کی مقبولیت کہیں اس کے تمکنت شاہی کو ماند نہ کر دے۔ چنانچہ اس نے یہ حکم صادر فرمایا کہ آپ (یعنی شرف الدین ابوتوامہؒ) سنار گاؤں جائیں۔ مگر یہ ناقابل فہم بات ہے۔ غیاث الدین بلبن بہت ہی ہوشمند، باصلاحیت اور دینی فکر رکھنے والا بادشاہ تھا۔ اس کی ایک صاحبزادی بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے حبالہ عقد میں تھیں۔ یہ مشائخ وعلماء کی صحبت

سے استفادہ کرتا تھا اور بہت ہی دیندار، خدا ترس اور عبادت گزار بادشاہ تھا۔ اس لئے اس سے ایسی سوچ منسوب کرنا ہی غلط ہے۔ پھر حقیقت یہ ہے کہ ہر عقل مند اپنے دشمن کو نظر کے سامنے رکھتا ہے چہ جائیکہ اس کو سنار گاؤں بھیج دیا جائے۔ واقعات یہ بتاتے ہیں کہ بنگال میں بغاوت تو ہوئی اور اس کی سرکوبی بلبن نے ۶۸۰ء میں کی مگر حضرت ابو توامہؒ کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

بہر صورت آپ سنار گاؤں کے لئے روانہ ہو گئے۔ اغلب یہ ہے کہ تبلیغ دین کے لئے مسلم ریاست کی آخری سرحد پر گئے ہونگے یا بھیجے گئے ہونگے۔ راستے میں آپ کا گزر منیر سے ہوا۔ منیر میں حضرت مخدوم یحیٰؒ نے آپ کی بہت پذیرائی کی چنانچہ حضرت ابو توامہؒ نے منیر میں چند ایک دن قیام فرمایا۔ اس موقع نے حضرت مخدوم جہاںؒ کو حضرت توامہؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقع فراہم کر دیا اور حضرت ابو توامہؒ کی نظروں نے بھی مخدوم جہاںؒ کے جوہر قابل کو بھانپ لیا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ اپنے والد سے اجازت لے کر حضرت ابو توامہؒ سے تحصیل علم کی خاطر ان کے ساتھ سنار گاؤں تشریف لے گئے۔ حضرت ابو توامہؒ نے سنار گاؤں میں ایک مدرسہ تعمیر کیا اور ایک خانقاہ کی بھی بنیاد ڈالی۔ یہ واقعہ ۶۶۸ھ کا بتایا جاتا ہے[۴]۔

واضح رہے کہ سنار گاؤں اس زمانے میں ایک ممتاز شہر تھا۔ یہ اس علاقے کا صدر مقام تھا اور تجارتی شہر تھا۔ علمی اور ثقافتی اعتبار سے بھی ممتاز تھا۔ ۶۱۰ھ میں بختیار خلجی کے ایک جانشین سلطان غیاث الدین انور نے اسے فتح کر کے سلطنت مغربی بنگال میں ملا لیا تھا۔ حضرت شرف الدین ابو توامہؒ کا سنار گاؤں میں آنا (از خود یا سلطان غیاث الدین بلبن کے ایماء پر) اصل میں سلسلہ رشد و ہدایت کا اجراء تھا جسے حضرت ابو توامہؒ نے کمال احسن طریقہ سے منظم کیا اور چلایا۔

یہاں پر ایک بحث یہ سامنے آتی ہے کہ اگر قیام مدرسہ و خانقاہ حضرت ابو توامہ کا سن وقوع ۶۶۸ مان لیا جائے تو اس طرح حضرت مخدوم جہاںؒ کے سنار گاؤں آنے کے وقت آپ کی عمر سات سال بنتی ہے۔ جو دو اعتبار سے ممکن نظر نہیں آتی۔ اوّل تو یہ کہ آپ کی بالغ نظری کہ آپ نے اس عمر میں ہی حضرت ابو توامہؒ کے کمال علم کا اندازہ کر لیا وہ ذرا عقل کو نہ لگنے والی بات ہے۔ پھر یہ کہ بہر صورت آپ نے ابتدائی طور پر جو کچھ منیر میں پڑھا تھا وہ محض دو ڈھائی سال میں پڑھ لینا بھی بعید از قیاس ہے (اس زمانے کی روایت کے

مطابق آپ نے ساڑھے چار یا پانچ سال میں پڑھنے کی ابتدا کی ہوگی۔ چنانچہ سات سال کی عمر تک آپ کا سلسلہ تعلیم منیر میں صرف دو سے ڈھائی سال بنتا ہے)۔ایک دوسری روایت جس کے مطابق آپ اٹھارہ سال کی عمر کے تھے جب سنار گاؤں حضرت ابوتوامہؒ کے ساتھ آئے ہر طرح سے قرین قیاس ہے۔اسطرح سنار گاؤں میں حضرت ابوتوامہؒ کے آنے اور مدرسہ قائم کرنے کا سال ۶۷۸ھ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہ سال سلطان غیاث الدین بلبن کے دور حکومت کا درمیانی دور بنتا ہے جب وہ ایک مضبوط اور مقبول حکمران کی حیثیت سے سربرآرائے حکومت دہلی ہے۔ چنانچہ لگتا ہے کہ اس نے حضرت شرف الدین ابوتوامہؒ کو سنار گاؤں تبلیغ دین کے لئے ایک مضبوط ادارہ قائم کرنے کے لئے بھیجا ہوگا چونکہ سنار گاؤں اس وقت کے بنگالہ کا صدر مقام تھا اور ثقافتی، علمی اور تجارتی اعتبار سے مرکزیت رکھتا تھا اور سلطنت کے آخری سرحد کے قریب ترین اہم شہر تھا۔

حضرت ابوتوامہؒ اور مخدوم جہاںؒ: حضرت ابوتوامہؒ نے مخدوم جہاںؒ کی تعلیم و تربیت میں بلیغ کوشش فرمائی۔ شاگرد بھی ایسے ملے تھے کہ جودت طبع میں یکتا، شغف تحصیل علم میں ایسا انہاک کے کھانے پینے کے لئے مشکل سے وقت نکالتے تھے۔ دوسرے طلباء کے ساتھ جو مشترکہ انتظام طعام تھا اس میں جانا پسند نہیں فرماتے تھے کہ اس سے وقت کا بہت زیاں ہوتا ہے۔ چنانچہ کھانا اکثر ناغہ ہوجاتا تھا۔ استاد کو خبر ہوئی تو آپ کا الگ ہی انتظام فرمادیا۔ جب استاد نے تمام علوم دینی سے مکمل طور پر فیضیاب کردیا اور چاہا کہ دوسرے علوم مثلاً کیمیا، ہیمیا اور سیمیا سے بھی سرفراز فرمائیں تو شاگرد نے معذرت کرلی، فرمایا کہ علم دین ہی کافی ہے۔ علم دین میں قرآن، حدیث، فقہ، علم کلام وغیرہ کے ساتھ ساتھ آپ نے تصوف کی کتابیں بھی پڑھیں۔ جب حصول علم کا تکملہ ہوگیا تو والد (حضرت مخدوم یحیٰ) کے وصال کی خبر ملی۔ روایتوں میں یوں ہے کہ تحصیل علم کی مشغولی سے ایسا شغف تھا کہ جو خطوط گھر سے آتے تھے اسے رکھ دیتے تھے، پڑھتے نہیں تھے کہ مبادا کچھ ایسی خبر ملے جس سے انتشار اور خلل دماغ پیدا ہو جو علم کی مشغولی میں حارج ہو۔ اس روایت کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو اب یہی کہا جاسکتا ہے کہ تحصیل علم سے جب فارغ ہوئے اور گھر سے آئے خطوط کو

پڑھنا شروع کیا تو آپ کے والد کے وصال کی خبر ملی۔ شاید یہ خبر بروقت تھی چنانچہ یہ خبر پڑھتے ہی گھر کے لئے روانہ ہوگئے۔ اپنے ساتھ صرف اپنے بچہ ذکی الدین کو لے گئے۔ یہ واقعہ ۶۹۰ھ کا بتایا جاتا ہے کہ یہ سال حضرت مخدوم یحیٰؒ کا سنہ وصال ہے۔ اس وقت تک حضرت مخدوم جہاںؒ کی شادی ہوچکی تھی جس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

حضرت استاد جناب شرف الدین ابوتوامہؒ کے متعلق حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں ۵:

''مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ ایسے عالم تھے کہ تمام ہندوستان میں آپ کا حوالہ دیا جاتا تھا اور علم میں آپ کا کوئی ہمعصر نہ تھا...... مولانا شرف الدین توامہ ہندوستان کے علماء میں اس قدر مشہور تھے کہ ان کے علم میں کسی کو شبہ نہیں تھا۔ آپ ریشمی سربند اور ازار بند استعمال کرتے تھے۔ آپ نے ایسی چیزیں لکھی ہیں کہ دوسرے علماء کو اس کی تقلید کرنی چاہیے۔ اگر سبق پڑھانے میں مشکل پیش آتی تو غور کرتے اور غور کرتے وقت سربند کاندھے پر لٹکاتے اور اس کو ہاتھ میں لے کر مشغول رہتے یہاں تک کہ مشکل حل ہوجاتی اس کے بعد سربند کو چھوڑ کر مشکل کو بیان فرماتے''۔

آپ علم شریعت وطریقت کے علاوہ علم کیمیا، ہیمیا اور سیمیا پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ آپ شاعر بھی تھے اور آپ ہی کی مشہور فقہی مثنوی 'بنام حق' مشہور ہے۔ سنارگاؤں کے سفر میں آپ کے ساتھ آپ کے بھائی حافظ رکن الدین (بمطابق حاشہ وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۱۴، مگر مقالہ مطیع الامام میں زین الدین لکھا ہے۔ سیرت الشرف میں بھی یہی لکھا ہے) بھی تھے۔ یہ حافظ بھی تھے اور نہایت خوش الحان تھے۔ بادشاہ التمش نے اگرچہ مختلف مساجد میں مختلف امام مقرر کر رکھا تھا اور مقررہ مسجد میں مقررہ امام ہی کی امامت میں نماز ادا کرنے کی تاکید تھی مگر اگر حافظ رکن الدین ہوتے تو پھر کسی اور کی کیا مجال کہ امامت کرے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں کہ آپ بھائی (ابوتوامہؒ) سے کبھی خوش طبعی بھی فرماتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کسی قرآنی آیت کا حوالہ آجاتا اور اگر یہ یاد نہ آتا کہ یہ آیت کس سورۃ میں کہاں پر ہے تو مولانا ابوتوامہؒ اپنے بھائی رکن الدین سے پوچھتے۔ اب بھائی تھوڑا شوخی طبع سے بتانے میں ذرا دیر لگاتے۔ جب ذرا زیادہ دیر ہوجاتی تو بھائی سے فرماتے کہ چلو بہت ہوگیا اب جلد بتا بھی دو۔ مثنوی 'بنام حق' فارسی زبان میں ہے۔

یہ مثنوی ۱۵؍ جمادی الاوّل ۶۹۳ھ میں مکمل ہوئی۔ اس مثنوی میں ایک سواسی اشعار اور دس ابواب ہیں۔ اس مثنوی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آپ بخارا سے آئے تھے۔ اس مثنوی کا ایک مشہور شعر ہے:

روز اوّل کہ جاں گداز بود   اولیں پرسش نماز بود

مخدوم جہاںؒ نے سنار گاؤں میں بارہ سال گزارے اور اگر سات سال میں سنار گاؤں آنا تسلیم کیا جائے تو بائیس سال بنتے ہیں۔ اغلب یہی ہے کہ آپ نے سنار گاؤں میں بارہ سال گزارے اور تقریباً انتیس سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر منیر پہنچے۔

شادی اور اولاد: حضرت مخدوم جہاںؒ کی شادی کے سلسلہ میں ایک ذرا عجیب سی روایت بھی مشہور ہو گئی ہے جس کو بہت سے سوانح نگاروں نے قبول کر لیا ہے اور قلمبند کر دیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ روایت بھی مناقب الاصفیاء کے حوالے سے بیان ہوئی ہے۔ چونکہ مناقب الاصفیاء حضرت مخدوم شعیبؒ مرید حضرت مخدوم جہاںؒ کی تصنیف مانی جاتی ہے اس لئے قدیم ترین ماخذ کے طور پر (مزید یہ کہ مخدوم شعیبؒ حضرت مخدوم جہاںؒ کے چچازاد بھائی ہیں اور عمر میں تقریباً بیس برس چھوٹے ہیں مگر مخدوم جہاںؒ کی حیات کا ایک بڑا دور پایا ہے) اولیٰ تر ماخذ سمجھا جاتا ہے اس لئے اس روایت کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ مناقب الاصفیاء کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیا جائے۔ اس سلسلہ میں تازہ ترین نسخہ مناقب الاصفیاء مترجم الحاج مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، مکتبہ شرف، بیت الشرف، خانقاہ معظم، بہار شریف (سنہ طباعت ۲۰۰۱ء) ایک مفید کتاب سامنے آئی ہے جس میں ایک باب بعنوان 'مناقب الاصفیاء حاصل مطالعہ' از پروفیسر سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی بہت ہی معلوماتی اور محققانہ نگارش کا اضافہ ہے[6]۔ یہاں پر اس کے کچھ ضروری نکات پیش کئے جاتے ہیں:

مناقب الاصفیاء کا فارسی متن پہلی بار مطبع نور الآفاق کلکتہ سے طبع ہوا تھا لیکن اس کے متن کی تحقیق اور موجود خطی نسخوں سے تطابق کا کام ہنوز باقی ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق اس کا سب سے قدیم خطی نسخہ (سنہ کتابت: ۱۱۴۸ھ) خانقاہ بلخیہ، رائے پورہ، فتوحہ، پٹنہ کے کتب خانے میں

موجود ہے۔ بقیہ جتنے بھی نسخے پائے جاتے ہیں بعد کے ہیں۔ مناقب الاصفیاء کا پہلا اردو ترجمہ مولانا سید شاہ ابوصالح محمد یونس شعیبی فردوسی صاحب نے کیا تھا جسے دو جلدوں میں مکتبہ دارالرشاد مہانند پور، دیپ نگر ضلع پٹنہ (موجودہ نالندہ) سے ۱۳۸۴ھ میں شائع کیا تھا۔ اب یہ بھی نایاب ہے۔

مناقب الاصفیاء کے خطی نسخوں میں فرق متن کا ایک اندازہ مکتوبات صدی مطبوعہ ۱۳۸۷ھ سے ہوتا ہے جسے مولوی محمد اکرم صاحب آروی کی فرمائش پر مطبع علوی لکھنؤ نے چھاپا تھا۔ اس طباعت کے اہتمام میں مناقب الاصفیاء کا حضرت مخدوم جہاںؒ کے حالات پر مشتمل حصہ بھی شامل کردیا گیا ہے تاکہ مکتوبات کے قارئین صاحب مکتوبات کے حالات سے بھی واقف ہوجائیں۔ اس مشمولہ اقتباس میں مناقب الاصفیاء کی مندرجہ ذیل عبارت پر جو حضرت مخدوم جہاںؒ کی تعلیمی سرگرمی اور ازدواجی زندگی سے متعلق ہے حاشیہ ثبت کیا گیا ہے۔ متن درج ذیل ہے۔

ترجمہ۔ ''جس زمانے میں آپ سنار گاؤں میں حصول علم میں مشغول تھے آپ کو ایک ایسا مرض لاحق ہوگیا جس کا وہاں کے اطباء نے علاج جماع بتایا۔ چنانچہ دفع مرض کے لئے ایک کنیز رکھ لیا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا''

حاشیہ میں درج عبارت درج ذیل ہے:

ترجمہ: ''مناقب الاصفیاء کے اکثر نسخوں میں اس طرح لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کے پاس ایک کنیز تھی جس کو مخدوم کے نکاح میں دے دیا۔ اس کنیز سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے کہ جن کا نام ذکی الدین (ذکی الدین کہیں حرف زا سے کہیں حرف ذال سے لکھا ملتا ہے۔ ڈاکٹر مطیع الامام تصریح کرتے ہیں کہ حرف ذال سے لکھنا غلط ہے۔ بظاہر زکی اور ذکی دونوں بامعنی الفاظ ہیں اور اچھے معنوں میں ہیں اس لئے مطیع الامام صاحب کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مناقب الاصفیاء کے تازہ ترین نسخے مترجمہ ڈاکٹر علی ارشد شرفی (سنہ طباعت ۲۰۰۱ھ) میں حرف ذال سے لکھا گیا

ہے۔اس کو تائید خانقاہ سمجھ کر راقم نے حرف ذال سے لکھنا پسند کیا ہے) رکھا۔ کچھ نسخوں میں اس طرح لکھا ہے کہ جب حضرت مخدوم اپنے شیخ کی خدمت میں حصول علم سے فارغ ہو گئے تو استاد نے اپنی بیٹی سے نکاح کا عندیہ دیا مگر حضرت مخدوم نے تکمیل علم ظاہر و باطن کے فرط شوق میں اس سے معذرت کی یہاں تک کہ آپ ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو گئے کہ جس کے علاج کے لئے تمام اطباء نے بالاتفاق سوا نکاح کے اور کچھ نہیں بتایا لہٰذا اپنے استاد کی بیٹی سے نکاح کرلیا جن سے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام ذکی الدین رکھا اور انہیں والدہ ماجدہ کے سپرد کیا"۔

ایک دوسرا اختلاف متن جو خطی اور مطبوعہ نسخوں میں ایک سرسری نظر میں ہی واضح ہوتا ہے وہ واقعہ شیخ عز کاکوی اور شیخ احمد بہاری سے متعلق ہے (اس کی تفصیل اصل مضمون میں دیکھئے)۔

کچھ مزید حقائق مناقب الاصفیاء کے سلسلہ میں قابل غور ہیں۔

۱۔مصنف نے کہیں اپنا نام درج نہیں کیا۔ مصنف نے کہیں بھی حضرت مخدوم جہاںؒ کے حیات میں ان کے دیدار سے مشرف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ مخدوم جہاںؒ کی حیات سے متعلق واقعات سنی ہوئی روایت و حکایت کے طور پر درج کیا ہے۔

۲۔مصنف نے کہیں پر حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کے شرف دیدار سے مشرف ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ان سے متعلق واقعات کا بھی انہی حوالوں سے ذکر کیا ہے جس حوالہ سے مخدوم جہاںؒ کا ذکر کیا ہے۔

۳۔اگرچہ تالیف مناقب الاصفیاء کا حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ کے زمانے میں شروع ہو جانا محقق ہے مگر ان سے متعلق واقعات بھی دوسروں کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

۴۔مصنف معاصر حضرت مخدوم حسن دائم جشن بلخی ہیں۔

۵۔مشہور تذکرہ صوفیا مراۃ الاسرار کی تالیف (۱۰۶۵ھ) کے وقت اگرچہ مناقب الاصفیاء کا نسخہ موجود تھا مگر مؤلف شیخ عبدالرحمٰن نے بھی مؤلف مناقب الاصفیاء سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

۶۔مناقب الاصفیاء کی تالیف کا سلسلہ مخدوم حسین نوشہ توحید کی وفات (۸۴۴ھ) کے بہت بعد

تک چلتا رہا۔

۷۔ حضرت شیخ احمد لنگر دریا بلخیؒ (م ۸۹۱ھ) کے ملفوظات کا مجموعہ مونس القلوب بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اگرچہ مناقب الاصفیاء اس مدت میں تالیف ہو چکی تھی مگر پھر بھی مونس القلوب میں اس کا ذکر موجود نہیں۔ شاید یہ کہ اس وقت تک یہ ایک غیر معروف تالیف تھی۔

سطور بالا میں پیش کردہ صورتحال کے پیش نظر اگرچہ مناقب الاصفیاء کی حیثیت حضرت مخدوم شعیبؒ کی تالیف کے حوالہ سے بہت معتبر ہے مگر خود اس کتاب کے مختلف نسخوں میں اختلاف روایت کا ہونا متقاضی ہے کہ ضرورت ہو تو اس میں بھی جرح و تعدیل کی جائے۔

ایک دوسری کتاب جو بھی قدیم ماخذ کے حوالے سے معتبر ہے، حضرت حاجی نظام الدین غریب یمنیؒ کی 'لطائف اشرفی' ہے۔ حضرت نظام الدین یمنیؒ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔

اب سیرت مخدوم جہاںؒ کی مختلف تصانیف میں مخدوم جہاںؒ کی شادی سے متعلق جو روایتیں درج ہیں ان کا اعادہ کرنا مناسب ہوگا۔

مقالہ مطیع الامام میں مناقب الاصفیاء کا متن اور مکتوبات صدی مطبوعہ لکھنؤ کے حاشیہ پر اختلافی بیان مذکور ہے اور یہ وہی ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا (بحوالہ مناقب الاصفیاء۔ حاصل مطالعہ از پروفیسر سید شاہ شمیم الدین)۔ صاحب مقالہ نے مزید لکھا ہے ۷:

مناقب الاصفیاء کا قلمی نسخہ جس کی سن کتابت ۱۱۴۳ھ ہے لیکن اس کا کوئی ذکر اس میں نہیں ہے۔ اغلب ہے کہ زمانے مابعد میں حضرت مخدوم کی شادی کا واقعہ ایک اضافہ محض ہے جدید تذکرہ نویسوں میں بیشتر کا خیال ہے کہ حضرت مخدوم کی زوجہ ایک کنیز نہ تھی بلکہ خود ان کے استاد یعنی مولانا توامہؒ کی صاجزادی تھیں۔

مقالہ مطیع الامام میں حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی، صاحب سجادہ خانقاہ بلخیہ، کے ایک مکتوب بنام ڈاکٹر مطیع الامام کے حوالہ سے شاہ تقی صاحب کا بیان یوں قلمبند کیا گیا ہے ۸: ''حضرت مخدوم کی دو شادی

ہوئی تھی پہلی شادی اس کنیز سے (جس کا ذکر مناقب الاصفیاء میں ہو چکا ہے) اور دوسری شادی اپنے استاد مولانا شرف الدین توامہؒ کی صاحبزادی بہو بادام سے ہوئی۔ پہلی شادی سے ایک صاحبزادے شیخ ذکی الدین جو سن بلوغ کو پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ فوت ہو گئے۔ بہو بادام سے دو صاحبزادیاں فاطمہ و زہرہ پیدا ہوئیں۔ ان دونوں کا مزار ان کی ماں کے مزار کے پہلو منیر میں موجود ہے۔

وسیلہ شرف و ذریعہ دولت میں یوں مذکور ہے[9]:

''جس زمانے میں سنار گاؤں میں علم میں مشغول تھے ایک بیماری عارض ہوئی تھی۔ وہاں کے طبیبوں نے کہا کہ اس مرض کی دوا جماع ہے۔ دفع مرض کے لئے ایک جاریہ رکھی۔ اس جاریہ سے ایک بیٹا ہوا اس بیٹے کو ماں کے سپرد کیا اور کہا اسکو میری جگہ پر سمجھئے اور مجھ کو چھوڑ دیجئے میں جہاں چاہوں جاؤں۔ سمجھئے کہ شرف الدین مر گیا۔''

تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں یوں مرقوم ہے[10]:

''علامہ ابو توامہؒ جو اپنے وقت کے صرف انمول جواہر ہی نہیں بلکہ اچوک جوہری بھی تھے، اپنے ہونہار شاگرد کے بارے میں سب کچھ جان گئے تھے کہ یہ مستقبل قریب میں کیا ہونے والے ہیں وہ ان پر ایسا فریفتہ ہوئے کہ ان کو اپنی دامادی میں لینے پر مصر ہوئے۔ مخدوم الملک نے پہلے تو کچھ پس و پیش کیا لیکن استاد کے حکم کو ٹالنا ان کے بس میں نہ تھا وہ راضی ہو گئے اور استاد کی دختر نیک اختر کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے''۔

حالیہ مطبوعہ مناقب الاصفیاء مترجم مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی میں یوں مذکور ہے (یہ نسخہ مؤلف نے بقول خود مختلف نسخہ مناقب الاصفیاء کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے[11] مگر یہ واضح نہیں کہ انہوں نے کس نسخہ سے اخذ کیا یا حاصل مطالعہ جسے سمجھا ہے اسکو ہی قلمبند کر دیا ہے):۔

''جس زمانے میں سنار گاؤں میں رہ کر علم دین حاصل کرنے میں مشغول تھے اسی زمانے میں آپ کو ایسا مرض لاحق ہو گیا کہ طبیبوں نے جسکا علاج نکاح بتایا۔ آپ نے علاج کی غرض سے نکاح کیا۔ ایک صاحبزادہ تولد ہوئے صاحبزادہ کو اپنی والدہ محترمہ کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ اس کو

میری جگہ پر سمجھئے اور مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں جہاں چاہوں جاؤں سمجھ لیجئے کہ شرف الدین اس دنیا میں نہیں رہا"۔

صاحب سیرت الشرف نے اس سلسلہ کی روایت کا سخت تنقیدی جائزہ لیا ہے اور بہت مناسب بات لکھی ہے ۱۲:

"بعض ناقلین نے جن کو مہمل روایتوں کے بیان میں مزا آتا ہے لکھا ہے کہ مولانا شرف الدین ابوتوامہؒ نے ایک کنیز سے مخدوم کی شادی کردی تھی۔ مگر اکثر کا اس پر اتفاق ہے کہ مولانا نے اپنی صاحبزادی کو مخدوم کی عروسی میں دیا۔ اور قرینہ غالب بھی یہی ہے کہ خود مولانا نے اپنی فرزندی میں لیا کیونکہ آپ صرف مصلحتاً للوقت و امتثالاً لامر اللہ سنار گاؤں گئے تھے۔ دوسری جگہ جو دقتیں شرفا کو رشتہ پیوندی قائم کرنے میں ہوتی ہیں وہ ہر شریف پر خوب ظاہر ہے اور ان پر بھی بیٹی کا جفت۔ بنگالہ میں اس زمانے میں مسلمانوں کی جو حالت تھی وہ تاریخ سے خوب ظاہر ہے۔ مسلمان شرفا شاید ڈھونڈے سے ملتے تو ملتے ورنہ اس زمانے میں اس جنس کی وہاں پیداوار ہی نہ تھی۔ برعکس اس کے مولانا اپنے اثنائے سفر میں منیر میں چندے ٹھہر چکے تھے۔ ان کو مخدوم کے حالات خاندان کے دریافت کرنے کا پورا موقع مل چکا تھا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ جواہر ذاتی سے بھی مالامال۔ پھر ایسے شخص کو دامادی میں لینا تو مولانا کے لئے عین فخر کا باعث تھا۔ عقل صائب ہرگز اس کی مساعدت نہیں کرتی کہ مولانا نے اپنی صاحبزادی کے بدلے اپنی کنیز کو مخدوم کے ازدواج میں دیا ہو۔ اور اگر مان بھی لیں کہ مخدوم نے حر سے شادی نہیں کی بلکہ حسب الحکم شرع کنیز کو اپنی خدمت میں قبول کیا تو آپ کی اولاد میں کسر شان کی کیا بات ہے۔ زمانہ نے سادات اور بنی اسماعیل کو بھی اس سے بری نہ رکھا۔ ہمارے علماء حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہیں۔ گو توریت سے ثابت نہیں۔ اور حضرت شہربانو کا جہاد میں قید ہوکر آنا متفق علیہ ہے۔ علاوہ بریں حنفی فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ جب آزاد لونڈی سے نکاح کرلیتا ہے تو وہ اگر اس کی ملک ہو تو فوراً آزاد ہوجاتی ہے لیکن یہاں پر یہ کہا جائے گا کہ ایسی صورت میں ملک کی قید ہے اور وہ کنیز مولانا شرف

الدین ابوتوامہؒ کی ملک تھی۔اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو ایسی مناکحت مکروہ ہے۔دوسرے ایسی مناکحت سے جو اولاد ہوتی ہے وہ مالک کنیز کی ملک ہوتی ہے پھر اگر وہ کنیز تھی تو مخدوم کا اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ وطن لانا یعنی چہ۔حق یہ ہے کہ مخدوم مولانا کی صاحبزادی ہی کو حبالہ نکاح میں لائے تھے۔اس کدخدائی سے مخدوم کے تین اولاد ہوئی۔اس میں سے ایک صاحبزادے شاہ ذکی الدین زندہ رہے۔باقی دو ایام طفولیت ہی میں قبل آنے منیر کے سنارگاؤں میں انتقال کر گئے اور اپنی ماں کے ساتھ زمین بنگالہ میں جالیٹے۔''

سیرت الشرف کا تجزیہ بہت مناسب ہے۔خود مناقب الاصفیاء کے مختلف نسخوں کی روایت میں فرق موجود ہے۔اس لئے اس پر اعتماد بغیر جرح وتعدیل کے کرنا مناسب ہے۔چونکہ دوسری روایتوں میں حضرت شرف الدین ابوتوامہؒ کی صاحبزادی سے ہی حضرت مخدوم جہاںؒ کا رشتہ ازدواج ہونا مذکور ہے اس لئے یہ زیادہ معتبر روایت ہے۔کنیز کے قصہ میں حضرت مخدوم کی بیماری کا ذکر کچھ ایسا تاثر دینے کی کوشش ہے کہ جیسے اس مرض کا وقتی علاج مقصود ہو اس لئے کنیز سے رشتہ قائم کر دیا گیا ہو۔افسوس کا مقام ہے، ایسے صاحب علم کے گھر اور وہ بھی ایک ایسی محتشم ہستی کے متعلق ایسا گمان بدمذاقی کی انتہا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر علاج کی غرض سے ہی نکاح ضروری تھا تو پھر شریعت کے مطابق رفیقۂ حیات بنانا ہی زیادہ مناسب تھا اور اس طرح حضرت ابوتوامہؒ کی صاحبزادی سے بہتر رشتہ اس وقت وہاں ملنا مشکل تھا اور پھر استاد کے گھر سے استادوشاگرد کی محبت کا رشتہ جو تحصیل علم کے حوالے سے قائم تھا اس کا مزید مستحکم کرنا ہی عقل سلیم کا تقاضا تھا۔ افسوس یہ ضرور ہے کہ حضرت ابوتوامہؒ کے خاندانی حالات اور متاہل زندگی کے متعلق تذکرہ نگاروں نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اس لئے اور بھی اس مسئلہ میں بدذوقوں کو مضمون آرائی کا موقع فراہم ہو گیا ہے۔ کنیز کے قصہ کی اگر کوئی حقیقت ہو بھی تو ظنی طور پر اور بھی ممکنہ صورت سوچی جا سکتی ہے مثلاً یہ کہ یہ بچی کسی ذی حشم گھرانے کی چشم وچراغ ہو جسے آپ نے اپنی کفالت میں رکھ لیا ہو یا یہ کہ کسی کنیز سے حضرت ابوتوامہ کی اولاد ہو اور وہ کنیز آزاد ہو چکی ہو اور یہ بچی جو حضرت ابوتوامہؒ کی برابر کی اولاد ٹھہری اپنی ماں کی نسبت سے کنیز کی شناخت رکھتی ہو۔یہ سب ظنی باتیں ہیں، ترجیح اسی کو ہے کہ مخدوم جہاںؒ کی شادی حضرت ابوتوامہؒ

کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔

سوانح نگاروں نے ایک اور گوشہ حضرت مخدوم کی زندگی کا خالی چھوڑ دیا ہے اور اس سے بھی بہت الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں۔ یہ تو سبھی تذکروں میں ہے کہ مخدوم جہاںؒ نے جب والد محترم کے وصال کی خبر پائی تو فوراً رخت سفر باندھا اور اپنے بیٹے ذکی الدین کو ساتھ لے کر منیر تشریف لے گئے۔ سوال یہ ہے کہ زوجہ محترمہ اور دوسرے بچوں کا ذکر یہاں کیوں نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ عجلت میں روانہ ہوئے ہوں اور ذکی الدین عمر کے اس حصے میں ہوں کہ ماں سے الگ ہونے میں زیادہ قباحت نہ ہوئی ہو، شاید مخدوم جہاںؒ کے بہت لاڈلے ہوں۔

بہرصورت مخدوم جہاںؒ منیر پہنچ کر جلد ہی تلاش مرشد میں دہلی چلے جاتے ہیں اور پھر ریاضت و مجاہدے کی زندگی صحرانوردی میں گزارتے ہیں اور بیوی بچوں سے بے تعلق ہیں۔ یہ مدت کم از کم تیس سال کی ہے اور بعض روایت کے مطابق چالیس سال کی۔ اس درمیان میں بیوی بچے کہاں ہیں کس طرح زندگی گزار رہے ہیں اس کا ذکر کتابوں میں نظر نہیں آتا اور مختلف اقوال سے اس سلسلہ میں اور بھی الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی کہتا ہے ذکی الدین بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔ کوئی کہتا ہے کہ دو اور اولادیں تھیں جو بنگال میں ہی انتقال کر گئیں اور اپنی والدہ کے ساتھ بنگال میں آرام فرما ہیں۔ خاندانی روایت بتاتی ہے کہ زوجہ محترمہ کا مزار منیر شریف میں ہے اور دو بیٹیاں بھی یہیں مدفون ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ مخدوم جہاںؒ کے سنار گاؤں سے منیر آنے کے بعد آپ کی زوجہ محترمہ بھی اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ منیر آگئیں اور اپنی ساس کے ساتھ رہنے لگیں۔ مخدوم ذکی الدینؒ تو پہلے ہی آچکے تھے۔ حضرت ابوتوامہ بھی ۷۰۰ھ میں وصال پا گئے تھے۔ اہلیہ مخدوم کی پھر ملاقات مخدوم سے نہیں ہوئی البتہ یہ ثابت ہے کہ والدہ مخدوم نے حضرت مخدوم کا بہار شریف میں جلوس سجادگی کا دور دیکھا اور مخدم ذکی الدینؒ نے بھی والد کی منعقدہ مجالس میں شرکت فرمائی ہے۔ لگتا یہ ہے کہ مخدوم کی اہلیہ اس درمیان میں وفات پا گئیں۔ اپنی دونوں بچیوں کی شادی دادی کی موجودگی میں خاندان مخدوم جہاںؒ میں خاندان والوں نے کرادی ہوگی جیسا کہ اولاد اسرائیل کی تفصیل میں مذکور ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ مخدوم جہاںؒ کے تینوں بچے ذکی الدین، فاطمہ اور زہرہ سنار گاؤں میں ہی پیدا ہوئے

اور نانا کے ساتھ ہی رہے کیونکہ یہ زمانہ مخدوم جہاںؒ کی طالبعلمی کا ہے چنانچہ اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوئے ہیں۔ اس سے بھی یقین ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کو حضرت ابوتوامہؒ کی دامادی کا شرف حاصل تھا اور کنیز والی بات درست نہیں۔ (ایک شخص جو خود ہی کسی کی کفالت میں زندگی گزار رہا ہو وہ کسی کنیز کی کفالت کیا کرے گا!) خاندان مخدوم جہاںؒ کی تفصیل درج ذیل ہے:-

مخدوم جہاںؒ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری [۱۳]

زوج بی بی بہو بادام بنت حضرت شرف الدین ابوتوامہ

مخدوم ذکی الدین زوج دختر سید حسین	بی بی زہرہ زوجہ قمرالدین ابن شمس الدین مازندرانی	بی بی فاطمہ زوجہ شاہ اشرف الدین منیری ابن شاہ خلیل الدین

مخدوم ذکی الدین کی اولاد:

بی بی بارکہ
زوجہ سید وحیدالدین چلہ کش
خواہرزادہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی

حضرت مخدوم ذکی الدینؒ تکمیل علوم ظاہری و باطنی کے بعد بنگال میں اقامت گزیں ہو گئے۔ آپ کی شادی دختر سید حسینؒ سے ہوئی تھی جن سے صرف ایک اولاد یعنی بی بی بارکہ ہوئیں۔ بی بی بارکہ کی شادی سید وحیدالدین چلہ کش خواہرزادہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ سے ہوئی۔ مخدوم ذکی الدینؒ کا وصال بنگال میں ہی ہو گیا تھا اور آپ کی اہلیہ بھی کچھ دنوں بعد وصال کر گئیں۔ دونوں کے مزارات مقام شکر ڈیہہ من مضافات سیوڑھی ضلع بیر بھوم میں ہے اور اب اس جگہ کا نام مخدوم نگر ہے۔ بی بی بارکہ ابھی بچی تھیں

شیخ یحیٰ والد او شہ زکی الدین پسر

جد او تاج الفقیہ قاتل کفار دیں

مادرش بوا بڈی بادام نامی زوجہ اش

شرف تو امہ بود استاد و خسرش بالیقیں

شہ نجیب الدین فردوسی است پیر بیعتش

شد مظفر نائب و فرماں بر و گدی نشیں

فاطمہ زہراداں بنتان مخدوم جہاںؒ

شیخ اشرف، میر قمرالدین ختنان متیں

بعدازاں حضرت چولھائی خادم مقبول خاص

فاتحہ اخلاص کرسی آں کہ باشد خوشتریں

حوالہ جات:

(۱) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۴۰

(۲) معدن المعانی، صفحہ ۶۱

(۳) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۵ تا ۳۹ (مزید دیکھئے تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۴۰)

(۴) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۴۱

(۵) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۱۴ (حاشیہ)

(۶) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۹ـ۳۲

(۷) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۷۲، صفحہ ۴۲

(۸) ایضاً، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۲

(۹) وسیلہ شرف و ذریعہ دولت، صفحہ ۱۷

(۱۰) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۴۳

(۱۱) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۶۵

(۱۲) سیرت الشرف، صفحہ ۵۰

(۱۳) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۲ صفحہ ۲۱

(۱۴) ایضاً، مہر نیمروز، شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۴

(۱۵) وسیلہ شرف و ذریعہ دولت، صفحہ ۱۴

طلب پیر وراہ سلوک

دہلی کا سفر: سنارگاؤں میں تحصیل علوم ظاہری، تفسیر، حدیث، فقہ، منطق وغیرہ سے مکمل سیری ہوچکی تھی۔ اب منیر آکر حصول علم معرفت کا جذبہ دل میں موجزن ہوگیا۔ تصوف کی کتابیں بھی مطالعہ میں آچکی تھیں، مگر اب اس راہ میں قدم رکھنا تھا۔ طلب پیر میں دہلی جانے کا ارادہ فرمایا۔ وہاں حضرت نظام الدین اولیا، سلطان المشائخ موجود تھے۔ ان کا شہرہ تھا۔ ویسے بھی دہلی سیاسی، علمی اور روحانی سیادت کا مرکز تھا۔ آپ نے دہلی جانے کا قصد کیا۔ عام تذکروں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دہلی کے سفر پر جانے میں آپ کو کسی خاص ہستی سے ملاقات پیش نظر نہیں تھی۔ عام تذکروں میں یوں ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے ذکی الدین کو ماں کی سپرد کیا اور فرمایا کہ اس کو میری جگہ سمجھئے اور مجھ کو طلب حق میں جانے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ ماں خود ولیہ کاملہ تھیں۔ اذن سفر دے دیا۔ اس سفر میں آپ کے بڑے بھائی خلیل الدین (اکثر نے جلیل الدین لکھا ہے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے) آپ کے ساتھ ہو گئے۔ دہلی میں اکثر مشائخوں کے پاس حاضری دی مگر تسلی نہیں ہوئی بلکہ اس حد تک فرما دیا کہ، اگر شیخی این است من ہم شیخم، یعنی اگر پیری یہی ہے تو میں بھی پیر ہوں۔ پھر سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں کی علمی گفتگو میں شرکت فرمائی۔ سلطان المشائخ نے تحسین فرمائی۔ حضرت مخدوم نے بیعت ہونے کی خواہش کی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا تمہارا حصہ ہمارے یہاں نہیں ہے۔ فرمانے لگے ''سیمرغیست ولے نصیب دام مانیست یعنی سیمرغ ہے لیکن میری قسمت میں نہیں''۔ مخدوم بہت بددل ہوئے۔ فرمانے لگے کہ سلطان المشائخ نے قبول نہیں کیا پھر کہاں جائیں۔ بڑے بھائی نے تسلی دی، کہا حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے پاس چلتے ہیں۔ مخدوم جہاںؒ افسردہ بہت تھے بہرصورت تیار ہوگئے۔ درمیان میں شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ کے پاس گئے۔

وہ مجذوب الحال بزرگ تھے۔ مخدوم جہاںؒ ان سے بے حد متاثر ہوئے مگر فرمایا کہ یہ مجذوب الحال ہیں یہ کسی کی تربیت نہیں کر سکتے۔ اب حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے یہاں حاضر ہونے چلے۔ جب خواجہ کی جگہ قریب ہوئی تو آپ پر رعب کی کیفیت طاری ہوگئی اور جیسے جیسے خواجہ کا گھر قریب ہوتا گیا آپ کی یہ کیفیت بڑھتی رہی۔ منزل کا پتہ مل گیا۔

بیعت: حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے پاس پہنچے۔ خواجہ سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ نے فرمایا کہ ''درد ہن برگ و در ستار برگ و گفتار اینکہ ما ہم شیخیم'' یعنی یہ کہ پان منہ میں اور پان دستار میں اور فرماتے ہیں کہ ہم بھی شیخ ہیں۔ مخدوم پر ویسے ہی رعب اور دہشت طاری تھی، اب پشیمانی بھی ہوئی۔ خواجہ نجیب الدینؒ نے فرمایا تم نے آنے میں بہت دیر لگا دی میں تمہارا بارہ سال سے انتظار کر رہا تھا۔ مخدوم نے بیعت ہونے کی استدعا کی۔ خواجہ نے بیعت لی۔ کچھ روایت کے مطابق بڑے بھائی بھی مرید ہوئے۔ خواجہ نے مخدوم کو ضروری ہدایتیں دیں اور بارہ سال پہلے کا لکھا ہوا خلافت نامہ حضرت مخدوم کے سپرد کیا جسے بارگاہ رسالت کی ہدایت پر لکھا گیا تھا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ابھی تو میری تعلیم بھی نہیں ہوئی ہے۔ خواجہ نے فرمایا تمہاری تعلیم براہ راست حضرت رسالت مآب ﷺ سے ہونا مقدر ہو چکی ہے خاطر جمع رہو۔ پھر خواجہ نے مخدوم کو رخصت فرمایا اور کہا کہ راستے میں اگر ایسی ویسی خبر سننا تو واپس نہ آنا۔ مخدوم ابھی دہلی کی حدود میں ہی تھے کہ خواجہ کے وصال کی خبر ملی۔ حسب ہدایت مرشد واپس نہیں لوٹے اور واپسی کا سفر جاری رکھا۔

مختلف تذکرہ نگاروں نے کم و بیش اسی طرح لکھا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ یہاں پر چند جزئیات کی تصریح کرنا ضروری ہے۔ اوّل یہ کہنا کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے قصد دہلی کرتے وقت یہ ذہن میں نہیں تھا کہ کس کے پاس بیعت کے لئے جانا ہے یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ سلطان المشائخ کے یہاں سے جو مایوسی ہوئی جس کا حضرت مخدوم کو بہت احساس ہوا وہ یہ بتا رہا ہے کہ آپ حضرت نظام الدین اولیاؒ سے ہی بیعت کے ارادہ سے روانہ ہوئے تھے (ویسے بھی اتنے لمبے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مقصد کا متعین نہ ہونا ناقابل فہم ہے)۔ سلطان المشائخ سے منسوب یہ بیان کہ برادرم نجیب الدین کے پاس جاؤ تمہارا حصہ وہاں

ہے اس کے باوجود بھی پانی پت جناب بوعلی قلندرؒ کے پاس جانا بغرض ملاقات تو سمجھ میں آتا ہے بغرض ارادت سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے یا تو آپ سلطان المشائخ کی ملاقات سے پہلے پانی پت گئے ہونگے اور اگر بعد میں گئے تو محض ملاقات کی غرض سے گئے ہونگے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مخدوم جہاںؒ منیر سے حضرت نظام الدینؒ کی خدمت میں ہی حاضر ہونے کے ارادے سے چلے ہونگے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ چونکہ دہلی سے باہر ایک بستی بنام غیاث پور میں رہتے تھے اس لئے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے پاس حاضر ہونے سے پہلے راستے میں دہلی میں جو شیوخ و علماء نظر آئے ان سے ملاقات کی مگر کسی سے تسلی نہیں ہوئی۔ ہوسکتا ہے کہ سلطان المشائخ سے پہلے پانی پت حضرت بوعلی قلندرؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ہوں مگر اکثر تذکرہ نگار سلطان المشائخ سے ملنے کے بعد شیخ بوعلی قلندرؒ کی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں تو پھر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضری ہوگئی اور وہاں سے یہ فرمان ہوا کہ تمہارا مقدر کہیں اور ہے تو جگہ کا تعین اگر چہ سلطان المشائخ کو ضرور کشف ہوگا مگر طالب کے صدق طلب کو مزید گرم رکھنے کے لئے حضرت مخدوم پر ظاہر نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت مخدوم کی افسردگی اور سفر پانی پت کی بات سمجھ میں آتی ہے اور بالآخر بڑے بھائی کے ہی اصرار پر حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے پاس جانا سمجھ میں آتا ہے۔ یہاں پر لطائف اشرفی کی روایت کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا!

جب حضرت شیخ شرف الدین علوم شریعہ کی تحصیل اور ریاضت اصلیہ فرعیہ کی تکمیل کر چکے تو حضرت سلطان المشائخ کے شرف ملازمت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور ارادت وارشاد کے لئے استدعا کی۔ حضرت سلطان المشائخ نے عالم غیبی اور قضا لاریبی سے استفسار فرمایا اور استغراق میں سر جھکایا پھر فرمایا ''برادرم شرف الدین! تمہاری ارادت وتعلیم سلوک برادرم نجیب الدین سے متعلق ہے تو ان ہی کے پاس جاؤ وہ تمہارے منتظر ہیں اور جب وہ (یعنی مخدوم الملک) شیخ نجیب الدین کے پاس جانے لگے تو حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ فقیروں کے یہاں سے خالی نہ جاؤ تم کو اس خاندان سے صفائی اور سماع مبارک ہو''۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے لطائف اشرفی بھی قدیم تر ماخذ ہے اور اس اعتبار سے مناقب

الاصفیاء سے کمتر نہیں الا یہ کہ مناقب الاصفیاء کے مؤلف خاندان مخدوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہرصورت لطائف اشرفی میں چونکہ مخدوم جہاںؒ کی بوعلی قلندرؒ اور دیگر شیوخ دہلی سے ملاقات کا ذکر نہیں ہے اس لئے اس تحریر سے تشنگی رہ جاتی ہے' چنانچہ روایت مشہورہ سے استفادہ کرتے ہوئے سطور بالا میں جس رائے کا اظہار کیا گیا ہے وہ ہی مناسب اور قابل وثوق نظر آتا ہے۔

صحرانوردی: دہلی سے واپسی کے سفر میں آپ پر ایک حزن کی کیفیت طاری ہوگئی جو دوران سفر بڑھتی ہی رہی۔ بیعت کے وقت اور اس کے بعد کی کیفیت مخدوم جہاںؒ نے خود ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے[۲]:

''من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم ،حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد''۔ یعنی جب میں خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ سے بیعت ہوا تو میرے دل میں ایک حزن کی کیفیت پیدا ہوئی جو ہر روز بڑھتی ہی رہی۔

جب آپ بہیا کے جنگل (ضلع شاہ آباد، آرہ، بہار) میں پہنچے تو ایک مور کی آواز پر یکا یک جذب کی کیفیت طاری ہوگئی اور گریبان چاک کر کے جنگل میں غائب ہوگئے۔ بڑے بھائی نے بہت تلاش کیا مگر نہ ملے۔ چنانچہ بھائی ملول خاطر ہو کر ناچار مخدوم کا سامان لے کر منیر واپس آگئے اور اپنی والدہ کو تمام ماجرا سنایا۔ والدہ کو رنج تو بہت ہوا مگر راضی بہ رضا ہو کر صبر کر لیا۔ بہیا کے جنگل میں آپ نے جو وقت گزارا اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں ایک جگہ یوں لکھا ہے[۳]۔

''ایک تاریک شب میں سخت بارش ہو رہی تھی بادل کی کڑک اور بجلی کی غیر معمولی چمک دل دہلا رہی تھی کہ اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ شفقت مادری سے مجبور ہو کر یکا یک مخدوم الملک کو یاد کر کے رونے لگیں۔ ان کے دل میں یہ بات آئی کہ اس بھیانک رات میں معلوم نہیں میرے بچے شرف الدین پر سنسان جنگل میں کیا گزر رہی ہوگی کہ یکا یک مخدوم الملک اپنے مکان کے صحن میں کھڑے پائے گئے۔ ماں نے بیٹے کو دیکھا تو فرط مسرت سے چیخ اٹھیں۔ بیٹا تمہارا آنا

مبارک ہوتم پانی میں کیوں بھیگ رہے ہواندر چلے آؤ۔ مخدوم الملک نے ماں کوادب سے جواب دیا۔ حضرت میں آپ کی یاد پر ہی آ گیا ہوں لیکن ذرا باہر نکل کر دیکھ لیجئے کہ پروردگار جب اپنے بندے پر مہربان ہوتا ہے تو اسے کوئی چیز تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔ خدا کے حکم سے میں پانی میں کھڑے ہوتے ہوئے بھی نہیں بھیگ رہا ہوں اسی طرح جنگل پہاڑ جہاں بھی رہوں گا اپنے مالک کی مہربانی سے ہر طرح محفوظ اور آرام سے رہوں گا۔ آپ میری طرف سے کچھ متردد نہ ہوں''۔

کچھ دنوں منیر میں قیام کیا اور پھر راجگیر کے جنگل میں چلے گئے۔ اسطرح تقریباً تیس سال بہیا اور راجگیر کے جنگلوں میں رہے۔ کچھ نہیں معلوم کہ وہاں آپ کیا کرتے رہے۔ یہاں کے ریاض ومجاہدے کی تفصیل صیغۂ راز میں ہی ہیں اور رہیں گے۔ روایت ہے کہ کسی نے آپ کو بہیا کے جنگل میں اس طرح دیکھا کہ بدن لاغر ونحیف ہے، عالم تحیر میں ایک درخت سے لگے کھڑے ہیں۔ بدن میں حرکت نہیں۔ چیونٹیوں نے معدہ میں گھر بنالیا ہے اور بلا تکلف حلق سے آجا رہی ہیں[4]۔ اس واقعہ کی کچھ تفصیل مؤلف وسیلہ شرف وذریعہ دولت نے یوں لکھی ہے[5] ''جگدیش پور کے زمیندار کا اس زمانے میں وہاں سے گزر ہوا۔ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں وصال تو نہیں ہو گیا ہے۔ ناک پر انگلی رکھی تو اندازہ ہوا کہ سانس آجا رہی ہے۔ آپ کو اٹھا کر لے گئے اور خدمت کی۔ جب آپ ہوش میں آگئے تو زمیندار نے بہت التجا کی کہ ان کے پاس ہی رہیں آپ نے نہ مانا اور جنگل کے لئے روانہ ہو گئے۔ زمیندار بھی ساتھ ہو گیا مخدوم ہر تھوڑی دور پر اس سے کہتے کہ واپس چلے جاؤ مگر وہ نہ مانتا۔ بالآخر جب سُر وَدھا پہنچے تو بہ اصرار وہاں سے زمیندار کو واپس کر دیا۔ اس جگہ پر آپ کا چلہ اور زیارت گاہ ہے۔ اب اس جگہ جنگل تو نہیں ہے۔ قریب میں ڈمراؤں ایک قصبہ ہے یہاں سال میں ایک بار میلہ لگتا ہے۔ اس میلے میں یہاں کے راجہ (راجہ ہنسکاری) کے عہد سے ۲۵ آسن کو حضرت مخدوم جہاںؒ کا فاتحہ ہوتا ہے۔ اس زمانے کے واقعات کے سلسلے میں جب حضرت مخدوم سے پوچھا گیا کہ جنگل کے قیام کے دوران یہ مشہور ہے کہ آپ نے کچھ نہ کھایا نہ پیا اور نہ بول وبراز کی حاجت محسوس ہوئی تو حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایسا مت کہو کہ جنگل میں کچھ بھی نہ کھایا نہ

راجگیر کے صدر دروازے کا ایک بیرونی منظر جہاں حضرت مخدوم جہاں (علیہ الرحمہ) نے برسوں عبادت و ریاضت کی۔

پیا اور نہ بول و براز کی حاجت محسوس ہوئی بلکہ کبھی کبھار میں جنگل کے پتے اور پھل کھالیا کرتا تھا۔

بہت بعد میں لوگوں نے آپ کو راجگیر کے جنگل میں دیکھ لیا۔ حضرت نظام الدین مولی جو مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے تھے انہیں اس کی خبر ہوئی تو آپ نے بھی راجگیر کے جنگلوں میں حضرت مخدوم سے ملاقات کی اور اب حضرت نظام الدین مولی اور دوسرے معتقدین نے اکثر حضرت مخدوم سے ملاقات کے لئے جنگل میں جانا شروع کر دیا۔ جب مخدوم نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ جنگل درندوں کی جگہ ہے مجھے آپ لوگوں کا یہاں آنا خطرہ سے خالی نظر نہیں آتا۔ میں خود ہی ہر جمعہ کو بہار آجایا کروں گا۔ چنانچہ آپ جمعہ کو تشریف لاتے معتقدین سے ملاقات ہو جاتی اور پھر جنگل میں واپس چلے جاتے۔ بعد میں کبھی کبھار بعد نماز جمعہ ایک دو دن بہار میں ٹھہر جاتے اور پھر جنگل لوٹ جاتے۔ جب یہ سلسلہ بڑھا تو حضرت نظام الدین مولی نے مجد الملک مقطع بہار جو حضرت مخدوم کا عقیدت مند تھا اس سے فرمایا کہ میرے پاس کچھ طیب مال ہے اور میری خواہش ہے کہ اس مال سے حضرت مخدوم کے لئے ایک مکان بنا دیا جائے جہاں وہ قیام کر سکیں اور آرام فرما سکیں۔ چنانچہ مکان بن گیا اور مخدوم جہاںؒ وہاں اب قیام فرمانے لگے۔ جب مکان تعمیر ہو گیا تو ایک روز دعوت کی گئی اور حضرت نظام الدین مولی اور ان کے یاران نے حضرت مخدوم سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ آپ نے ان کے التماس کو قبول فرمایا اور ان سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ ''یارو! تمہاری مجالست نے مجھے اس حد تک پہنچایا کہ اس بتخانہ میں لا بٹھایا''۔

بنائے خانقاہ: سلطان محمد تغلق ۷۲۵ھ میں سر برآرائے سلطنت دہلی ہو چکا تھا۔ بہت ذی علم، مرتاض و پاکباز اور علماء و مشائخ کا قدرداں اور حاکم عادل و رعایا پرور سلطان تھا۔ سلطان محمد تغلق کو جب خبر ملی کہ ایک بزرگ مدتوں جنگل میں رہنے کے بعد اب بہار میں نمودار ہوئے ہیں تو سلطان نے مجد الملک کو ہدایت نامہ بھیجا کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے لئے ایک خانقاہ بنا دو، تحفتاً ایک جانماز بلغاری بھی بھیجی اور راجگیر کا کچھ علاقہ بھی خانقاہ سے متعلق کیا اور مجد الملک کو تاکید کی کہ اگر مخدوم نے عذر کیا تو جبراً قبول کراؤ ورنہ تم سے باز پرس ہوگی۔ مخدوم جہاںؒ کو ان کا قبول کرنا ناگوار تو گزار مگر جس لجاجت سے مجد الملک نے

پیغام سلطان پہنچایا اور پھر عتاب سلطان کا اندیشہ ظاہر کیا تو آپ نے بات مان لی ۔ چنانچہ خانقاہ بن گئی ۔ حضرت نظام الدین مولی اور دوسرے معتقدین نے پہلے ہی آپ کو مسند سجادگی پر بٹھادیا تھا ۔ اب یہ خانقاہ رشد و ہدایت کا مرکز بن گئی[۶] ۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے بہیا کے جنگل میں بارہ سال گزارے ۔ پھر ایک مدت راجگیر کے جنگلوں میں گزاری ۔ مجموعی مدت صحرا نوردی کی تیس سال بتائی جاتی ہے اور ایک روایت کے مطابق یہ مدت چالیس سال ہے ۔ ایک بات تو یہ درست ہے کہ حضرت مخدوم خواجہ نجیب الدین فردوسی سے ۶۹۱ھ میں بیعت ہوئے ۔ یہی سال صحرا نوردی کے آغاز کا ہے ۔ محمد بن تغلق کا زمانہ سلطانی ۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ ہے ۔ اگر خانقاہ مخدوم کی تعمیر سلطان محمد تغلق کے ابتدائی سال میں بھی متصور کریں تو یہ مدت ۳۵ سال بن جاتی ہے ۔ مقالہ مطیع الامام کے مطابق خانقاہ ۷۳۸ھ میں تعمیر ہوئی[۷] ۔ چنانچہ یہ بات درست نظر آتی ہے کہ حضرت مخدوم کی مجموعی مدت قیام ، بہیا کے جنگل اور راجگیر کے جنگل میں اس طرح کہ آپ مخلوق سے مکمل لاتعلق رہے ، تقریباً تیس سال بنتی ہے ۔ جب حضرت نظام الدین مولی (مطبوعہ نسخوں میں نظام الدین مدنی لکھا گیا ہے ، مگر خطی نسخوں میں مدنی کی جگہ مولی ہی مذکور ہے اور یہی درست ہے) اور احباب سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ کا بہار میں آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوا ، یہاں تک کہ خانقاہ بھی ۷۳۸ھ میں تعمیر ہوگئی اور آپ بہار میں مقیم ہوگئے ، یہ مدت بھی مزید دس برس ہوگی ۔ اس طرح اغلب ہے کہ مجموعی طور پر آپ نے جنگل میں چالیس سال گزارے ہونگے ۔

اخبار الاخیار مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں دو باتیں ایسی آگئی ہیں جن میں مصنف سے سہو ہوگیا ہے ۔ ایک بات تو یہ کہ جب مخدوم جہاںؒ دہلی تلاش مرشد میں گئے تو حضرت نظام الدین اولیاؒ کا وصال ہو چکا تھا ۔ دوسری یہ کہ حضرت مخدوم بمقام آگرہ جنگل میں غائب ہوگئے ۔ ابوالفضل نے بھی اکبرنامہ میں یہی لکھ دیا ہے کہ جب حضرت مخدوم جہاںؒ دہلی بیعت کے لئے تلاش مرشد میں آئے تو حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کا وصال ہو چکا تھا ۔ اس مسئلہ پر صاحب سیرت الشرف نے مناسب بحث کی ہے[۸] ۔

لطائف اشرفی کے مصنف نے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اور فرشتہ نے بھی حضرت مخدوم کا حضرت نظام الدین

اولیاء سے برائے بیعت شرف ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کی روایت اس بنا پر زیادہ قابل قبول ہے کہ یہ دونوں حضرات صاحب اخبار الاخیار و ابوالفضل سے بہت پہلے گزرے ہیں اور صاحب لطائف اشرفی حضرت حاجی نظام الدین غریب یمنیؒ مرید و خلیفہ حضرت جناب سید شاہ اشرف جہانگیر سمنانیؒ کا زمانہ تو حضرت مخدوم جہاںؒ سے بہت ہی قریب کا زمانہ ہے۔ ایک بات اور محقق ہے کہ خود مخدوم جہاںؒ نے مولانا ضیا الدین سنامیؒ سے اپنی ملاقات کا ذکر فرمایا ہے۔ مولانا ضیا الدین سنامیؒ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کے ہمعصر بزرگ ہیں اور ان کا وصال حضرت محبوب الٰہی کے حین حیات میں ہوا ہے۔ اسطرح حضرت مخدوم جہاںؒ کے ورود دہلی کے وقت حضرت محبوب الٰہی کا بقید حیات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو اس مسئلہ میں شاید اس لئے اشتباہ ہوا ہوگا کہ حضرت مخدوم جہاںؒ نے ایک بار اور سفر دہلی فرمایا تھا۔ اس سفر کی وجہ یہ تھی کہ راجگیر کے علاقے کو جو محمد شاہ تغلق نے خانقاہ مخدوم کے لئے وقف کر دیا تھا اس کو واپس کرنے کے لئے عہد فیروز شاہ تغلق میں آپ بنفس نفیس دہلی گئے تھے۔ اس وقت بے شک حضرت محبوب الٰہی کا وصال ہو چکا تھا۔ اسی طرح شاید آرہ اور آگرہ میں ان کو اشتباہ ہو گیا ہوگا۔ بہیا جنگل ضلع آرہ (بہار) میں تھا اور یہ آگرہ سے کوسوں دور ہے۔

راجگیر کے جنگلوں میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے صحرانوردی کی بڑی مدت گزاری۔ بہار آجانے کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رکھا۔ راجگیر سے اس طرح حضرت مخدوم جہاںؒ کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں اور آج بھی ان کے آثار موجود ہیں اور زیارت گاہ خلائق ہیں۔ چنانچہ مناسب ہے کہ اس مقام کا کچھ پس منظر بھی بیان کیا جائے اور حضرت مخدوم جہاںؒ کے آثار جو یہاں آج بھی موجود ہیں ان کا ذکر کیا جائے۔

راجگیر بہار شریف سے چودہ (۱۴) میل اور پٹنہ سے ساٹھ (۶۰) میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ ایک تاریخی جگہ ہے[9]۔ اب یہاں پہلا سا جنگل تو نہیں رہا مگر پہلے یہ بہت ہی سرسبز پہاڑی علاقہ تھا۔ یہ پہاڑ کہیں پر بھی ہزار فٹ سے بلند نہیں۔ عظیم الشان پتھروں سے یہ پہاڑ بنا نظر آتا ہے اور یہاں گھنی جھاڑیاں ہیں۔ یہ تاریخی علاقہ ہے اور مختلف مذاہب کے مرتاض لوگوں کا یہاں بسیرا رہا ہے۔ تاریخی دور میں بم بسیار کے دوران حکومت (جلوس: ۵۴۶ ق م) اور اس کے بیٹے اجات شترو (جلوس: ۴۹۴ ق م) راجگیر کا نام "راج گیری"

تھا جس کے معنی شہر شاہی یعنی پایہ تخت کے ہوتے ہیں۔ان ہی دونوں بادشاہوں کے زمانے میں گوتم بدھ اکثر راجگیر آیا کرتے تھے اور وہاں قیام بھی کرتے تھے۔ بم بسیار نے ایک بنسواڑی (بانسوں کا جنگل) اس شہر کے نزدیک اس کو بخش دی تھی۔ان کو آمدنی اس سے ملتی تھی اور ایک مدت تک وہاں رہے۔ یہی بادشاہ تھا جس نے جین مذہب کو نیا روپ دینے والے رہنما مہاویر کے معتقدین کی بھی سرپرستی کی۔ کہا جاتا ہے کہ جب گوتم بدھ مرے تو اجات شترو نے اس کی خاک کو وہیں دفن کیا اور بدھ مذہب کے ماننے والوں کا پہلا اجتماع راجگیر شہر میں ہوا تھا۔ مسلمانوں کے بہار آمد سے پہلے برہمن مذہب نے یہاں زور پکڑ لیا تھا اور بدھ مذہب والے یہاں نہیں رہے تھے۔ برہمن مذہب میں بت پرستی عام تھی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اس سے متعلق کچھ معلومات کا ذکر کیا ہے۔معدن المعانی باب تینتیس (۳۳) میں اس کا ذکر موجود ہے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے راجگیر کے جنگلوں میں جو اتنا وقت گزارا تو شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ:

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

مورخین نے جو نقشہ راجگیر کا کھینچا ہے تو بیشک مظاہر قدرت کی بے نقابی نے اس کو پرکشش ضرور بنا دیا ہوگا۔ صاحب گل فردوس حضرت جناب سید شاہ امین احمد فردوسیؒ نے اس جگہ کی کیا خوب منظر کشی کی ہے[10]:

راجگیر آن کہ بفرحت دل کشمیر بود — کش بہ فتراک دل خلق چوں نخچیر بود
ز آب حیواں لطافت خضرش شوئیدست — جاے سبزہ ہمہ جا مہر گیا روئیدست
بارک اللہ چہ جائے ومقامے اشگرف — بے زبانان ہمہ گویند سخن حرف بحرف
سبزہ زارش ہمہ در دیدہ ضیائے بصرست — مرغزارش تو بگوئی ہمہ باغ نظر است
نکہت تازہ ریاحینش نیاید بہ بیان — ہر گیاہش بہ شمیم است بہ از عنبر وباں
برگ ریزش چو شود نخل ز باد صرصر — قوت نامیہ استادہ بود بستہ کمر

کشت اوسنبلہ آرد ہمہ پروین و پرن | تریش گل بدماند ہمہ نسرین وترن
ہرنہالش کہ بصحراست چہ شاخ است وچہ برگ | از حصاۃ ست بہر برگ درافتادہ تگرگ
ہر سحر نالہ کناں بلبل بستانی ہا | بلبل آں گل رعناز پر افشانی ہا
کوہ وہامونش چواز باغ ارم دید نمو | شدثنا خوانش گہے جامی وگاہے خسرو
قمری و بلبل و دراج بدستاں باہم | برشجرزمزمہ خواں مرغ خوش الحاں باہم
پیش اودر کمر سنگ بزیرہر کوہ | چشمہ ہا چشمہ حیواں صفت و بحر شکوہ

راجگیر میں حضرت مخدوم جہاںؒ سے منسوب جو یادگاریں ہیں وہ آج بھی مرجع خلائق ہیں، بحوالہ سیرت الشرف اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے!!:

''پہاڑ کے دامن میں گرم چشمے کے نزدیک حضرت مخدوم کا حجرہ ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کی صناعی ہے۔ بڑے بڑے پتھر دیوار کی صورت میں چاروں طرف کھڑے ہیں اور ایک دوسرے میں پیوست اور اس کے سامنے ایک لانبا پتھر معلق چھت کی مانند ہے۔ اس پتھر کی دیوار اس طرح پیوست ہے کہ ایک چھوٹا دروازہ آمدورفت کے لئے بن گیا ہے۔ وہ پتھر بالکل معلق ہے اور اس قدر بڑا اور مضبوط ہے کہ کسی فرد وبشر کے بس میں نہیں کہ جس صورت میں وہ پتھر رکھا ہے رکھ سکے۔ اس کو سات سو سال گزر چکے ہیں بغیر خارجی اسباب کے قائم ہے۔ ۱۱۵۴ھ میں یعنی چار سو سال بعد اس حجرہ کے در کے قریب ایک چھوٹی سی کوٹھری بن گئی ہے اور دست قدرت نے اپنی حکمت سے اس میں مشرق کی جانب ایک دریچہ سا پیدا کر دیا ہے جس سے آفتاب کی روشنی اندر پہنچتی ہے اور حجرہ کو روشن رکھتی ہے۔ اس حجرہ کی دیواریں اتنی بلند نہیں کہ ایک شخص کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکے۔ اسی گوشے سے ملحق تھوڑی دور پہاڑ کے اوپر جا کر تھوڑی سی مسطح جگہ ہے۔ اس کے سامنے پچھم جانب لوگوں نے ایک پختہ دیوار قائم کر دی ہے اور وہ جگہ اس طرح پر اب قناتی مسجد بن گئی ہے جس میں تین چار

نمازیوں کی صفیں قائم ہوسکتی ہیں۔ مخدوم اکثر شب کو اسی جگہ تسبیح و تحلیل میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اس قدرتی مسجد کا فرش بالکل سنگی ہے جس کی وجہ سے گھاس وغیرہ بھی اس جگہ نہیں اگتی اور وہ جگہ ہر فصل میں صاف اور ستھری رہتی ہے۔ وہاں سے جنگل کا بہت دور تک نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مخدوم کے حجرہ کے بالکل نیچے دوسرا حجرہ ہے جسے ان کے مرید و خلیفہ مولانا مظفر شمس بلخیؒ کا حجرہ کہتے ہیں اور ان کے حجرہ کے نیچے ایک چشمہ پہاڑ سے نکل کر ایک حوض میں گرتا ہے۔ اس حوض کو مخدوم کنڈ کہتے ہیں''۔

راجگیر میں اقامت کے دوران مخدوم جہاںؒ کی ملاقات کبھی کبھار ہندو ریاضت گزاروں سے جنہیں جوگی کہتے ہیں ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک جوگی نے آپ سے دریافت کیا کہ سدھا (یعنی مرد کامل) کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اس جنگل کو کہے کہ سونا ہو جا تو سونا ہو جائے۔ آپ کی زبان سے یہ بات نکلی ہی تھی کہ جنگل سونا ہو گیا۔ آپ نے جنگل سے فرمایا میں تو صرف بات کہہ رہا تھا اپنی حالت پر لوٹ جاؤ[12]۔ اور بھی چند واقعات اس زمانے کے مشہور ہیں جو کرامت کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان کا ذکر بعد میں ہوگا۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے اظہار کرامت کے واقعے بالعموم اکراہ کرامت کے طور پر مذکور ہیں۔ یہ آپ کی بڑی شان ہے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کو خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ نے جو خلافت نامہ دیا تھا اس میں بڑی کڑی شرطوں پر عمل کرنے کی ترغیب تھی اور اس میں گرسنگی کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ قدرت نے بھی یہ خوب اہتمام فرمایا کہ ادھر بیعت ہوئے اور پیر کے احکام پر عمل شروع ہو گیا۔ صحرانوردی شروع ہو گئی۔ صحرانوردی کے درمیان کھانے پینے سے کوئی سروکار ہی نہیں رہا۔ کبھی کبھار جنگل کے پتے یا پھل کھا لئے تو کھا لئے ورنہ کھانے پینے سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ نیچے خلافت نامہ کی نقل درج کی جاتی ہے۔

خلافت نامہ: خلافت نامہ بعنوان ''وصیت نامہ'' جو حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ نے حضرت مخدوم جہاںؒ کو عطا فرمایا تھا اس کا متن درج ذیل ہے (اصل عبارت تو ظاہر ہے فارسی میں تھی یہاں پر

حجرۂ مبارک حضرت مخدوم جہاں (علیہ الرحمہ) کا بیرونی حصّہ

ترجمہ ماخوذ از تاریخ سلسلہ فردوسیہ پیش کیا جارہا ہے) ۱۳۔

''اے عزیز! یہ بات بڑے غور وفکر کے بعد ظاہر ہوتی ہے کہ ترک خودی میں مشغولیت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں مشغول رہنا غلطی ہے۔ انسانی حرکات وسکنات اقوال اور افعال ہی سے انسانی خواہشیں پیدا ہوتی ہے۔ کھانا، سونا، بولنا، میل جول پیدا کرنا، سننا، دیکھنا وغیرہ انسانی طبیعت کا اقتضا ہے لیکن یہ تمام ضرورت بھر ہونی چاہئیں۔ اگر ضرورت سے زیادہ ہو تو حق سے دوری ہو جاتی ہے اس لئے دن رات اس خیال میں رہنا چاہئے کہ خودی میں سے کیا چیز باقی رہ گئی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے فضل سے خودی سے بالکل چھٹکارہ ہو جائے۔ اگر بال برابر بھی خودی باقی رہ گئی تو حجاب باقی ہے۔ جب تک اس سے فراغت حاصل نہ ہو جائے دوسرے کام میں مشغول ہونا صحیح نہیں کیونکہ خودی سے چھٹکارا پانے سے پہلے کسی کام میں مشغول ہونا شیطنت ہے اس لئے کسی حال میں دوسرے کام کی مشغولی نہیں ہونا چاہئے مجاہدہ اور ریاضت نفس اس طرح ہونا چاہئے کہ خودی فنا ہو جائے اور انتہائی درجے کا تقویٰ حاصل ہو اور بشریت کی پوری صفائی ہو جائے کسی وقت بے وضو رہنا درست نہیں اگر چہ آدھی رات جاڑے کا موسم اور ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو وضو کے بعد دو رکعت نماز کسی حال میں فوت نہیں ہونا چاہئے۔ کھانا کھانے اور پانی پینے سے صرف تین چیزوں کی بقا ہوتی ہے۔ حیات، عقل اور قوت۔ کھانا اس وقت تک ترک کرتے رہنا چاہئے جب تک حیات اور عقل میں خلل پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ خشک روٹی خشک چاول یا خشک کھچڑی جو کچھ بھی مل جائے اندازے سے کھالیا جائے سالن ترکاری وغیرہ کے پھیر میں نہ رہے۔ اسی طرح پانی پینا بھی ترک کردے یہاں تک کہ اس کو جب معلوم ہو کہ زندگی یا عقل میں خلل پڑے گا اس وقت تھوڑا سا پانی جو صرف حلق تر کرنے کو ہو پی لے تاکہ پیاس بجھ جائے لیکن قوت کے کم ہونے کی وجہ سے ہرگز نہ کھائے نہ پئے اور قوت کے زائل ہونے کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے اور یہ بات توجہ سے معلوم ہو سکے گی کہ کھانے کی وجہ سے کتنے دنوں میں زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا خوف پیدا ہوگا۔ اور جب یہ تجربے سے معلوم ہو تو اس

کالحاظ رکھے۔ رات اور دن میں کسی وقت نہ سوئے اور نماز قرآن کی تلاوت کتاب کے مطالعے سے نیند کو دور کرے اس کام کا تمام دارومدار اس پر ہے کہ رات اور دن میں کسی وقت نہ لیٹے بلکہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر رات گزارے۔ کسی شخص سے بات چیت نہ کرے البتہ سائل کا جواب دے سکتا ہے لیکن سائل اگر عالم ہو تو اس کا جواب نہ دے بلکہ کبھی علمی جواب میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں لیکن اگر جواب علمی نہ ہو تو اس کے متعلق مختصر گفتگو کرے اور صرف ضروری بات کہے اور وہ بھی اس وقت جب بجز بولنے کے کوئی اور چارہ نہ ہو تو جو کچھ ہو سکے گفتگو کرے لیکن خود کوئی بات نہ کہے کسی کے ساتھ بالکل ملاقات نہ کرے اور میل جول نہ کرے اور ایک خالی گوشہ میں بیٹھا رہے اور جو چیز موجود ہو اس کو باقی رہنے دے۔ اپنے کام کے لئے اپنے گوشے سے باہر نہ نکلے اور کسی کو اپنے پہلو میں آنے کی اجازت نہ دے۔ ہمیشہ نظر نیچے زمین کی طرف رکھے دائیں بائیں نہ دیکھے۔ کسی کی بات نہ سنے اور نہ اس کی کوشش کرے کہ دوسرا کیا کہتا ہے دل کو عمداً اور قصداً کسی چیز میں نہ لگائے۔ کوئی بات کان میں پڑے اور سمجھ میں نہ آئے تو اس کی فکر بھی نہ کرے ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کھالے اور پانی پی لے کوئی چیز اس لئے نہ کھائے کہ وہ موجود ہے کیونکہ اس طرح محض خودی کا پابند ہونا ہے۔ دوپہر کے وقت روزانہ قضائے حاجت کے لئے جائے اور اگر کم کھانے کی وجہ سے اس کی ضرورت نہ ہو تو بہتر ہے لیکن اس سے زیادہ نہ جائے اور وقت ضائع نہ کرے اگرچہ اس کی ضرورت محسوس ہو اور وضو مشکوک ہو۔ یہاں تک کہ اس کی عادت ہو جائے اور تمام وقت ایک کمبل کے سوا اور کچھ نہ اوڑھے لیکن جاڑے کے دن میں آستین والا لبادہ خرقے کے اوپر پہنے اور اس پر دن ہو یا رات کسی چیز کا اضافہ نہ کرے۔ کسی کے آنے جانے بولنے اور کام کرنے پر ناخوش نہ ہو اور نہ کوئی اعتراض کرے۔ یہ معلوم نہ ہونے دے کہ اس کو ظاہراً و باطناً کسی چیز سے انکار ہے خواہ سر پر آگ ہی کیوں نہ برسے۔ لیکن چون و چرا نہ کرے اور نہ اپنے میں کمیت اور کیفیت ظاہر ہونے دے یہاں تک کہ اس کو مقام وحدت اور حال و ذوق حاصل ہو جائے۔ سماع کے وقت جہاں تک ممکن

ہو آبدیدہ نہ ہو اور جسم کو حرکت نہ دے یہاں تک کہ مغلوب ہو جائے اور اپنی حفاظت آپ نہ کر سکے لیکن سماع میں احوال کے ظاہر ہونے سے بڑی آفتیں ہیں انکا چھپانا بہت اہم باتوں میں سے ہے۔ قلب اور دل پر جتنی بھی آگ برسے اسکی خبر نہ ہو اور یہی وہ مقام عظیم ہے جو بڑی مشقت بڑے مجاہدے اور بے انتہا ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے تم اپنی طرف سے کوشش کرو خدا عطا کرے گا۔ برسوں کے بعد مشقت اٹھانے والے کو راستہ ملتا ہے اور اگر یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے

کار نازک بتان رعنا نیست

سنگ زیرین آسیا بودن"

حضرت مخدوم جہاںؒ کی زندگی پر نظر ڈالئے تو آپ دیکھیں گے کہ اس وصیت نامہ پر آپ نے کس طرح مکمل طور پر عمل کیا۔ امداد غیبی نے زمانہ صحرانوردی میں اس وصیت پر مکمل مشق کرادی اور پھر تمام عمر اس پر سختی سے کاربند رہے۔

شجرہ بیعت: حضرت مخدوم جہاںؒ کا شجرہ بیعت درج ذیل ہے [14]۔ مخدوم جہاںؒ نے پیروں کے شجرہ کو یاد کرنے کی تلقین کی ہے اور ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی ہدایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کو کوئی حاجت درپیش ہو تو پہلے دو رکعت نماز پڑھ کر شجرہ کو پڑھے اور ان پیروں کو شفیع لائے اور دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرمائیں گے۔ آپ نے شجرہ بیعت جو خود لکھوادیا وہ ہی یہاں لکھا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی بحرمت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ

الٰہی بحرمت خواجہ رکن الدین فردوسیؒ

الٰہی بحرمت خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ

الٰہی بحرمت خواجہ سیف الدین باخرزیؒ

الٰہی بحرمت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ

الٰہی بحرمت خواجہ ضیائدین ابونجیب سہرودیؒ

الٰہی بحرمت خواجہ وجہ الدین ابو حفصؒ

الٰہی بحرمت خواجہ محمد عبداللہ المعروف بعمویہؒ

الٰہی بحرمت خواجہ احمد سیاہ دینوریؒ

الٰہی بحرمت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ

الٰہی بحرمت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادیؒ

الٰہی بحرمت خواجہ سری سقطیؒ

الٰہی بحرمت خواجہ معروف کرخیؒ

الٰہی بحرمت امام علی رضاؒ

الٰہی بحرمت امام موسیٰ کاظمؒ

الٰہی بحرمت امام جعفر صادقؒ

الٰہی بحرمت امام محمد باقرؒ

الٰہی بحرمت امام زین العابدینؒ

الٰہی بحرمت امیر المومنین حسینؓ

الٰہی بحرمت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ

الٰہی بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب القریشی صلی اللہ علیہ وسلم

اوپر لکھے گئے ناموں کے تلفظ کے سلسلے میں بعض میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ صاحب مناقب الاصفیاء نے لفظ عمویہ کو عموبہ لکھا ہے اور عموبہ کا تلفظ یوں بتایا ہے۔ عین کو زبر، میم کو پیش، واؤ ساکن، ب کو زبر اور ہ ساکن یعنی اَعْمُوْبَہ۔ فرماتے ہیں لفظ عموبہ علوبہ کے وزن پر مشہور ہے۔ وجہ الدین ابو حفصؒ کے تلفظ میں بھی اختلاف ہے۔ مناقب الاصفیاء کے تازہ ترین نسخہ میں وجیہ الدین ہے۔

احوال خواجہ نجیب الدین فردوسی ۱۵: حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ حضرت مخدوم جہاںؒ کے مرشد ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کی آپ سے بیعت ہونے کی تفصیل تو پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت خواجہ کے حالات زندگی گوشہ گمنامی میں ہیں۔ شاید یہی آپ کی کرامت تھی۔ آپ نے جو وصیت نامہ حضرت مخدوم جہاںؒ کو لکھ کر دیا تھا اور جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی ہدایت پر لکھا گیا تھا، ظاہر ہے کہ آپ خود بھی اس پر کاربند رہے ہوں گے اور آپ کا مخلوق سے دور رہنا اسی کا نتیجہ ہوگا۔ اگرچہ آپ کی بزرگی تو سبھوں پر عیاں تھی مگر آپ نے شاید اپنا حلقۂ ارادت بڑھنے نہیں دیا۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے ماسوا آپ کے مشہور مریدوں میں صرف ایک نام ملتا ہے اور وہ ہیں فتاویٰ تاتارخانی کے جامع مولانا عالم اندپتی (مناقب الاصفیاء میں اندپتی لکھا ہے مگر تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں ابدھنی لکھا ہے)۔

آپ حضرت رکن الدین فردوسیؒ کے علاتی بھائی تھے اور انہی سے ارادت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کے والد کا نام شیخ عماد الدین فردوسی تھا اور آپ کی والدہ سید امیر خورد کی صاحبزادی ایک ولیہ کاملہ تھیں۔ آپ نے ہی حضرت نظام الدین اولیاؒ کے بچپن میں یہ فرمادیا تھا کہ آگے چل کر دہلی میں یہ بڑا نام پیدا کرے گا اور اس کی بزرگی اور شیخی کی دھوم ہوگی[16]۔

حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کو صاحب مناقب الاصفیاء نے سر حلقہ مجردان، سرور مفرداں، مرجع اہل صفا، سرچشمہ مردان خدا لکھا ہے۔ آپ نے گمنامی اختیار کی اور اولیائی تحت قبائی (یعنی میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں) پر عمل پیرا تھے۔ آپ کے معاصرین میں بڑے بڑے مشائخ اور بزرگ تھے اور سبھی آپ کی بزرگی کے معترف تھے۔ اس کے باوجود آپ کا ہر طرح کی شہرت اور اسباب شہرت سے گریز بہت بڑی کرامت ہے۔ آپ کا وصال ۶۹۱ھ میں ایک سو اکیس برس کی عمر میں ہوا۔

سلسلہ فردوسیہ، وجیہ تسمیہ[17]: فردوسیہ کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں دو روایتیں مشہور ہیں۔ اوّل تو یہ ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ اور شیخ علاء الدین طوسیؒ کے درمیان رشتہ اخوت تھا۔ دونوں بہت مرتاض تھے مگر کشود کار نہیں تھا۔ ایک دن دونوں حضرت ضیاء الدین ابو نجیبؒ کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ ایک مدت سے مجاہدہ کر رہے ہیں مگر ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوا۔ آپ بتائیں کہ کیا کریں۔ حضرت ضیاء الدینؒ نے فرمایا ہمارا بھی یہی حال ہے۔ چلئے حضرت خواجہ وجیہ الدین ابو حفصؒ کے پاس چلتے ہیں۔ حضرت خواجہ وجیہ الدین ابو حفصؒ کے پاس یہ تینوں بزرگ تشریف لائے اور ان سے بیعت ہوگئے۔ بیعت کے بعد حضرت وجیہ الدین ابو حفصؒ نے حضرت ضیا الدین ابو نجیبؒ کو اور حضرت علاء الدین طوسیؒ کو خلافت دے دی اور کہا آپ حضرات اپنے اپنے علاقے میں جاکر تبلیغ دین کریں۔ اور حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو تعلیم کے لئے حضرت ضیاء الدینؒ کے سپرد کر دیا۔ چند مہینوں کے بعد حضرت ضیاء الدین ابو نجیبؒ نے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو خلافت دے دی اور فرمایا کہ شما مشائخ فردوس ہستید یعنی تم لوگ مشائخ فردوس ہو[18]۔ اس

طرح نجم الدین کبریٰ ؒ سے جو سلسلہ بیعت جاری ہوا وہ فردوسیہ سلسلہ کہلایا۔ اخبار الاخیار میں بھی اس سے ملتی جلتی روایت ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت رکن الدین فردوسیؒ جس محلے میں رہتے تھے اسے فردوس کہتے تھے۔ اس مناسبت سے وہ رکن الدین فردوسی مشہور ہوئے اور ان سے متعلق سلسلہ بیعت فردوسیہ کہلایا (یہ تو اخبار الاخیار تصنیف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی روایت ہے)۔ تاریخ سلسلہ فروسیہ کے مطابق حضرت بدرالدین سمرقندیؒ نے سب سے پہلے اپنے مرید رکن الدین فردوسیؒ کو فردوسی کا لقب دیا جیسا کہ جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسیؒ نے گل فردوس میں اس روایت کو منظوم کیا ہے[19]:

محرمے را کے بسے محرمے درگاہست	ایں نشانیش بود ذالک فضل اللہ
اگر ایں فضل نہ بودے بحق رکن الدین	سہروردی ہمہ راکندہ شدے نقش ونگیں
نجمی و کبروی و اہل ضیامی گفتند	یا کہ شطار طریق ایں ہمہ رامی گفتند
گشت از فضل خداوند چو او فردوسی	گشتم ازیمن طفیلش من وتو فردوسی

سلاسل کے نام کے سلسلہ میں یہ نظر آتا ہے کہ کبھی تو اکابر سلسلہ کے اصلی یا توصیفی نام سے سلسلہ منسوب ہوجاتا ہے مثلاً قادریہ، مجددیہ، یا کبھی اکابر سلسلہ کے وطن سے منسوب ہوجاتا ہے مثلاً چشتیہ، سہروردیہ، یا کبھی کسی ذوقی معنی کو اختیار کرلیا جاتا ہے۔ یہ تیسری شکل کم ہوتی ہے شاید سلسلہ فردوسیہ اسی نسبت سے نام رکھا گیا ہو۔ بہرصورت یہ سلسلہ سہروردیہ کے شاخ کے طور پر حضرت نجم الدین کبریٰ ؒ کے واسطے سے ہی اپنی شناخت رکھتا ہے۔

مشرب سلسلہ فردوسیہ: ہر طریقہ تعلیم کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اسی نسبت سے متعلم اپنے کو سنوار لیتا ہے اور یہ اس کی شناخت ہوجاتی ہے۔ تمام سلاسل طریقت تو بس طلب حق کی رہنمائی کرتی ہیں۔ اس لئے مقصد کے اعتبار سے تو سب ایک ہیں مگر طریقہ تعلیم میں مزاجاً کچھ فرق ہوتا ہے اور اس سے اس کی شناخت ہوجاتی ہے۔ سلسلہ فردوسیہ کی تعلیم کے رہنما اصولوں پر صاحب مناقب الاصفیاء نے 'تمہید مؤلف' میں اظہار خیال کیا ہے اور حضرت نجم الدین کبریٰ نے، جو اس سلسلہ کی شناخت ہیں، ایک تحریر

بعنوان 'رسالہ' لکھا تھا جو اس سلسلہ کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ پہلے مقدمے سے کچھ اقتباس پیش کیا جاتا ہے [20]:

''سلسلہ فردوسیہ کے ان مشائخ عظام کے غلاموں اور متوسلین کی روش، ان کا اعتقاد اور ان کا طریقہ بھی دوسروں کی روش اور طریقہ سے بالکل مختلف ہے اور ممتاز ہے۔ جو ان مشائخ میں سے کسی ایک سے بھی ظاہری، معنوی نسبت رکھتے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے اور ان کی روش اور اعتقاد کے متعلق کون کلام کر سکتا ہے۔

ذرہ بود بخورشید رسید　　قطرہ بود بدریا پیوست

(وہ ایک ذرّہ تھا خورشید تک اس کی رسائی ہوگئی۔ وہ تو ایک قطرہ تھا جو دریا میں مل گیا)۔ وہ لوگ جو ظاہری طور پر ان اکابرین سے وابستہ ہو گئے ہیں اور تقلید پر اعتقاد رکھتے ہیں انہوں نے بھی اپنے حسن اعتقاد کے بلّے سے سعادت و نیک بختی کے گیند کو ارادت کے میدان میں آگے بڑھا دیا ہے۔

معلوم ہے اعتقاد کیا ہے؟ اعتقاد لغت میں اس بات کو کہتے ہیں جو محبت کی وجہ سے دل میں آجائے اور قرار پکڑ لے۔

صوفیائے کرام کی جماعت میں پیر سے محبت یہ ہے کہ مرید کے دل میں پیر کی محبت پیدا ہو جائے۔ اس کا دل پیر کی عظمت کی طرف متوجہ و مشغول ہو جائے یعنی پیر کی عظمت مرید کے دل پر پوری طرح بیٹھ جائے اور اس کی توجہ پیر ہی کی طرف ہو یہ ایک خاص لطیفہ ہے جو خدا کی طرف سے کسی صاحب دولت یعنی قسمت والے کو ہی عنایت ہوتا ہے۔ جس کو اس اعتقاد کی دولت ہاتھ آئی اس کو سب کچھ بھی مل گیا۔ اور جو اس سے محروم رہا اس کو کچھ بھی نہیں ملا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعتقاد کی شان میں فرمایا ہے (ترجمہ: ابو بکر کو تم لوگوں میں جو فضیلت حاصل ہے وہ نماز اور روزہ کی کثرت کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ اس نعمت عظمٰی کی وجہ سے ہے جو ان کے دل کو حاصل تھی یعنی محبت و عظمت رسول کا نیر تاباں ان کے افق دل پر درخشاں تھا)۔

معلوم ہوا کہ طالبوں کے مقصد کی انتہا مریدوں کے مطلوب کا خلاصہ، دولت ابدی کا مرکز،

سعادت سرمدی کا سرمایہ بس یہی اعتقاد ہے اور اس کے مراتب و درجات کی کوئی انتہا بھی نہیں ہے۔ ان صدیقوں کے وابستگاں کی روش کا مطالعہ کرنے اور اس سے متعلق جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس کو پڑھنے سے ان کے اعتقاد کا ادنیٰ درجہ معلوم ہو جائے گا۔ اس سلسلہ کے اکابرین کے غلاموں کی یہ روش ہے کہ وہ پیر کو اللہ کا خلیفہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام تصور کرتے ہیں۔ اور جو حسن ادب نبی علیہ ﷺ کے لئے جائز سمجھتے ہیں وہی پیر کے ساتھ برتتے ہیں۔ شرعی امور میں بھی پیر کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرتے اور پیر کو ہی اپنی نجات کا ذریعہ جانتے ہیں۔ ان کو امام ابوحنیفہ کے اقوال اور امام شافعی کے مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ مذہب کو اختیار کرنے میں مرید کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے کفر ایمان اور دین و مذہب سب کو پیر کی بارگاہ ارادت میں اس طرح ڈال دے کہ وہ مفلس و بے مایہ ہو کر رہ جائے۔......

اب یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بات طے ہوگئی کہ مرید کو پیر کے مذہب پر ہونا چاہئے تو پھر پیر کس مذہب پر ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پیر بشری عقل اور انسانی وہم وگمان کی پہنچ سے پرے ہوتا ہے۔ پیر کے معاملات عقل وسمجھ کے ترازو پر تولے نہیں جاسکتے۔ پیر کے اعمال وافعال بے وقعت اور معمولی نہیں ہوتے بلکہ ان کے بارے میں تو ارشاد خداوندی ہے کہ "میں ان کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور میں ان کا کان بن جاتا ہوں"۔ ان کے معاملات کا تعلق ہی دوسرے عالم سے ہے۔ یہ تو محققانہ جواب ہوا لیکن عوام کو مطمئن کرنے کے لئے یہ جواب دیا جائے گا کہ پیر بھی تو کسی کے مرید ہوتے ہیں اور ان کے بھی کوئی پیر ہوتے ہیں۔ دین و مذہب کے اصول اور فروع میں وہ پیر اپنے پیر کی اتباع و پیروی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ عوام کا یہ خیال کہ پیر چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کے متبع ہوتے ہیں بالکل غلط ہے ہرگز ہرگز ایسی بات نہیں۔ پیر جب کشف ومشاہدہ کی منزل میں ہوتے ہیں تو پھر ان کے لئے علمائے ظاہر کی اتباع جائز نہیں ہے اور یہی سلف صالحین یعنی اگلے بزرگوں کی روش بھی ہے

(اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے)۔قوت القلوب میں آیا ہے کہ بزرگان سلف کی یہ روش رہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان پر معرفت اور علم الیقین کا انکشاف فرماتے ہیں تو علماء میں سے کسی کی بھی پیروی اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے لیکن فروعی مسائل میں احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے کبھی ان کا عمل امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہو جاتا ہے اور کبھی امام شافعی کے قول سے مطابقت ہو جاتی ہے''

اب حضرت نجم الدین کبریٰ ؒ کی تصنیف رسالہ سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اقباس تاریخ سلسلہ فردوسیہ سے ماخوذ ہے [۲۱]۔

''طریق الی اللہ کی تعداد بے شمار ہیں لیکن ان کو تین قسموں میں محصور کیا جا سکتا ہے۔ پہلا طریق ارباب معاملات کا ہے یعنی جو لوگ بکثرت روزہ نماز اور حج وتلاوت قرآن اور جہاد وغیرہ اعمال ظاہرہ بجالاتے ہیں۔ یہ راستہ اخیار کا ہے اور اس راستے سے تھوڑے لوگ بہت مدت میں پہنچتے ہیں۔ دوسرا راستہ اہل مجاہدہ اور ریاضت کا ہے جو درستی اخلاق، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب اور روح کے روشن کرنے اور باطن کے تیار کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ راستہ ابرار کا ہے اور بہ نسبت پہلے گروہ کے اس راستے سے زیادہ لوگ پہنچتے ہیں مگر یہ لوگ نادر ہیں جیسے کہ ابن منصور نے ابراہم خواص سے دریافت کیا کہ تم کس مقام کی سیر کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں تیس برس سے مقام توکل کی ہوا کھا رہا ہوں ابن منصور نے کہا افسوس تم نے اپنی عمر تعمیر باطن ہی میں برباد کر دی پھر فنا فی اللہ کب حاصل کرو گے۔ تیسرا طریقہ خدا کی طرف جانے والوں اور خدا کے ساتھ پاک ہونے والوں کا ہے۔ یہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو انتہا میں واصل ہوتے ہیں یہ پسندیدہ راستہ موت ارادی پر مبنی ہے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اپنے مرنے سے پہلے مر جاؤ''۔ یہ طریقہ دس اصول پر موقوف ہے:

(۱) پہلا توبہ ہے یعنی بالا ارادہ خدا کی طرف رجوع ہونا جیسے کہ موت رجوع بغیر ارادہ ہے۔ خداوند تعالیٰ ارواح سے خطاب فرماتا ہے۔ ترجمہ: یعنی اے روح اپنے پروردگار کی طرف رجوع

کر جا۔ توبہ سے یہ مطلب ہے کہ گناہوں یعنی دنیا و آخرت کے مراتب سے جو حجاب ہیں باہر آجائے۔

(۲) دوسرا زہد ہے یعنی دنیاوی اسباب مال و جاہ اور تمام خواہشات تھوڑی ہوں یا بہت باز آجانا جیسے موت کے وقت انسان ان سب سے جدا ہو جاتا ہے اور زہد کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کو ترک کر دے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اہل آخرت پر دنیا اور اہل دنیا پر آخرت حرام ہے۔

(۳) تیسرا توکل ہے یعنی خدا پر بھروسہ کرنا اور تمام اسباب وکسب کو خدا کے اعتماد پر چھوڑ دینا جیسا کہ موت کے ساتھ تمام باتیں چھوٹ جاتی ہیں اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کو کافی ہوتا ہے۔

(۴) چوتھا قناعت ہے یعنی تمام شہوات نفسانیہ اور لذات حیوانیہ سے اس طرح جدا ہو جانا چاہئے جیسے موت کے ساتھ جدا ہوتے ہیں۔ ضروریات انسانی پر اکتفا کر کے کھانے اور کپڑے وغیرہ کی فضول خرچی کو چھوڑ دینا۔

(۵) پانچواں عزلت ہے یعنی لوگوں سے با اختیار خود بغیر کسی قسم کی مجبوری کے علیحدہ ہو جانا اسطرح کہ گویا مر کر جدا ہو گیا ہے اور مرشد جو اس کو تربیت کرنے اور خدا سے ملانے والا ہے اسی کے آگے اس طرح بے اختیار ہو جانا جس طرح میت نہلانے والے کے اختیار میں ہوتا ہے نہلانے والا جس طرح چاہے اس کو الٹ پلٹ کرے اسی طرح مرشد بھی مرید کو ولایت کے پانی سے نہلا کر خدا سے بیگانگی کی ناپاکی اور حدوث کے میل کچیل سے پاک کر دیتا ہے۔ عزلت کا اصل اصول یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر اپنے حواس دنیاوی باتوں سے بند کر لے کیونکہ روح کو تمام آفت حواس خمسہ ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہے اور نفس قوی ہو کر روح کو اسفل السافلین میں دھکیل دیتا ہے اور اسپر غالب ہو جاتا ہے جب حواس کو بند کیا گیا تو گویا نفس محاصرہ میں آگیا۔

(۶) چھٹا ذکر کی پابندی ہے یعنی خدا کو یاد رکھنا اور باقی سب کو بھول جانا۔ خدا فرماتا ہے: ترجمہ

یعنی خدا کو یاد کر جب اسکے سوا سب کو بھول جائے۔ جیسے کہ موت کے ساتھ اور یہ ارشاد فاذکرونی اذکرکم کے مطابق ذاکر مذکور سے بدل جاتا ہے۔ ذاکر ذکر میں فنا ہو کر مذکور باقی رہتا ہے اور ذاکر کا خلیفہ ہوتا ہے۔ جب تم ذاکر کو طلب کرو تو مذکور کو پاؤ گے۔ اور جب مذکور کو طلب کرو تو ذاکر کو پاؤ گے۔ جب تم نے اس کو دیکھا تو گویا مجھ کو دیکھا اور جب مجھ کو دیکھا تو گویا اس کو دیکھا۔

(۷) ساتواں طریقہ یہ ہے کہ ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو جائے اور غیر خدا کی طرف مشغول کرنے والی ہر ایک بات سے علیحدگی اختیار کرے جیسا کہ موت کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بجز خدا کے اس کا نہ کوئی مقصد ہو نہ طلب ہو نہ مطلوب نہ محبوب۔ اگر تمام موجودات اور انبیا مرسلین کے مقامات اس کے سامنے پیش کئے جائیں تو یہ ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھے اور خدا سے ایک لحظہ غافل نہ رہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کا دوست ہزار سال یاد خدا میں رہے پھر ایک لحظہ غافل ہو جائے تو ہزار سال کے فائدے سے ایک لحظہ نقصان زیادہ ہے۔

(۸) آٹھواں طریقہ صبر ہے یعنی ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے نفسانی لذتوں کو چھوڑنا جیسے کہ موت سے چھوٹ جاتی ہیں۔ اور تمام خواہشوں کو سرد کر کے اس پر ثابت قدم رہنا تاکہ قلب میں صفائی اور روح میں روشنی پیدا ہو۔ خداوند تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کی شان میں فرماتا ہے۔ جعلنا هم ائمة يهدون بامرنا۔

(۹) نواں طریقہ مراقبہ ہے یعنی اپنی قوت و طاقت کے دائرہ سے نکل کر خداوند تعالیٰ کی بخشش و عنایت کا منتظر ہو جانا اور اپنے تمام اوصاف و احوال سے بیزار ہو کر اسی کی ملاقات کا مشتاق اور اسی کے خیال میں مستغرق رہنا۔ جان و دل اسی کی طرف بیقرار رہے۔ اس سے مدد مانگے اور اسی سے فریاد کرے یہاں تک کہ خدا اس پر اپنی رحمت کا دروازہ کشادہ فرمائے جس کو کوئی بند نہیں کرسکتا۔ اور عذاب کا دروازہ بند کردے جس کا کوئی کھولنے والا نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کی نیکی اور زیادہ ہے یہ زیادتی ہی خدا کی مہربانی ہے اور یہی اس کا فضل ہے جس کو وہ چاہتا ہے دیتا ہے۔

(۱۰) دسواں طریقہ رضا ہے یعنی اپنے نفس کی رضا مندی وخوشنودی سے جدا ہو کر خدا کی رضا مندی اور خوشنودی میں داخل ہونا اور اس کی تقدیر پر راضی ہو جانا اور کچھ چون و چرا نہ کرنا جیسا کہ مرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے اپنے کام اپنے محبوب کو سونپ دیئے ہیں وہ مجھے زندہ رکھے اور چاہے مار دے۔ جو شخص اپنے اوصاف ظلماتی سے موت ارادی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت کے نور سے زندہ کرتا ہے چنانچہ اس کا فرمان ہے کہ جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اسکو روشنی عنایت کی جس کے ساتھ وہ لوگوں میں راستہ چلنے لگا"۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کی زندگی پر اگر غور کریں تو آپ پر صحرا نوردی میں جو گزری سو گزری جب آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے تو زندگی گزارنے کا طریقہ بالکل موتو قبل ان تموتو کے مطابق تھا۔

حوالہ جات:

(۱) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۴۴

(۲) ایضاً، صفحہ ۱۴۶

(۳) ایضاً، صفحہ ۱۴۶

(۴) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۶۸

(۵) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۲۳

(۶) مناقب الاصفیاء، ۲۶۸ تا ۲۶۹

(۷) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جنوری ۱۹۷۴ء صفحہ ۳۰

(۸) سیرت الشرف، صفحہ ۶۰ تا ۶۴

(۹) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ فروری ۱۹۷۳ء، صفحہ ۱۴ تا ۱۵

(۱۰) سیرت الشرف، صفحہ ۷۲

(۱۱) ایضاً، صفحہ ۷۰ تا ۷۱

(۱۲) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۷

(۱۳) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۲۹

(۱۴) معدن المعانی، باب ۲۲، صفحہ ۲۴۱

(۱۵) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۵۶

(۱۶) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۲۸

(۱۷) سیرت الشرف، صفحہ ۱۱۱

(۱۸) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۵۴

(۱۹) ایضاً، صفحہ ۵۵

(۲۰) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۵۴

(۲۱) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۹۱

مسند رشد و ہدایت

مسند سجادگی: جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے حضرت مخدوم جہاںؒ کو حضرت نظام الدین مولیٰؒ اور ان کے یاروں نے مسند سجادگی پر بٹھا ہی دیا تھا۔ پھر بادشاہ محمد تغلق نے خانقاہ بھی بنوادی اور خانقاہ سے متعلق جاگیر بھی عطا کر دی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ رونق افروز مسند رشد و ہدایت ہوئے تو رفتہ رفتہ عقیدتمندوں اور ارادت مندوں کی تعداد میں مستقل اضافہ ہوتا گیا۔ یہ بھی آزمائش کا ہی سامان تھا۔ لوگوں کے درمیان رہ کر موتو قبل ان تموتو پر عمل پیرا ہونا بس کاملین کا ہی کام ہوتا ہے۔

جب آپ نے بہار شریف میں مستقل اقامت کر لی تو آپ کے خاندان والے بھی منیر شریف سے بہار شریف تشریف لے آئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حیات تھیں وہ بھی تشریف لے آئیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے تو اپنے لئے اختیاری فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ والدہ کی خدمت کے لئے آپ نے حضرت چولھائی کو مقرر فرما دیا اور معینہ مقرر کر دیا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ جنابہ والدہ کے پاس ان کے کچھ عزیز تشریف لائے۔ آپ نے ان کی تواضع کے لئے مرغ اور روٹی پکانے کا اہتمام کیا۔ پکانے کے لئے گھر میں چولھا جلا تو دھواں اٹھا۔ مخدوم جہاںؒ نے دھواں دیکھ کر وجہ پوچھی۔ جب وجہ معلوم ہوئی تو والدہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ ہم نے تو آپ سے شرط لی تھی۔ (شرط یہ تھی کہ گھر میں چولھا نہیں جلے گا۔ بازار سے ہر روز حضرت چولھائی جو مخدوم نے معینہ مقرر کر دیا تھا وہ لا کر دے جاتے تھے۔ بس اسی پر گزر تھا)۔ حضرت مخدوم والدہ کو ماموں کہتے تھے، ویسے بوا مشہور تھیں۔ والدہ کو احساس ہو گیا۔ روٹی اور مرغ کچا پکا جیسا تھا عزیز کو دے دیا اور کہا کہ اسے لے جاؤ کہیں پکوا کر کھا لینا۔ کاملین کے لئے یہ بھی بڑی مشکل ہے کہ ان کی زندگی تو طشت از بام ہوتی ہے اور اس طرح لوگوں کی نظروں میں وہ ہی نہیں ان کا خاندان بھی ہوتا ہے اور لوگ قول و عمل کی ہم آہنگی پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔

آپ کی زندگی تو کمال اتباع رسول کا نمونہ تھی۔ جنگل سے نکل کر خانقاہ میں بھی بس خدمت خلق کے لئے ہی بیٹھ گئے تھے۔ یہاں سے بھی کبھی کبھار جنگل میں چلے ہی جاتے تھے۔ اختیاری فاقہ کشی کا ایک واقعہ یوں مرقوم ہے[۲]: ایک دفعہ کسی نے آپ کے سامنے فالودہ پیش کیا آپ نے اس کو اٹھا کر سونگھا اور رکھ دیا۔ کچھ دیر تک اسی طرح رکھا رہا پھر کسی کو دے دیا اور قاضی زاہد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ زاہد اس کے کھانے میں کوئی اور بات مانع نہیں تھی صرف اس لئے نہیں کھایا کہ کہیں یہ فالودہ سد راہ نہ بن جائے۔ فاقہ مستی نے یہ حالت بنادی تھی کہ بدن نحیف ولاغر تھا۔ ایک دفعہ ایک حجام خط بنا رہا تھا کہ استرہ لگ گیا۔ خون تو کیا نکلتا بس ایک معمولی سی رطوبت نکلی۔ آپ کا حال جو تھا سو تھا۔ آپ کے چہیتے مرید مخدوم مولانا مظفرؒ کا بھی یہی حال تھا۔ مولانا ایک دفعہ دیوار سے ہاتھ لگائے کھڑے تھے بغل دکھائی دے رہا تھا۔ مخدوم جہاںؒ کے سامنے تھے۔ مخدوم نے دوسروں کو مخاطب کر کے کہا دیکھو ان کا کیا حال ہے گوشت تو جیسے ہے ہی نہیں یہ تو اس تعلیم کا نتیجہ تھا جو حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ نے وصیت نامہ میں تحریر فرمایا تھا۔

روایت ہے کہ محمد شاہ تغلق کے حکم سے جب خانقاہ کی تعمیر ہوگئی اور بادشاہ کے بھیجے ہوئے مصلیٰ بلغاری پر آپ کو بٹھایا گیا تو مجد الملک نے ایک بڑے پیمانے پر دعوت کا اہتمام کیا اور سماع کی مجلس بھی منعقد ہوئی اور قوال یہ گا رہے تھے[۳]:

گفتم کہ اے خورشید حشر آخر بریں سو تابشی　　　گفتا کہ خسرو باش تا صبح قیامت بر دمد

اس محفل سماع میں ایک درویش جو حاضر تھے اٹھے اور حجرہ مخدوم میں گئے۔ حضرت مخدوم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ منزل اور مقام تو آپ کے لئے ہے مگر میری یہ مجبوری ہے کہ طاعت اولامر سے مفر نہیں۔ درویش نے فرمایا کہ مخدوم آپ کو کوئی خانقاہ اور مصلیٰ سے تھوڑے ہی پہچانتا ہے۔ اگر کوئی پہچانتا ہے تو حق سے پہچانتا ہے۔ میں آپ کے باطن کی قوت سے یہاں آیا ہوں اور آپ کے طفیل آیا ہوں۔ یہاں آپ کی برکت سے اسلام پھیلے گا اور قوت پکڑے گا۔ یہ سن کر حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا "جو کچھ درویشوں کی زبان پر آجاتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے"۔

درویش کا کہا دیکھئے کس طرح صادق آیا۔ اس رشد وہدایت کے مرکز نے نہ جانے کتنے طالب

حق کو خدا رسیدہ بنا دیا۔ گمراہوں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی۔ حاجتمندوں کی حاجت روائی کی گئی۔ ارباب مملکت کو نیک ہدایت کی تلقین ہوتی رہی اور اس شمع کی روشنی دور دور تک پھیلی۔ بخارا اور ہمدان سے ارادتمند آئے۔ تخت شاہی کے خوگر خاک نشیں بن گئے اور عتاب میں زخم خوردہ ہوئے تو محبت سے ایسے نوازے گئے:

تن مظفر جاں شرف الدین، جاں مظفر تن شرف الدین
شرف الدین مظفر، مظفر شرف الدین

خدمت خلق: طریقت میں حاجت روائی کا بڑا مقام ہے:

طریقت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح وسجادہ ودلق نیست

حضرت مخدوم جہاںؒ کی خدمت میں نہ جانے کتنے حاجت مند آتے اور فیضیاب ہوتے۔ چونکہ یہ سب بہ انداز کرامت ہوتا تھا اور آپ کو اظہار کرامت سے اجتناب تھا اس لئے حاجت مندوں کو آپ ''میران جلال دیوانہ'' کے حوالے کردیتے تھے[۴]۔ مریضوں کو علاج کے لئے دعا اور دوا دونوں سے مستفیض کرتے۔ دوا کے کچھ نسخے دوہے کی شکل میں مشہور ہیں۔ پرانے زمانے میں بہار میں یہ نسخے گھروں میں لوگوں کو یاد ہوتے تھے۔ اور اس سے لوگ شفایاب ہوتے تھے۔ صاحب سیرت الشرف نے اس کا بڑا کھوج لگایا مگر بس چند حاصل ہوسکے[۵]۔ یہ نسخے دوہے کی شکل میں ہیں۔ یہ دوہے امیر خسرو کے انداز میں ہیں۔ کچھ دوہے معرفت وحقائق کے بیان میں بھی ہیں۔ علاج کے سلسلے کے کچھ دوہے درج ذیل ہیں:

۱۔ پات کسونجی بکھ ہرے اور پھول رتوندھی جائے
جڑ کسونجی باگھ روئیں۔ بیج سے بیج نسائے

۲۔ تل۔ تیسی۔ دانا۔ تکھر۔ تال مکھانا
گھی شکر میں سانا۔ کھائے زنانہ ہو مردانہ

۳۔ لودھ پھٹکری مردا سنگ   ہلدی زیرہ ایک ایک ٹنگ

افیم چنے بھر ۔ مرچیں چار   کروا برابر تھوتھا ڈار
پوست کے پانی سے پوڑی کرے   نین کا بید اترتے ہرے
۴۔نون مرچ مجیٹھ لے آوے   نیلا تھوتھا آگ جلاوے
لودھ پیٹھانی کتھ پا پڑیا   پیس برابر منجن کریا
منجن کر کے پان چباوے   دانت کا پیرا کبھو نہ پاوے
۵۔ ہڑ بہیڑا اونلا اور چیتا   تنک سونٹھ ملادے میتا پیتا
کھانسی سانسی سب جڑ جائے   آن نہ جانوں کتنا کھائے

حضرت مخدوم جہاںؒ نہ صرف یہ کہ حاجت مندوں کی حاجت روائی خود کرتے تھے بلکہ رؤساء و امراء کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔اس سلسلہ میں ایک مکتوب بعنوان 'مخلوق کی حاجت روائی اور بندگان خدا کو آرام پہنچانے کا تذکرہ' سے کچھ اقتباس پیش کرنا مناسب ہوگا۔ یہ خط ملک المفرح کے نام ہے۔آپ فرماتے ہیں[6]:

''الدنیا مزرعتہ الاخرہ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) جس قدر ممکن ہو اس حدیث پر عمل کریں۔یعنی اپنے ہاتھ سے، زبان سے، قلم سے اور کاغذ سے، روپے اور جنس سے جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کے دلوں کو راحت پہنچائیں اور اس کو سب سے اہم کام تصور کریں۔ یہ تو معلوم ہے کہ دنیا میں عیب، اس کی آفتیں اور بلائیں کس قدر ہیں۔ وہ اتنی ہیں کہ موٹی موٹی ضخیم کتابیں لکھی جانے کے باوجود اس کا عشر عشیر بھی بیان نہیں ہوسکتا۔تاہم دنیا سے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ آخرت کی کھیتی ہے۔ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا۔خدا کو جانے والی کتنی راہیں ہیں؟ فرمایا'' عالم میں جتنے ذرّات ہیں ان میں کا ہر ایک ذرّہ خدائے بزرگ و برتر کی جانب ایک راہ پیش کرتا ہے۔لیکن سب سے قریب اور زیادہ فائدہ مند راستہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو آرام پہنچایا جائے۔ہم نے اسی کے ذریعے راستہ پایا اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت

کرتے ہیں''۔

اے بھائی! شریعت کا حکم بھی یہی ہے۔من قضیٰ لاخیه المسلم حاجته قضی اللّٰه له سبعین حاجتهً (جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ایک حاجت پوری کرے۔ اللہ اس کی ستر حاجتیں پوری کرتا ہے)۔ قال علیه السلام من کساموسناً ......(ترجمہ: جو شخص ایک مومن کو کپڑا پہناتا ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ہزار جوڑے عنایت کرے گا۔ اس کی ہزار ضرورتیں پوری ہونگی۔ ایک سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ ستاروں کی گنتی سے زیادہ اگر اس کے گناہ ہونگے تو وہ معاف کردیئے جائیں گے۔ اس کے جسم کے ہر روئیں کے برابر انوار الٰہی اس کو عطا ہوگا۔ عذاب قبر اس سے اٹھالیا جائے گا۔ دوزخ کے عذاب سے اس کو چھٹکارا مل جائے گا۔ پل صراط سے وہ بے خطر گزر جائے گا اور قیامت کے دن کی سختیوں سے اسے نجات ملے گی) نماز، روزے اور نفل کی ادائیگی سے یہ دولت کہاں نصیب ہوگی۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے۔ ان سے لوگوں نے کہا کہ اس شہر کا بادشاہ بہت اچھا آدمی ہے۔ رات بھر جاگ کر عبادت کرتا ہے، نمازیں اور نوافل ادا کرتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ بیچارہ اپنی راہ بھول گیا ہے اور دوسروں کے کام کو اپنے سر لے لیا ہے۔ لوگوں نے کہا یا شیخ یہ کس طرح۔ جواب دیا کہ اس کے لئے سلوک کی راہ یہ ہے کہ اپنی دولت اور نعمت سے بھوکوں کا پیٹ بھرے۔ ننگوں کو طرح طرح کے کپڑے پہنائے، برباد دلوں کو آباد کرے اور ضرورتمندوں کی حاجت پوری کرے۔ نماز، نوافل اور شب بیداری تو فقرا کا کام ہے۔ ہر آدمی کو اپنے منصب کے مطابق کام کرنا چاہئے۔

اے بھائی! ٹوٹے ہوئے دل کو شاد کرنا یا کسی برباد کو آباد کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم رات بھر جاگتے رہو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ تمام ٹوٹی ہوئی چیزیں اپنی قدر و قیمت کھو دیتی ہیں مگر صرف دل کا معاملہ ایسا ہے کہ شکستہ ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے''۔

ایک دوسرے مکتوب میں (مکتوب ۹۲) ایک صاحب کی اعانت کے لئے آپ نے عزیزوں اور دوستوں کو اجتماعی خط لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو اس سے کچھ اقتباس ۷:

''عزیزان ودوستان من! بعد سلام ودعا مطالعہ باد

خواجہ حاجی زائر حرمین شریفین، حامل رقعہ ہذا صاحب عیال واطفال ہیں۔ معاش کی کمی نے کچھ ان کو مضطرب اور پریشان کر دیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے تم لوگوں کی طرف جانیکا ارادہ کیا ہے۔ جس عزیز اور جس دوست تک وہ پہنچیں وہ لوگ اپنی عادت کے مطابق جیسا کہ وہ لوگ حاجت مندوں کی رفاقت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہے ہیں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کریں۔ اور ان کے دل کی پراگندگی کو امکان بھر دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح اپنی آخرت سنوارنے کا سامان مہیا کریں''۔

ایک اور مکتوب میں آپ نے بادشاہ وقت، فیروز شاہ تغلق کو ایک صاحب (خواجہ عابد ظفر آبادی) کی مدد کے لئے لکھا ۸۔ یہ خط خواجہ عابد ظفر آبادی کی گزارش پر لکھا گیا تھا جن کا کچھ مال ظلم سے تلف ہو گیا تھا۔ حضرت مخدوم نے بالتفصیل وہ حدیث بیان فرمائی کہ جس میں ایک نصرانی کا مال جسے ابوجہل نے قبضہ کر رکھا تھا اسے واپس دلوانے کے لئے آپ بنفس نفیس ابوجہل کے پاس گئے اور اس وقت تک نہیں لوٹے جب تک ابوجہل نے پورا مال واپس نہیں کر دیا۔ اسی طرح اور ترغیبی احادیث جو مظلوموں کی مدد سے متعلق ہیں ان کا ذکر فرمایا اور آخر میں یہ لکھا:

''خدا کا شکر ہے کہ آج آپ کی مکرم ومعظم ہستی عاجز اور مظلوموں کی پناہ گاہ بنی ہوئی ہے۔ آپ کے یہاں سے دنیا والوں کو عدل وانصاف مل رہا ہے اور آپ کو وہ سعادت حاصل ہے جس کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے جس کے متعلق یہ فرمایا کہ ایک گھنٹہ کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ عاقبت بخیر باد''

سطور بالا سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ حضرت مخدوم جہاں کا دل دردمند مجبوروں، مظلوموں اور حاجت مندوں کے لئے ہر لحہ کتنا بے تاب رہتا تھا۔

دولت ایمان سے سرفرازی: حضرت مخدوم جہاںؒ کے دست حق پرست پر نہ جانے کتنے مشرف بہ دولت ایمان ہوئے۔ چند مشہور واقعات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

برہان الاتقیاء جو اولیا کے مناقب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ہے کہ ایک دفعہ اسّی برس کا ایک ہندو آپ کی مجلس میں آکر مشرف بہ اسلام ہوا۔ آپ خوش ہوئے اور فرمایا کہ سبحان اللہ ایک بیگانہ اسّی سال کے بعد اللہ نے اسے توفیق دی۔ حاضرین نے پوچھا کہ اگر اسی مجلس میں اس کا انتقال ہو جاتا تو اس کو کس میں شمار کیا جاتا؟ آپ نے فرمایا کہ بالکل پاک وصاف جاتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے[9] کہ ایک حسین وجمیل جوگی بہار آئے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے کچھ مریدوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ مریدوں کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کافر کو بھی کیا حسن و جمال بخشا ہے۔ جوگی پر ان کا یہ خیال منکشف ہو گیا۔ جوگی نے پوچھا کہ آپ لوگوں کا کوئی گرو ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہیں۔ جوگی نے کہا کہ ان کو میرے پاس آپ لوگ لا سکتے ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں وہ بزرگ ہیں کسی کے پاس نہیں جاتے۔ اس جوگی نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کی مخدوم سے ملاقات کرادی جائے۔ وہ لوگ جوگی کو مخدوم جہاںؒ کی خدمت میں لے گئے۔ جوگی نے جیسے ہی مخدوم کو دیکھا الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا وہ کرتار روپ دھارے ہوئے ہیں اگر میں ان کے پاس جاؤں گا تو جل جاؤں گا۔ مریدین نے بعد میں حضرت مخدوم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ مخدوم جہاںؒ نے فرمایا اچھا اب اسے میرے پاس لے آؤ۔ جوگی اب کے جو گیا تو کہا کہ ہاں اب میں ان کے پاس جا سکتا ہوں۔ مخدوم جہاںؒ کی خدمت میں آیا کچھ دیر بیٹھا پھر عرض کیا مجھ کو اسلام میں داخل کر لیجئے۔ مخدوم جہاںؒ نے اس کو داخل اسلام کیا۔ تین دنوں تک اپنے پاس رکھا اس کے بعد اسے رخصت کر دیا اور وہ کہیں چلا گیا۔ لوگوں نے پوچھا آپ نے تین دنوں میں اسے رخصت کر دیا۔ مخدوم جہاںؒ نے فرمایا وہ اپنا کام مکمل کر چکا تھا صرف کفر کا زنگ باقی تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد یہاں کی اس قلیل صحبت میں اس کا زنگ دور ہو گیا۔

حضرت چولھائی رحمتہ اللہ کے مسلمان ہونے کا قصہ یوں ہے[10]۔ جب حضرت مخدوم بہیا کے جنگل میں تھے تو ایک دن ایک مقام پر پہنچے جہاں حضرت چولھائی جو گوالے تھے گائیں چرا رہے تھے۔

حضرت مخدوم نے ایک بچھیا کیطرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے دودھ دوہ کر دو۔ حضرت چولھائی نے کہا کہ ابھی اس نے بچہ نہیں جنا ہے نہ ابھی اس کا کسی نر سے جفت ہوا ہے۔ حضرت مخدوم نے پھر کہا کہ اس کو دوہو تو۔ حضرت چولھائی غصہ میں آ کر دوہنے لگے۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ اتنا دودھ نکلا کہ برتن بھر گیا۔ یہ دیکھنا تھا کہ حضرت چولھائی کی دنیا بدل گئی۔ گایوں کو وہیں چھوڑا اور گھر بار ترک کر کے ذاکر وشاغل ہو گئے اور ولی ہو گئے۔ جب مخدوم نے بہار شریف میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو حضرت چولھائی آپ کی خدمت میں لگ گئے۔ حضرت فرزند علی منیریؒ، صاحب وسیلہ الشرف، کا بیان ہے کہ انہوں نے وہ گائیں دیکھی تھیں۔ ہرنوں کی طرح جنگل بہیا میں رہتی تھیں اور آدمیوں کو دیکھ کر بھاگتی تھیں۔ راجہ کی طرف سے مناہی تھی کہ کوئی شخص ان کو صید وقید نہ کرے۔

جن زمیندار یا راجہ نے حضرت مخدوم جہاںؒ کو عالم تحیر میں بہیا کے جنگل میں دیکھا تھا اور ساتھ گھر لے جا کر خدمت کی تھی اگر چہ ان کے ایمان لانے کا تو پتہ نہیں مگر عقید تمندی مخدوم کا سلسلہ تو خاندان میں ایسا چلا آ رہا ہے کہ ڈمراؤں میں جو میلہ لگتا ہے وہاں حضرت مخدوم کا فاتحہ راجہ کے خاندان والوں کی طرف سے حال تک تو ہوتا تھا شاید اب بھی ہوتا ہو۔

مریدین: روایت تو یوں ہے کہ آپ کے مریدین کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ اس کے اعداد و شمار تو کہیں مذکور نہیں نظر آتے مگر یہ ضرور ہے کہ آپ کے مریدین نہ صرف یہ کہ بہار سے تعلق رکھتے تھے بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہروں اور گوشوں سے اور بیرون ہندوستان مثلاً بخارا ہمدان سے بھی تعلق رکھنے والے تھے۔ کچھ کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب کوئی آپ سے بیعت ہونے آتا، آپ اسکو پہلے سر کے بال منڈوانے پھر غسل کرنے اور صاف ستھرے کپڑے پہننے کی ہدایت کرتے۔ پھر بیعت لیتے تھے[11]۔ پھر ایک خاص قسم کی کلاہ جسے طاقیہ (چھوٹی ٹوپی) کہتے ہیں دیتے تھے۔ راحت القلوب میں مذکور ہے کہ ایک صاحب بخارا سے برائے بیعت تشریف لائے۔ حضرت مخدوم جہاں نے بیعت لی اور انہیں طاقیہ دیا[12]۔ گنج لایفنی میں حضرت

زین بدر عربی کے حوالے سے مذکور ہے کہ حضرت بخاری ہی حضرت مخدوم کے پہلے مرید تھے۔ تیس سال تک مخدوم جہاںؒ کے ساتھ رہے ہمیشہ مفلس و بے نوار ہے اور اسی حالت میں وفات پائی۔

زین بدر عربی کے مرید ہونے کا واقعہ یوں مذکور ہے[13] کہ جوانی میں شراب پیتے تھے اور نشہ میں بدمست رہتے تھے۔ ایک دن والدہ کے پاس آئے اور کچھ رقم مانگی۔ والدہ نے کہا کہ تو نے کچھ لایا ہو تو دوں۔ خفیف ہو کر وہاں سے چلے گئے اور حضرت مخدوم کی خانقاہ پہنچے۔ حضرت مخدوم مصلیٰ پر بیٹھے تھے۔ آپ کو بلایا۔ مصلیٰ کا کونا اٹھایا اور فرمایا کہ دو مٹھی لے لینا، زیادہ مت لینا۔ آپ نے مصلے کے نیچے ایک خزانہ دیکھا دو مٹھی لے لی اور سیدھے گھر والدہ کے پاس گئے۔ والدہ نے دیکھتے ہی کہا۔ اے بدبخت ایسے بزرگ کے پاس گیا اور خدا کا دشمن مانگ لایا۔ یہ والدہ کے پاس سے باہر آئے۔ ساری رقم کھاپی کر اڑا دی اور پھر حضرت مخدوم کے پاس تائب ہو کر گئے۔ مخدوم کے مرید ہوئے اور وہاں کے ایسے پختہ حاشیہ نشین بنے کہ حضرت مخدوم کے بیشتر علمی سرمائے کو آپ ہی نے مرتب کیا اور ایک دنیا آج تک ان سے فیضیاب ہو رہی ہے۔

حضرت مخدوم مولانا مظفر بلخی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہونے کا واقعہ کچھ اس طرح مرقوم ہے[14] کہ آپ کے والد اور منجھلے بھائی حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ سے مرید ہو چکے تھے۔ والد تو اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر باش رہنے والوں میں سے تھے۔ اپنے بیٹے حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کو بھی یہیں بیعت ہونے کا مشورہ دیتے تھے۔ حضرت مظفر بلخی رحمتہ اللہ کو اپنے علم شریعت پر کچھ ناز سا تھا۔ آپ مولانا تھے۔ چنانچہ مرید ہونے کے لئے اپنے ذہن میں ایک معیار رکھتے تھے۔ بہرصورت حضرت مخدوم جہاںؒ کے پاس پہنچے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ سے کچھ علمی سوالات کئے۔ حضرت مخدوم نے جواب دیئے مگر مولانا ہر بات پر لانسلم کہہ دیتے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ صبر سے مولانا کی بات سنتے اور جواب دیتے جاتے۔ مولانا کو ناز علم تھا اور حضرت مخدوم میں کمال علم کشفی کا ٹھہراؤ تھا۔ بالآخر مولانا قائل ہو گئے اور مرید ہو گئے۔ اب ایسے مرید کو تعلیم دینے کا طریقہ دیکھئے۔ پہلے تو مخدوم نے فرمایا کہ اب تک تم نے علم دنیا کے لئے پڑھا ہے جاؤ از سر نو پڑھو۔ مرید کو بھی دیکھئے از سر نو علم دین پڑھنے چلے جاتے ہیں۔ پھر حضرت مخدوم جہاں نے ان سے ایسی ریاضت کروائی کہ حضرت مخدوم کے چہیتے شاگرد اور حضرت مخدوم جہاںؒ کے خلیفہ اوّل ہوئے۔

حضرت مولانا آمون اوران کے والد ابراہیم بھی حضرت مخدوم سے مرید ہوئے۔ حضرت مولانا آمون تو بارہ سال کی عمر میں مرید ہو گئے تھے۔

مجد الملک مقطع بہار بھی حضرت مخدوم کے اوائل مریدوں میں سے ہیں۔

حضرت شمس الدین حاکم چوسہ بھی آپ کے مرید تھے۔ مکتوبات صدی آپ کی ہی استدعا پر لکھے جانے والے خطوط کا مجموعہ ہے اور علم تصوف پر نہایت ہی مستند اور مفید کتاب ہے۔

طریقہ تعلیم: حضرت مخدوم جہاںؒ سے منسوب ایک رسالہ 'رسالہ در ہدایت حال' ہے جس میں تعلیم کے سلسلے کی کچھ ہدایتیں مرقوم ہیں۔ اس سے اقتباس ہے[۱۵]:

''یہ بات جان لینی چاہئے کہ جب کوئی شخص مردانہ وار راہ سلوک میں قدم رکھتا ہے تو پہلے سچی توبہ کرتا ہے۔ حرام کے قریب نہیں جاتا اور اپنے آپکو مردہ خیال کرتا ہے اور اہل قبور میں شمار کرتا ہے اور دنیا کے کاروبار سے خود کو دور رکھتا ہے۔ مگر ضرورت کی حد تک۔ یعنی جسم باقی رہے اور راہ دین پر چلنا ممکن ہو اور کھائے بھی تو آدھے پیٹ سے زیادہ نہیں۔ بس اتنا کہ بھوکا نہ رہے اور نہ سیر ہو کر کھائے۔ لباس اسی قدر استعمال کرے جو سردی اور گرمی سے حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ خواہ یہ لباس نیا ہو یا پرانا۔ اور بستر سالم ہو یا پھٹا پرانا۔ لیکن بستر نرم نہ ہو اور غیب سے جو کچھ بھی حاصل ہو اس میں تکلیف نہ کرے غم زدہ نہ ہو۔ صبر و شکر اور قناعت اختیار کرے اور اس حالت میں خوش رہے اور اس کے بعد وضو میں استقامت اختیار کرے۔ کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی بے وضو نہ رہے۔ خواہ سردیوں کا موسم ہو اور ٹھنڈا پانی ہو یہاں تک کہ بے وضو نہ پانی پئے اور نہ کھانا کھائے بلکہ تصور یہ رہے کہ بے وضو کھانا اور پینا حرام ہے۔ جب بھی وضو کرے شکر وضو کا دوگانہ ادا کرے۔ اگر چہ دن میں دس دفعہ کیوں نہ کرے۔ اور بقیہ شب و روز کے سارے اوقات خواہ تنہا ہو خواہ لوگوں کے ساتھ ہو ذکر الٰہی میں گزارے۔ اگر لوگوں کے درمیان ہو تو آہستہ ذکر کرے اور اگر تنہا ہو تو بہ آواز بلند۔ ذکر اتنا ہو کہ زبان سے دل میں اتر جائے اور دل پر غالب

آجائے۔ اسطرح اگر زبان خاموش بھی ہو تو دل سے ذکر جاری رہے''۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے روحانی تعلیم کے دو طریقے رائج کئے۔ ایک زبانی دوسرا کتابی [16]۔ زبانی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ بعد ادائیگی نماز کبھی بعد فجر، کبھی بعد ظہر اور کبھی بعد عشاء مریدین و معتقدین کی نشستیں ہوا کرتیں۔ ان نشستوں میں بالا استعاب تصوف یا شریعت سے متعلق کوئی کتاب پڑھی جاتی اور حضرت مخدوم جہاںؒ حاضرین کے استفسار پر یا ازخود حل طلب مضامین کی وضاحت فرماتے۔ معدن المعانی میں چند ایک مجالس میں مخدوم زادہ کا سراج العارفین پڑھنے کا ذکر ہے۔ (مثلاً باب بارہ، سولہ، پچیس، چونتیس میں)۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ کتاب بالا استعاب بھی پڑھی جاتی تھیں۔ ان مجالس میں حاضرین شریعت، طریقت کے مسئلے پر استفسار کرتے اور حضرت مخدوم انکی وضاحت فرماتے۔ وضاحت کے درمیان اگر دوسرے مسائل سامنے آجاتے تو اس کی بھی وضاحت فرما دیتے۔ ان مجالس کا انداز بالکل ایک مکتب جیسا ہوتا تھا اور حاضرین بلا تامل سوال کرتے اور حضرت مخدوم جہاںؒ وضاحت میں تقریر فرماتے۔ کبھی بات سے بات نکل جاتی اور سوال و جواب کا سلسلہ چلتا رہتا۔ ان مجالس کی تفاصیل ملفوظات کے عنوان سے احاطہ تحریر میں آجاتیں۔ اکثر ملفوظات کے جامع حضرت زین بدر عربی ہیں اور حضرت بدر عربی کا ان کے جمع کردہ ملفوظات کے سلسلہ میں یہ بھی کہنا ہے کہ جو روداد مجلس وہ تحریر میں لاتے انکو حضرت مخدوم کو بعد میں پیش کر دیتے۔ حضرت مخدوم اگر کوئی سہو پاتے تو درست کر دیتے اور کبھی کچھ اضافہ بھی فرما دیتے۔ حضرت زین بدر عربیؒ نے یہ لکھا ہے کہ ہر مجلس میں شرکاء مجلس یعنی حضرت مخدوم کے مریدین و متوسلین اپنے اپنے معاملات سے متعلق کوئی نہ کوئی سوال از عنوان شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت پیش کرتے اور حضرت مخدوم جہاںؒ ان کے جوابات بالتفصیل دیتے اور اتنے دلپذیر انداز میں دیتے کہ سائل کی مکمل تشفی ہو جاتی۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے تعلیم دینے کا ایک طریقہ تو یہی تھا کہ مجلس میں اجتماعی طور پر تعلیم ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی انفرادی طور پر تعلیم دی جاتی تھی۔ مثلاً کوئی صاحب آتے اور مرید ہونا چاہتے تو ان کی بیعت لے لیتے اور اوراد و وظائف کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے اعمال بھی بتا دیتے جس کا مقصد مرید کی ذاتی کمزوریوں کو دور کرنا ہوتا تھا۔ حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کو بیعت کے بعد پھر سے علم دین کے حصول

کے لئے آپ نے اسی لئے فرمایا تھا کہ مولانا نے علم دین جو پہلے حاصل کیا تھا وہ طلب حق کے لئے نہیں تھا۔ اس کے بعد مولانا کو خانقاہ کے فقراء کی خدمت پر مامور کر دیا تھا۔ اسکا مقصد بھی یہی تھا کہ تخت شاہی کی بچی کچھی نخوت مکمل طور پر ختم ہو جائے۔ اس طرح کی تعلیم ہر شخص کی ذاتی کیفیت کو مدنظر رکھ کر دی جاتی۔ حضرت مولانا مظفر کو بوسیدہ لباس میں دیکھنا پسند تھا۔ مگر وہی مولانا نصیر الدین ہیں کہ ایک دن فقیرانہ لباس پہن لیا تو تنبیہ فرمائی گئی۔ ایک دفعہ ایک ملک زادہ کو نفس کے فریب سے متعلق جس طرح تعلیم دی وہ معدن المعانی میں بالتفصیل مرقوم ہے [17]۔ ملک زادہ نے حضرت مخدوم سے اپنے پیر سے اپنی گفتگو کا ذکر کیا اور کہا کہ جب پیر نے یہ فرمایا کہ طلب حق میں تمام چیزوں کو ترک کر دو تو میں نے اس کو قبول کیا کیونکہ میری طبیعت میں یہ بات تھی۔ حضرت مخدوم نے اسے سمجھایا کہ بیشک ترک تو بہت اچھی چیز ہے مگر جب کہ اس پر استقامت بھی ہو۔ تم ملک زادہ ہو اپنے دوستوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کے عادی ہو ان کی صحبت میں جا کر تم میں پھر تبدیلی ہوئی تو ایسے ترک سے کیا حاصل۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ ہم نے تمام چیزوں کو ترک کر دیا۔ ہم زاہد اور عابد ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ نفس کے ایسے بہت سے دھوکے ہیں ملک زادہ نے کہا کہ میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا یہ نفس کا فریب ہے یہ اسی طرح کا دھوکہ دیتا ہے۔ شیخ معز الدین (جو شاید وہاں موجود ہونگے) کے سوال پر کہ کیا نفس کی تلبیس ہر مقام پر ہوتی ہے؟ تو حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جب تک نفس مغلوب نہ ہو جائے ہر مقام پر اس کا فریب جاری رہتا ہے۔ ارباب بصیرت نفس کی تلبیس سے کسی مقام پر غافل نہیں رہتے خواہ ان کا نفس کتنا ہی مطیع و فرماں بردار ہو گیا ہو۔

حضرت مخدوم کی ان مجالس میں جو لوگ باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں [18]۔ مولانا نظام الدین مولی، قاضی زاہد، زین الدین مجد الملک، زین بدر عربی، قاضی شمس الدین، مولانا برہان الدین مظفر شمس بلخی، مولانا شاہ آمون، شیخ حسین بلخی، شیخ معز الدین، قاضی اشرف الدین، قاضی منہاج الدین، قاضی شہ (پسر مولانا جلال الدین دمشقی)، ملک محمود عوض (متصرف خطہ بہار)، تاج الدین (برادرزادہ ملک محمود عوض متصرف)، خواجہ شمس الدین پروانہ نویس، خواجہ کریم الدین عوض، ملک نصر

الدین قلمغانی، مولانا نصیر الدین جونپوری، مولانا قمر الدین و مولانا نجم الدین (خواہر زادگاں حضرت مخدوم)، مولانا نظام الدین (خال زادہ حضرت مخدوم)، خواجہ خضر (نائب مجد الملک)، میاں شمس الدین (متولی خانقاہ معظم)

حضرت مخدوم جہاںؒ کی مجلسوں میں جن کتابوں کا درس وتدریس التزاماً ہوتا تھا ان میں چند حسب ذیل ہیں [19]:

تفسیر زاہدی، عوارف المعارف (از شہاب الدین سہروردیؒ)، آداب المریدین (از حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ)، زبدہ الحکائق (از حضرت عین القضاۃ)، مضیب (از شیخ الشیوخ)، ملخص احیاء العلوم (حضرت امام غزالی)، مثنوی مولانا روم (از حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ)، شرح تعرف، لوامع (از حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ)، سراج العارفین (از سلطان المشائخ)

وردو وظائف: حضرت مخدوم جہاںؒ نے ورد و وظائف کے سلسلے میں تین رسائل لکھے ہیں، اورادِ کلاں، اورادِ اوسط، اورادِ خرد۔ ان کے ماسواء آپ نے اپنے خطوط اور ملفوظات میں بہت سے وظائف و دعا کی تعلیم دی ہے۔ حضرت مخدوم کے اوراد پر مشتمل رسائل کی تلخیص بعنوان اوراد شرفی خانقاہ معظم سے حضرت جناب سید شاہ وصی احمد عرف براتیؒ نے مرتب کر کے چھپوائی تھی۔ یہ فارسی میں تھی اور اس کا اردو ترجمہ آپ کے چھوٹے بھائی جناب حافظ سید محمد شفیعؒ نے کیا جو ۱۳۵۵ھ میں طبع ہوا اور پھر پچھلے دو تین دہائی سے اس کے مسلسل ایڈیشن کچھ اضافے کے ساتھ چھپ رہے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے مرید خاص جناب شمس الدینؒ کو شب و روز کے وظائف کا ایک دستور العمل بتایا ہے۔ اگرچہ وظائف کی تفصیل کیلئے تو اوراد شرفی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، مگر ان کے انوار سے فیضیاب ہونے کیلئے بہت سی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ یہ مکتوب ان ہی امور سے متعلق رہنمائی کرتا ہے۔ اس لئے اہم ہے اور اس کا ذکر مناسب ہے۔ یہ مکتوبات صدی کے مکتوب اٹھائیس میں موجود ہے۔ اس مکتوب سے اقتباس پیش کیا جارہا ہے [20]:

''معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان جب کامل ہوگیا اور توبہ درست ہوگئی تو مرید کو چاہئے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔ ہرگز ہرگز ایک ساعت بے وضو نہ رہے۔ رات کا وقت جاڑے کا موسم سرد سے سرد پانی کیوں نہ ہو اور' ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو ضرور ادا کرے۔ اس کو فوت نہ ہونے دے۔ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرے۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا رہے۔ اس لئے کہ المنتظر للصلوٰۃ کانہ فی الصلوٰۃ

(جو کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے وہ ایسا ہے گویا نماز ہی میں ہے)۔ ہر نماز کے بعد وہ ورد اور وظیفہ جس کو خود اس نے اپنا معمول کرلیا ہے یا جس ورد کو اس کے پیر نے فرمایا ہے بحضور قلب پورا کیا کرے۔ اور سنو، جب مرید رات رہتے صبح کے وقت بیدار ہو، حوائج ضروری اور طہارت واجبی سے فرصت کر کے بعد وضو شکرانہ وضو کی نماز پڑھے اور سو بار کہے استغفر اللہ من الذنوب کلھا صغیرھا و کبیرھا سرھا و جھرھا۔ اللھم اغفرلی برحمتک (میں اللہ سے توبہ مانگتا ہوں، اپنے کل گناہوں سے چھوٹے اور بڑے۔ ظاہر اور چھپے ہوئے۔ اے اللہ مجھ کو اپنی رحمت سے بخش دے)۔ اور جب صبح صادق ظاہر ہو دو رکعت نماز سنت فجر ادا کرے۔ پہلی رکعت میں قل یا ایھا الکافرون دوسری رکعت میں (بعد فاتحہ) سورہ اخلاص پڑھے۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ سنت کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اللھم انی اسئلک رحمتہ من عندک تھدی بھا قلبی (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری رحمت جو میرے قلب کو راستہ دکھائے) قوت القلوب میں مسطور ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور ستر بار کہے استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھوالحی القیوم اللّٰھم انی اسئلک التوبہ (میں توبہ مانگتا ہوں اس اللہ سے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ زندہ اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے توبہ کے لئے سوال کرتا ہوں)۔ اس کے بعد نماز فرض فجر بحضور قلب اور باجماعت ادا کرے۔ نماز تمام کر کے قوت القلوب میں جو دعائیں آئی ہیں ان میں مشغول ہو۔ اسی قدر دعا کی عادت کرے جس

کی پابندی ہو سکے۔ ہر وقت توبہ کرتا رہے۔ توبہ کو کسی وقت نہ بھولے جس قدر عمر لہو ولعب میں گزری ہے اس کی مغفرت چاہتا رہے اور وقتوں میں زیادہ بڑ نہ لگایا کرے۔ باتیں کم کیا کرے۔ ہاں خدا اور رسول کے اوامر ونواہی کو البتہ کہہ سکتا ہے۔ یا مسلمانوں کی اصلاح کے لئے دعا کر سکتا ہے۔ یا ایسی بات کرے جسمیں برادران اسلام کا نفع ہو، یا ایسی بات ہو جس سے بے علم کو علم حاصل ہو۔ اس قسم کی باتیں ذکر کے درجہ میں ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو قبلہ رخ بیٹھا کرے۔ اگر اس کا موقع نہ ہو تو کسی صاحب دل کی زیارت یا پیر کی صحبت یا عالم ربانی کی مجالست میسر ہو سکے تو مصلے پر بیٹھ کر اوراد وغیرہ میں مشغول رہنے سے یہ کہیں بہتر ہے۔ اگر اس قسم کی دولت نصیب نہ ہو تو مصلے پر بیٹھ کر مسجد میں یا گھر میں ذکر کے ساتھ مشغول رہنا بہتر اور فاضل تر ہے۔ اور بھی سنو، جب آفتاب نکل کر تھوڑا بلند ہو جائے دو رکعت نماز اشراق پڑھا کرے۔ کم سے کم اشراق کا یہ درجہ ہے۔ نماز صبح کے بعد جائے نماز پر اس وقت تک بیٹھنا کہ آفتاب نکل آئے اور طلوع کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ان اعمال کی بہت فضیلت آئی ہے۔ اور جب آفتاب بہت زیادہ بلند ہو جائے تو نماز چاشت ادا کرے بہ اتباع سنت جس قدر اس نے اپنے لئے لازم کر لیا ہے اور دیکھ لے کہ اس کو ہمیشہ نباہ بھی سکے گا۔ ان کاموں کے بعد بزرگوں نے کہا ہے کہ مرید کو چاہئے کہ برادران اسلام کی حاجت براری کے لئے اٹھے، جیسے بیمار کی عیادت یا جنازہ کی شرکت یا بر وتقویٰ میں مدد کرنا۔ اگر اس قسم کے کسی کام کا موقع نہ ہو تو قرآن شریف کی تلاوت کیا کرے یا نماز نفل پڑھا کرے یا ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اگر اس کا بھی موقع نہ ہو تو **فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشرو فی الاض** (جب نماز ادا ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ) پر عمل کرے یعنی فکر معاش میں مشغول ہو جائے۔ کھانے کپڑے کا سامان مہیا کرے اور اگر ان چیزوں کی بھی ضرورت نہ ہو تو **فی النوم سلامۃ** (سو جانے میں سلامتی ہے) پر عمل پیرا ہو۔ یعنی سو رہے۔ پھر جب نماز ظہر کا وقت آجائے تو جاگ اٹھے۔ طہارت کرے۔ پہلے چار رکعت سنت پڑھے اس کے بعد فرض ادا کرے پھر دو رکعت سنت پڑھے اور جائے نماز پر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اگر دل ماسویٰ اللہ سے فارغ ہو خدا

کا شکر بجالاتا رہے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت آجائے اور دل فارغ نہ ہو تو فراغ دلی کی کوشش کرے کیونکہ فراغ دلی بھی عین ذکر ہے۔ نماز فرض مسجد میں ادا کی جائے اور نماز نفل گھر میں۔ بعد اس کے چار رکعت فرض پڑھے۔ ذکر و فکر میں مشغول ہو یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ عصر و مغرب۔ کے درمیان دنیاوی کام نہ کرنا عبادت میں مشغول رہنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص آخر شب میں اٹھے اور طلوع آفتاب تک عبادت کرتا رہے۔ اور مرید کو چاہئے کہ نفس کے ساتھ محاسبہ کرے اور یہ کہے کہ ایک روز عمر تیری گزری تجھ کو کیا حاصل ہوا۔ ایسا مبارک دن گزر گیا، تجھ کو کیا ملا؟ پھر نماز مغرب کی تیاری کرے۔ پہلے تین رکعت فرض بعدہٗ، دو رکعت سنت پڑھے۔ اس کے بعد بیس رکعت صلوٰۃ الاوابین ادا کرے۔ اگر ممکن ہو تو بیسوں رکعت پڑھے ورنہ جس قدر ہو سکے مقرر کرے تتجا فی جنوبھم عن المضاجع (ان کے پہلو بستر سے لگے رہتے ہیں) کے مصداق وہی لوگ ہیں جو درمیان مغرب و عشاء یادحق میں رہتے ہیں اور اس وقت کو زندہ رکھتے ہیں اور جب عشاء کا وقت آجائے چار رکعت سنت، پھر چار رکعت فرض ادا کرے اور دو رکعت سنت پڑھے۔ وتر کو آخر شب کے لئے اٹھا رکھے اگر اٹھ جانے پر قادر ہو اور جاگنے کا اعتماد ہو۔ اور سمجھتا ہے کہ نیند ضرور ٹوٹ جائے گی اور اگر خوف سونے کا ہو تو عشاء کے ساتھ ساتھ وتر پڑھ لے۔ اس طرح پر عمل درآمد جو شخص کرے گا وہ غافل نہ سمجھا جائے گا اور خاسروں میں اس کا شمار نہ ہوگا بلکہ اس کو حاضر باش سمجھیں گے۔ بعد عشاء قرآن شریف کی ان سورتوں کو پڑھے جن کا ذکر قوت القلوب میں ہے اور اگر اس کو ان سورتوں کا نام معلوم نہیں ہے یا وہ سورتیں یاد نہیں ہیں تو ڈھائی سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لیا کرے۔ ہزار آیت اس حساب سے ہوتی ہے۔ بعد اسکے ذکر و طہارت کے ساتھ سو رہے مگر جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو سونے کا قصد نہ کرے اور رات رہتے صبح ہونے کے قبل بیدار ہو جائے۔ آخر حصہ رات کا استغفار کے لئے نہایت موزوں ہے اور سب وقتوں سے رات کے افضل ہے اور اگر مرید آخر شب میں نماز تہجد پڑھا کرے تو اور بہتر ہے۔ کیونکہ اس نماز میں معنی استغفار اور معنی تلاوت قرآن دونوں موجود ہیں۔ اس طرح پر جو شخص عمل کرے گا، اور ثابت قدم رہے گا تو امید قوی

ہے کہ برکت سے اس کے باطن کی راہ یعنی طریقت کی راہ اس پر کھل جائے گی اور مرید کو چاہئے کہ طریقت کی راہ شریعت کی موافقت میں چلے اور جس شخص کو ایسا دیکھو کہ مدعی طریقت ہو کر شریعت کے موافق نہیں چلتا تو سمجھ لو کہ اس کو طریقت سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا ہے۔ اس لئے اسفل السافلین میں جا گرا ہے کہ اوپر آنا اس کا دشوار ہے۔ یہ مذہب تو ملحدوں کا ہے کہ طریقت کا قیام بغیر شریعت کے وہ جائز رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو جاتی ہے تو شریعت کی پابندی باقی نہیں رہتی۔ ایسے اعتقاد پر خدا کی پھٹکار۔ سنو، ظاہر اگر باطن کے مطابق نہیں ہے تو یہ نفاق کی علامت ہے یعنی ظاہر میں زہد و تقویٰ اور باطن میں دنیا طلبی اور ریا کاری۔ اور باطن آراستہ ہو ظاہر خلاف حکم شریعت ہو یہ زندیقیت کی نشانی ہے۔ اگر شریعت پر عمل ہے اور باطن طریقت سے بے بہرہ ہے ایسا شخص نقصان و تاوان میں ہے اور باطن کی درستگی چاہنا بغیر عمل ظاہر کے ہوس بے جا کرنا ہے۔ ظاہر باطن کے ساتھ ایسا شیر و شکر ہے کہ اس کو کوئی شخص جدا نہیں کر سکتا۔ لا الہ الا اللہ حقیقت ہے محمد رسول اللہ شریعت۔ صحت ایمان جس کو قائم رکھنا ہے وہ ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے علیحدہ کر کے مومن باقی نہیں رہ سکتا۔ ایسی خواہش اس کی بالکل باطل اور بے حاصل ہو گی۔ برادر عزیز، خلاصہ یہ ہے کہ طالب مرید کو چاہیئے کہ، اس میں تم ہو یا کوئی دوسرا ہو، روز بروز نیت کی درستگی اور دل کی صداقت سے راہ طریقت کی منزلوں کو طے کرتا جائے۔ ہمت عالی رکھے۔ سیرت اتنی پسندیدہ ہو جائے کہ مصفا نظر آئے۔ خصلت ایسی حسین دکھائی دے کہ مجلّا معلوم ہو۔ ارباب سعادت اور بزرگان دین کی صحبت سے اپنے اخلاق کو درست کرے اور اس پر یقین رکھے کہ دارومدار اس کام کا ارادت اور ریاضت پر ہے۔ ارادت کی حقیقت یہ ہے کہ تھوڑا یا بہت جو کچھ پیر کا حکم وارشاد ہو اس کی مخالفت نہ کرے۔ اس لئے کہ پیر کے حکم کی بجا آوری برکات کا سبب ہے۔ اور ریاضت کی راہ یہ ہے کہ نفس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے کیونکہ نفس امارہ کی موافقت سے ساری آفتیں برپا ہوتی ہیں اور فرائض کا جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح اس پر عمل کرے اور عادت پرستی چھوڑ دے۔ عبادت کو عبادت کی طرح انجام دے۔ تعلقات دنیاوی کو دل سے نکال پھینکے حواس ظاہر و باطن کی

ہر طرح حفاظت کرتا رہے۔ کھانا کم کھائے۔ پانی کم پیے کم سویا کرے۔ یہ سب ریاضت میں داخل ہے ہرگز ہرگز ابتدائے ریاضت ومشاغل میں کوئی مرید کسی مقام کا طالب نہ ہو اور اس کو نہ دیکھے کہ کشف وکرامت ہم سے کیوں سرزد نہیں ہوتی اور فلاں فلاں مقصد میں جو مشکلات واقع ہیں وہ کیوں حل نہیں ہوتیں۔ یا یہ نہ سمجھے کہ ہم کو یہ حاصل ہوا وہ حاصل ہوا بلکہ ہر حال میں پیر مشفق کی طرف رجوع کرے اور اپنے خیال فاسد کو کنارے کر دیا کرے۔ جب مرید سلوک میں ثابت قدم اور صاحب استقامت ہو جاتا ہے تو ایسے شخص سے امید ہوتی ہے کہ مقام وصول وتمکین تک پہنچے گا......اب ایک ایسی بات سنو جس کے سننے سے تمام ناامیدی پر پانی پھر جائے۔ وہ بات یہ ہے کہ طالب جہاں تک ہو کام کئے جائے۔ طالب کو بہت سی ایسی خرابی کا سامنا ہے۔ اس لئے اعضا وجوارح آلودہ معصیت ہیں۔ خیر، ہیں تو ہوا کریں۔ اس سے تم اپنی راہ کھوٹی کیوں کرتے ہو؟ چلے چلو، ہے ہے اس راز کو تم نہیں جانتے ہو۔ جوارح کی صفت اگر فسق وفجور ہے تو دل کی صفت ایمان وایقان۔ وہاں دل سے کام ہے جوارح نظر انداز۔ وہاں دل کا اعتبار ہے جوارح بے کار، وہاں دل منظور نظر ہے، جوارح مہجور وبے خبر، وہاں جو کچھ ہے دل ہے جوارح کچھ نہیں۔ ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم ولا الیٰ اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے کاموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے)''۔

خلفاء: شیخ الاسلام شیخ حسین معز بلخی کے حوالے سے یہ روایت ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان میں چالیس واصل بحق تھے اور ان چالیس میں سے تین حضرت شیخ مظفر، ملک زادہ فضل اللہ اور مولانا نظام الدین درون حصاری مرد تھے اور ان تینوں میں بھی عشق کی آگ شیخ مظفر تک پہنچی تھی باقی دو کے حصہ میں دھواں آیا بعض لوگوں نے کہا تین سو افراد واصل بحق تھے [۲۱]۔ تعجب ہے کہ اس روایت میں مولانا نصیر الدین جونپوری کا ذکر نہیں۔ اگرچہ حضرت مخدوم جہاںؒ کا ارشاد ہے۔ 'مظفر میری جان ہے اور میرا جانان ہے اور مولانا نصیر الدین بھی ایسے ہی ہیں جو کچھ خلافت اور

مقتدائی میں چاہئے سب ان لوگوں میں موجود ہے [۲۲]۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے مریدین میں بہتوں کے نام آپ کے ملفوظات ومکتوبات میں آگئے ہیں۔ان میں سے بہتوں کو خلافت بھی ہوگی کیونکہ آپ کے خلفاء کی تعداد بھی بہت بتائی جاتی ہے مگر وہ جن سے سلسلہ فردوسیہ کی اشاعت ہوئی اور جن کے توسط سے سلسلہ فردوسیہ چلا ان کے نام یہ ہیں [۲۳]۔(۱) مولانا مظفر شمس بلخیؒ (۲) حسین نوشہ توحید بلخیؒ (۳) مولانا آمونؒ (۴) حضرت جناب شاہ شعیبؒ (۵) حضرت سید علیم الدین گیسودراز دانشمند نیشاپوریؒ (۶) حضرت شیخ شمس الدین محمود خضر بدایونیؒ (۷) حضرت نصیر الدین سمنانیؒ۔

خانقاہ حضرت مخدوم جہاںؒ میں سجادگی کا سلسلہ چھ واسطوں تک تو بلخیوں میں یعنی حضرت مولانا مظفر شمس بلخیؒ کے خاندان میں رہا۔اس کے بعد یہ سلسلہ تقریباً ایک سوتیس سال کے بعد خاندان مخدوم میں آگیا جس کی ابتدا حضرت مخدوم شاہ علیم الدین المعروف بہ شاہ محمد بھیکھؒ سے ہوئی اور جناب مخدوم شیخ حافظ درویش بلخیؒ جو اس وقت سجادہ نشین تھے انہوں نے بہ رضا ورغبت حضرت مخدوم بھیکھؒ کو سجادگی پر متمکن کیا۔اسطرح حضرت مخدوم جہاںؒ کی سجادگی کے دو سلسلے قائم ہوگئے۔اولاد مخدوم نے تو خانقاہ معظم کی سجادگی سنبھالی اور بلخی خانوادوں نے مختلف جگہوں پر یہ سلسلہ قائم کیا جن میں خانقاہ فتوحہ زیادہ ممتاز ہے۔

حضرت مخدوم بھیکھؒ مخدوم امام الدینؒ کے صاحبزادے تھے۔انہیں بیعت حضرت شاہ بصیر الدین نورشامیؒ سے حاصل تھی۔اور ان کو شاہ صدرالدین رضاؒ سے اور ان کو حضرت [illegible]رالدین سمنانیؒ اور انہیں حضرت مخدوم جہاںؒ سے۔یہی سلسلہ سجادگی آج تک خانقاہ معظم میں چلی آرہی ہے۔حضرت مخدوم جناب سید شاہ سیف الدین مدظلہ العالی موجودہ سجادہ نشین ہیں۔یہ خاندانی سلسلہ سجادگی آپ تک حسب ذیل واسطوں سے پہنچی ہے [۲۴]۔

(۱) شاہ علیم الدین المعروف بہ شاہ محمد بھیکھؒ (۲) شاہ جلال فردوسیؒ (۳) شاہ اخوند فردوسیؒ (۴) شاہ محمد فردوسیؒ (۵) شاہ احمد فردوسیؒ (۶) دیوان شاہ علی فردوسیؒ (۷) شاہ عبدالسلام فردوسیؒ (۸) شاہ ذکی الدین فردوسیؒ (۹) شاہ وجیہ الدین فردوسیؒ (۱۰) شاہ محمد بزرگ فردوسیؒ (۱۱) شاہ علی فردوسیؒ (۱۲) شاہ علاؤالدین

فردوسیؒ (۱۳) شاہ بدیع الدین فردوسیؒ (۱۴) شاہ علیم الدین درویش فردوسیؒ (۱۵) شاہ ولی اللہ فردوسیؒ (۱۶) شاہ امیر الدین فردوسیؒ (۱۷) شاہ امین احمد فردوسیؒ (۱۸) شاہ ضیاء الدین محمد حیات فردوسیؒ ابن سید شاہ برہان الدین فردوسیؒ (کہ درحین حیات والد خود یعنی شاہ امین احمدؒ وصال فرمودند) (۱۹) شاہ محمد سجاد فردوسیؒ (۲۰) شاہ محمد امجاد فردوسیؒ (۲۱) شاہ سیف الدین فردوسیؒ۔

اگر چہ سجادگی مخدوم تو اس طرح سے خاندان مخدوم میں رہی مگر مروجہ سلسلہ بیعت میں خاندانی سلسلہ رائج نہ ہوا۔ حضرت جناب حضور یعنی جناب سید شاہ امین احمدؒ کو بیعت والد محترم جناب سید شاہ امیر الدینؒ نے سلسلہ شعیبیہ فردوسیہ میں حضرت جناب سید شاہ جمال علی بلخی سجادہ نشین حضرت مخدوم شیعب کے دست حق پرست پر کروائی اور شجرہ بیعت اسی واسطہ سے عطا ہوتا ہے۔ البتہ جناب حضورؒ نے اپنے والدؒ کے واسطہ سے بھی شجرہ بیعت جاری کیا جو حضرت جناب شاہ ابو علا قاضنؒ کے واسطے سے مخدوم جہاںؒ تک پہنچتا ہے۔ یوں تو ظاہر ہے بیشمار واسطوں سے مختلف سلاسل کی اجازت وخلافت صاحب سجادہ کو حاصل ہوتی ہی ہے (حضرت جناب حضورؒ کا ان تمام سلاسل کا منظوم شجرہ شجرات طیبات اور سلسلۃ اللالی کے عنوان سے طبع ہوا ہے) مگر مریدین کو مخصوص سلسلہ میں ہی بیعت کیا جاتا ہے۔

بلخیہ سلسلہ سجادگی جناب حافظ درویشؒ کے بعد کچھ عرصہ تک تو بہار شریف میں ہی رہا اور مختلف مقامات میں اس کی شاخیں بھی پھیلیں مگر براہ راست خاندانی سجادگی جو فتوحہ میں قائم ہوئی بعد فسادات بہار (جو ۱۹۴۶ء میں ہوئے) پٹنہ میں منتقل ہوگئی اور اس کے موجودہ سجادہ نشین حضرت جناب سید شاہ علیم الدین بلخی ہیں۔ یہ خاندانی سلسلہ حسب ذیل ہے[25]:

(۱) مخدوم جیون بلخیؒ (۲) مخدوم فرید بلخیؒ (۳) سید دیوان شاہ دولت بلخیؒ (۴) سید شاہ نور محمد بلخیؒ (۵) سید شاہ علیم الدین بلخیؒ اوّل (۶) سید شاہ سیف الدین بلخیؒ (۷) سید شاہ برہان الدین بلخیؒ (۸) سید شاہ غلام معز بلخیؒ (۹) سید شاہ محمد تقی بلخیؒ (۱۰) سید شاہ علیم الدین بلخیؒ (۱۱) سید شاہ غلام مظفر بلخیؒ (۱۲) سید شاہ غلام شرف الدین بلخیؒ (۱۳) سید شاہ تقی حسن بلخیؒ (۱۴) سید شاہ علیم الدین بلخیؒ۔

حوالہ جات:

(۱) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۵۶

(۲) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۳

(۳) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۴ء صفحہ ۳۱

(۴) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۳

(۵) ایضاً، صفحہ ۳۲۶

(۶) مکتوبات دوصدی، مترجمہ نعیم ندوی، مکتوب ۲۷، صفحہ ۳۴۴

(۷) ایضاً، مکتوب ۹۲، صفحہ ۴۲۷

(۸) ایضاً، مکتوب ۹۵، صفحہ ۴۳۸

(۹) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۶

(۱۰) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۵۲

(۱۱) مقالہ مطیع الامام، مہر نیروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۹

(۱۲) ایضاً، مہر نیمروز شمارہ مارچ ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۵

(۱۳) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۸۱

(۱۴) ایضاً، صفحہ ۲۹۴

(۱۵) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۳ء صفحہ ۱۹ تا ۲۰

(۱۶) ایضاً، صفحہ ۲۱

(۱۷) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۶۹

(۱۸) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ اپریل، مئی ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۶

(۱۹) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۵۴

(۲۰) مکتوبات صدی، مکتوب ۲۸، صفحہ ۳۱۵

(۲۱) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۷

(۲۲) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۸۰

(۲۳) وسیلہ شرف، صفحہ ٦٦

(۲۴) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ مئی ۱۹۷۵ء، صفحہ ۳

(۲۵) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ مارچ، اپریل ۱۹۷۵، صفحہ ۹

معاصرین حضرت مخدوم جہاںؒ

معاصرین مخدوم جہاںؒ: معاصرین حضرت مخدوم جہاںؒ میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں ا۔

(۱) حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ (۲) حضرت اخی سراجؒ پنڈوا شریف (بنگال) (۳) سید جلال الدین بخاریؒ (۴) سید علی ہمدانیؒ کشمیر (۵) شاہ راجو قتالؒ اوچھ (۶) سلمان ساوجی ساوسؒ (۷) شیخ صفی الموسویؒ جار شاہان صفویہ ایران آردبیل (۸) علاؤالدولہ سمنانیؒ خانقاہ سکاکہ سمنان (۹) شیخ اوحدالدین اصفہانیؒ (۱۰) امام یافعی مکہؒ (۱۱) سید امیر کلالؒ ملک شام (۱۲) خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ بخارا (۱۳) سید احمد چرمپوشؒ محلہ انبیر بہار شریف (۱۴) سید رکن الدینؒ ملتانی (۱۵) سید علاؤالحقؒ پنڈوہ۔

اگرچہ یہ تمام اولیائے مشہورین میں سے ہیں اس لئے ان کی معلومات کتابوں میں مل جاتی ہیں مثلاً اخبارالاخیار مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ میں بہت سے بزرگوں کا ذکر ہے۔ پھر بھی یہاں پر ایک مختصر تذکرہ ان بزرگوں کا کیا جائے گا جن کا مخدوم جہاںؒ سے تعلق مشہور ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے خلفاء میں سے بھی کم از کم تین یعنی مخدوم مولانا مظفر شمس بلخیؒ، مخدوم شعیبؒ اور مخدوم حسین معز بلخیؒ کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا حضرت مخدوم جہاںؒ سے ان کے خصوصی تعلق کی بنا پر۔

حضرت جلال الدین بخاریؒ ۲: آپ کا اسم گرامی سید جلال الدین تھا لیکن عام طور پر مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس لقب کی وجہ سیر العارفین کے مصنف نے یہ بتائی ہے کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی، حضرت شیخ صدرالدین اور حضرت شیخ رکن الدین کے مزاروں پر جاکر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں مخدوم جہانیاں

جہاں کالقب ملا۔ گنج ارشدی میں یوں مذکور ہے کہ جب حضرت مخدوم جہاںؒ سے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی ملاقات ہوئی تو حضرت مخدوم جہانیاں نے حضرت مخدوم کو کہا کہ آپ مخدوم جہاںؒ ہیں۔ اس پر حضرت مخدوم جہاںؒ نے کہا کہ آپ مخدوم جہانیاں ہیں۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ نے چونکہ سیاحت بہت کی اسلئے مخدوم جہانیاں جہاں گشت مشہور ہو گئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے دادا کا نام جلال الدین سرخ بخاری تھا اور آپ حضرت مخدوم بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ مخدوم جہانیاں کے والد کا نام سید احمد کبیر تھا اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام تقی کے واسطے سے سیدنا علی ابن ابی طالب و خاتون جنت حضرت بی بی فاطمہؓ سے ملتا ہے۔ آپ اچہ میں ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم قاضی علامہ بہاء الدین، مولانا مجد الدین، شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے ہوئی۔ آپ نے تصوف میں پہلے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور بیعت حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کے پوتے حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے دست حق پرست پر کی۔ آپ کو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے بھی اجازت و خلافت ہے۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کو شیخ الاسلام کے منصب پر فائز کیا اور آپ کے لئے سیوسان اور اس کے مضافات کی مسند خانقاہ محمدی مخصوص ہوئی۔

حضرت مخدوم جہانیاں کو حضرت مخدوم جہاںؒ سے غایت الفت و محبت تھی۔ مشہور واقعہ ہے کہ شیخ عز کاکوی اور احمد بہاری جو اسرار توحید میں شطحیات بولتے تھے انہیں بادشاہ دہلی نے علماء دہلی کے کہنے پر قتل کیا۔ شاید ان دنوں یہ بزرگوار دہلی گئے ہونگے۔ جب حضرت مخدوم کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ جس شہر میں ایسی ہستیوں کا قتل ہو تعجب ہے کہ وہ شہر قائم ہے۔ جب بادشاہ کو اس کی خبر ملی بادشاہ نے علماء کو جن کے مشورہ سے قتل کا حکم دیا گیا تھا انہیں طلب کیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کے کہنے سے ہم نے قتل کیا تھا اور اب حضرت مخدوم یہ فرماتے ہیں۔ علماء نے کہا کہ انہیں بلایا جائے تا کہ ان سے پوچھا جائے کہ ایسا کیوں فرماتے ہیں۔ بادشاہ نے طلبی کا پروانہ بہار روانہ فرما دیا۔ اس اثنا میں حضرت مخدوم جہانیاں کا ایک خادم کچھ تبرکات لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے فرمایا اب کے حضرت نے اتنی دیر سے تبرکات بھیجی ہیں وجہ کیا ہے۔ خادم نے کہا کہ حضرت مکتوبات حضرت مخدوم جہاںؒ شیخ شرف الدینؒ کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ یہ

مکتوبات وہ خلوت میں پڑھتے تھے اور لوگوں سے ملاقات نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے دیر ہوگئی۔ بادشاہ مخدوم جہانیاں کا عقید تمند تھا۔ یہ سن کر خفیف ہوا اور فوراً دوسرا پروانہ بہار بھیجا اور پہلے پروانہ کا حکم کالعدم کیا اور معذرت کرلی کہ دہلی آنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ پہلا فرمان شاہی تو پہلے پہنچ چکا تھا حضرت مخدوم جہاںؒ نے اسی وقت فرمادیا تھا کہ فکر نہ کرو دوسرا پروانہ اس حکم کی منسوخی کا حضرت مخدوم جہانیاں کے طفیل سے آرہا ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں فرماتے ہیں کہ مکتوبات کا وہ اکثر مطالعہ کرتے ہیں اور بہت سے مقامات اب تک سمجھ میں نہیں آئے ہیں۔

حضرت مخدوم جہانیاں کا وصال ۷۸۵ھ میں بمقام اچہ ملتان ہوا اور وہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلی ۳: آپ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے نہایت ممتاز اور مشہور خلیفہ تھے۔ پیر و مرشد کی رحلت کے بعد ولایت دہلی پر فائز ہوئے۔ چراغ دہلی آپ کا لقب تھا۔ آپ کے جد بزرگوار شیخ عبداللطیف یزدی خراساں سے لاہور آئے تھے۔ آپ کے والد شیخ محمود یحیٰ یہیں پیدا ہوئے اور سن شعور کو پہنچ کر اودھ چلے گئے جہاں حضرت نصیر الدین محمود پیدا ہوئے اور اسی بنا پر آپ کو اودھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی تعلیم قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا افتخار الدین گیلانی سے ہوئی۔ پچیس سال کی عمر میں محاسبہ نفس میں مشغول ہوگئے۔ ایک بزرگ کے ساتھ آٹھ سال تک جنگل میں رہے۔ مگر صحرا نوردی میں بھی نماز کے پابند رہے۔ تینتالیس سال کی عمر میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ سے آپ کو بہت محبت تھی۔ ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خانقاہ میں حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونیؒ تشریف لائے۔ نماز تہجد کے لئے اٹھے وضو کے لئے غسلخانہ گئے تو کپڑا باہر رکھ دیا۔ واپس آئے تو کپڑا غائب پایا۔ اس کے لئے کافی شور مچایا۔ حضرت نصیر الدین محمودؒ تشریف لائے اور فرمایا کہ اس شور سے حضرت کی عبادت میں خلل پڑے گا۔ اپنا کپڑا اتار کر خواجہ کو پیش کیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت محبوب الٰہی کو اس کی خبر ملی۔ محبوب الٰہی نے حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے پاس بالاخانہ طلب فرمایا اور اپنا خاص لباس عطا

فرمایا اور بہت دعائیں دیں۔ آپ نے بروز جمعہ ۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ رحلت فرمائی اور دہلی میں مدفون ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں ملفوظات کے دو مجموعے خیر المجالس اور مفتاح العاشقین مشہور ہیں۔

حضرت نصیر الدین محمودؒ نے مکتوبات حضرت مخدوم جہاںؒ کی بہت ہی پر شکوہ الفاظ میں تعریف کی ہے۔ ایک دن مطالعہ مکتوبات کے دوران حالت استغراق میں فرمایا، سبحان اللہ شرف الدین منیری نے کفر صد سالہ ما بر کف دست نمود۔ یعنی ہمارے سو سالہ کفر کو ہتھیلی پر رکھ کر دکھلا دیا۔

حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ[۴]: حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ حضرت شہاب الدین پیر جگجوتؒ کے نواسے اور حضرت مخدوم جہاںؒ کے حقیقی خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ کے والد کا نام موسیٰ ہمدانیؒ تھا جن کا سلسلہ نسب حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے۔ آپ کی ولادت ۶۵۷ھ میں ہوئی اس طرح آپ حضرت مخدوم جہاںؒ سے تقریباً چار سال بڑے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت مروجہ نصاب تعلیم کے مطابق گھر پر ہی ہوئی۔ علم ظاہری کے بعد علم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کو سلسلہ سہروردیہ سے عقیدت ہوئی۔ نانا بھی اسی سلسلہ کے بزرگ تھے مگر ۶۶۶ھ میں وفات پا چکے تھے۔ ارادت کے سلسلہ میں یہ روایت ہے کہ آپ اور شیخ حسین مہسویؒ حضرت شیخ سلیمان مہسویؒ کے پاس حاضر ہوئے۔ دونوں کے پاس کچھ کپڑا نہ تھا۔ شیخ سلیمانؒ نے کچھ رقم دونوں کو کپڑے خریدنے کے لئے دی۔ یہ دو بزرگوار جب باہر نکلے تو مشاورت کی اور دونوں کا یہ خیال ہوا کہ اتنی رقم میں تو دونوں کے لئے کپڑے نہ ہو سکیں گے چنانچہ شیخ حسینؒ نے دہکرہ خرید لیا اور شیخ احمدؒ نے چرم (چمڑا) پہن لیا۔ جب یہ دونوں حضرت سلیمانؒ کے پاس پہنچے تو ان دونوں کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ تم دونوں کے لئے یہی کافی ہے اور مبارکباد دی۔ آپ کا مشہور لقب چرمپوش ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں حضرت جناب سید شاہ حسین احمدی سہروردی صاحب ☆ نے اپنے جد بزرگ جناب سید شاہ ظفر احمد سہروردیؒ کے دست خاص کے تحریر کردہ نسخہ سے یہ اقتباس مرحمت فرمایا ہے:

☆ آپ حضرت مخدوم احمد چرمپوشؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ کراچی میں مقیم ہیں اور خاندانی سلسلہ کی خدمت بطریق احسن سرانجام دے رہے ہیں۔ حاجتمندوں کی حاجت روائی سے خاص شغف رکھتے ہیں۔ اللہ پاک آپ کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین!

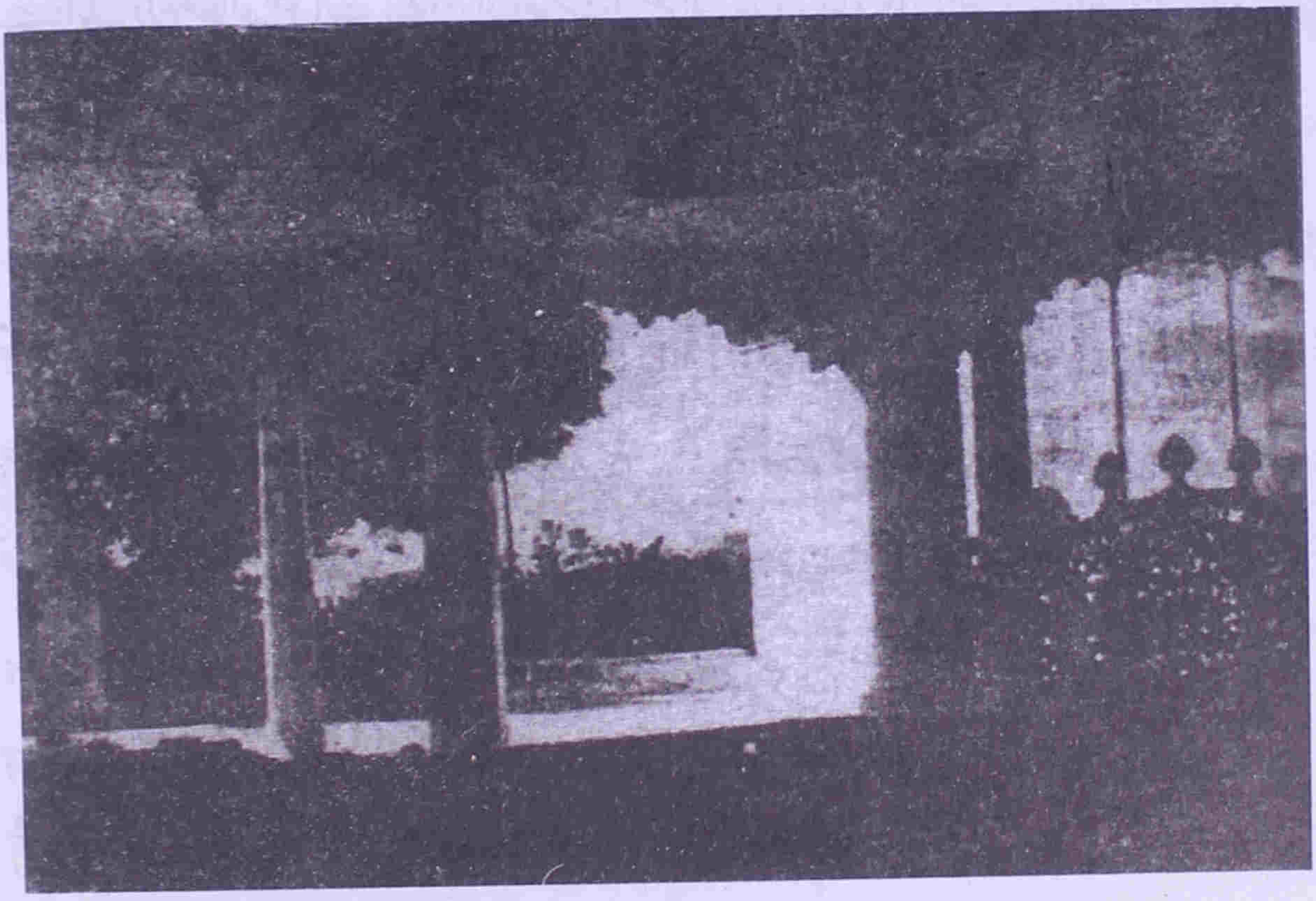

روضۂ اقدس مبارک حضرت مخدوم احمد چرمپوش انبیر (بہار شریف)

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ
عظیم آباد، پٹنہ
دائرہ پورہ فتوحہ

''حضرت مخدوم بزور کرامت کہ درجہ ملکی می داشتند خود را بمقام سیوان رسانیدند و در آنجا حضرت حسن پیارے کہ از مدت منتظر حضرت مخدوم بودند نعمت غیر مترقبہ یافتہ مشرف بہ بیعت شدند و زر و جواہرات پیش آوردند در آں وقت حضرت مخدوم فرمودند کہ ایں ہمہ اجناس مراچہ کار آمدنی ست بازدار۔ الا چرم دنبہ قربانی حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کہ تو داری مرا بدہ۔ از فرمودہ پیر سرتابی چگونہ کردندے۔ فوراً پیش نہادند۔ حضرت مخدوم آنرا چاک فرمودہ در گردن خود انداختند از اں وقت از جذب سلوک آمدند و از اں وجہ ملقب بہ ''چرم پوش'' شدند۔

(ترجمہ) حضرت مخدوم نے اپنی کرامت کے زور پر کہ فرشتوں کے درجہ میں تھی خود کو سیوان پہنچا دیا۔ وہاں مدت سے حضرت حسن پیارے آپ کے منتظر تھے۔ آپ نے نعمت غیر مترقبہ پا کر حضرت مخدوم سے شرف بیعت حاصل کیا اور سونا اور جواہرات آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ان چیزوں سے مجھے کیا کام ہے ان کو تو اپنے پاس رکھیں۔ بیشک حضرت اسماعیل ذبیحہ اللہ سے منسوب قربانی کے دنبہ کی کھال جو آپ کے پاس موجود ہے مجھے دے دیں حکم مرشد سے سرتابی کیونکر کی جاسکتی تھی۔ فوراً پیش کر دیا حضرت مخدوم نے اس کو چاک کر کے اپنی گردن میں ڈال لیا اور اس وقت سے جذب سے سلوک میں آگئے اور یہی آپ کی چرمپوش لقب پانے کی وجہ ہوئی''۔

حضرت شیخ احمد چرم پوش کے پیر کا نام علاء الدین علاء الحق سہروردیؒ ہے جن کو حضرت سلیمان مہویؒ سے ارادت و خلافت تھی۔ حضرت سلیمان مہویؒ مرید و خلیفہ حضرت مولانا شیخ تقی الدین مہویؒ کے تھے جو خود حضرت خواجہ احمد دمشقیؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور خواجہ احمد دمشقیؒ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ نے تبلیغ دین کے لئے بہت سیر و سیاحت کی۔ آپ سے کشف و کرامت بہت ظاہر ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ صاحب دیوان شاعر تھے جو خانقاہ انبیر کے سجادہ نشین حضرت جناب سید شاہ ظفرؒ کے پاس موجود تھا۔ آپ سے ایک رسالہ توحید بھی منسوب ہے۔ اس کی نقل خانقاہ بلخیہ میں حضرت جناب سید شاہ تقی

حسن بلخیؒ کے پاس موجود تھی۔

مشہور روایت ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ شیخ کو زندہ اور مردہ کرنے پر قدرت ہوتی ہے۔ یہ چند مکھیاں میرے ہاتھ میں پڑی ہیں انہیں زندہ کر دیجئے۔ مخدوم جہاںؒ جن کو اظہار کرامت سے بہت احتراز تھا فرمانے لگے مجھ درماندہ میں یہ صلاحیت کہاں یہ تو حضرت مخدوم احمد چرم پوش کر سکتے ہیں۔ وہ بد بخت ان کے پاس چلا گیا۔ حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ صاحب جلال بزرگ تھے۔ پہلے تو فرمایا کہ یہ کام تو حضرت مخدوم شرف الدین کر سکتے ہیں۔ یہ فرما کر مکھیوں کو کہا کہ اٹھ جاؤ۔ مکھیاں زندہ ہو کر اڑ گئیں۔ اس شخص کو تنبیہ نہیں ہوئی اور کہنے لگا کہ مردہ کا زندہ کرنا تو دیکھ لیا اب زندہ کو مردہ کرنا دکھا دیجئے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا جا راستہ میں اس کا مشاہدہ ہو جائے گا وہ لوٹ گیا اور راستے میں مر گیا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کو اس کی خبر ہوئی، بہت تاسف کیا۔ اس کے نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ جب حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ کو اسکی خبر ہوئی تو آپ نے بھی شرکت کی۔ آپ کا وصال ۲۶ صفر المظفر ۷۷۶ھ میں ہوا۔ گنج ارشدی نے ۲۷ صفر ۷۷۶ھ بروز سہ شنبہ لکھا ہے۔ عرس تو ۲۶ صفر کو ہی ہوتا ہے۔ آپ کی آرام گاہ محلہ انبیر بہار شریف میں مرجع خلائق ہے۔

کچھ نمونہ کلام یہ ہے:

چو خودرا جملہ در بازی بقا اندر بقایابی — شوی زندہ باد دائم چو از خود رو بگردانی
بکوبش جان و دل بازی پس انگہ دررسی آنجا — وگرنہ تو کجا دانی کمال عشق سبحانی
ہمائے ہمت مردم ترا بر خود بجاں گیرد — بمیدانی رسی کانجا دو دست از جملہ افشانی
برائے کعبہ وحدت بسر پیمائی منزل را — کہ قطع راہ بس مشکل بدیں رفتار نتوانی
علم بالائے گردوں زن چو مرغ روح ہر ساعت — کہ چوں از دام تن رستی شدی تو مرغ روحانی
تجلائے رخش آنجا جمال از پردہ بنماید — شود ذات تو مستغرق بنور ذات نورانی
سلام اندر سلام آید کلام اندر کلام آید — عیاں اندر عیاں بینی ہمہ اسرار پنہانی
نہ آنجا درد و نے درماں نہ آنجا ملک نے فرمان — نہ آنجا نقد و نے وجداں نہ آنجا رنج و آسانی

بملک لم یزل بینی جمال بادشاہی را — کہ باشد کمترین ملکش ہمہ ملک سلیمانی

ہمہ ہستی عدم بینی بتہ نور قدم بینی — نہ تن آنجانہ دم بینی۔ رہی از صورت فانی

حضرت مخدوم مولانا مظفر شمس بلخیؒ: آپ حضرت مخدوم جہاںؒ کے چہیتے مرید ہیں اور حضرت مخدوم جہاںؒ کے خلیفہ اوّل اور سجادہ نشین بھی ہوئے۔ آپ ہی کے بارے میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرط محبت میں ایک دفعہ یہ فرمایا تھا: تن شرف الدین جاں مظفر، جان شرف الدین تن مظفر، مظفر شرف الدین شرف الدین مظفر۔ آپ کے والد سلطان سید شمس الدینؒ بلخ کے حکمران اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی اولاد میں سے تھے۔ تغلق خاندان کے دور حکمرانی میں آپ کسی ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ کسی بات پر منغض ہو گئے اور تارک الدنیا ہو گئے۔ اس زمانے میں حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ کی بہار میں بہت شہرت تھی۔ آپ حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ سے بیعت ہوئے اور یہیں ریاضت و مجاہدہ میں لگ گئے۔ جب دہلی میں بیوی بچوں کو آپ کے متعلق علم ہوا تو وہ بھی بہار آ گئے۔ حضرت مولانا مظفرؒ کے منجھلے بھائی شیخ معزؒ اور چھوٹے بھائی شیخ قمر الدینؒ بھی حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ سے بیعت ہو گئے۔ مگر مولانا مظفرؒ نے کچھ تحصیل علم شریعت کیا تھا، اس لئے بیعت کے لئے کسی صاحب علم مرشد کی تلاش میں تھے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کی طرف میلان تھا۔ والد نے اجازت بھی دے دی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ علمی مشکلات سے متعلق سوالات کر دیئے۔ مخدوم جہاںؒ بہت سہولت سے ان کا جواب دیتے مگر مولانا کو اپنے علم پر بڑا غن تھا۔ مباحثہ کی شکل اختیار کر لی اور ہر بات میں لانسلم کہہ دیتے تھے۔ حضرت مخدوم کو جو کمال علم حاصل تھا اس کا ٹھہراؤ انہیں تسلی سے سمجھاتا رہا اور بالآخر حضرت مولانا قائل ہو گئے اور بیعت کر لی۔ اب مخدوم جہاںؒ کی تربیت میں آ گئے۔ مخدوم نے فرمایا اب تک تم نے جو علم دین حاصل کیا وہ دنیا طلبی کے لئے تھا اب جاؤ از سر نو علم حاصل کرو۔ آپ دہلی تحصیل علم کے لئے چلے گئے۔ اس درمیان آپ کو مدرسہ میں معلمی بھی عطا ہو گئی۔ ایک دن ایک کیفیت طاری ہوئی، مدرسہ چھوڑا اور بہار پہنچ کر خدمت مخدوم میں حاضر ہو گئے۔ مخدوم نے خانقاہ کے فقراء کی خدمت پر لگا دیا۔ سطوت سلطانی کے تمام آثار ختم ہو گئے۔ جن کڑی شرائط پر حضرت مخدوم

کی تربیت ہوئی تھی مولانا مظفر کو بھی اسی سندان عشق سے گزرنا پڑا۔ آپ فقراء کی خدمت میں جب مامور تھے تو یہ پڑھتے تھے:

خوشم بدولت خواری و ملک تنہائی   کہ التفات کسے رابروزگارم نیست

متاع دنیا کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اپنا گھر لٹوا دیتے تھے۔ ایسے میں اپنے چہیتے بھتیجے مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ جو آپ کے بیٹے ہی کہلائے اور آپ کے زیر عاطفت رہتے تھے انہیں بھی بھول جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت نوشہ توحیدؒ کا بقچہ (بکسہ) کسی سائل کو دے دیا۔ ایک اور موقع پر دینے کو کچھ نہ تھا تو سائل کو مسلم شریف کا وہ نسخہ جو حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کا تھا جسے مولانا نے مطالعہ کے لئے لیا تھا اسے سائل کو دے دیا۔ جب اس کی خبر حضرت حسینؒ کو ہوئی تو اچھی قیمت دے کر اسے سائل سے واپس لے لیا۔

حضرت مخدوم مولانا مظفر بلخیؒ میں ذرا جلال کی کیفیت بھی تھی۔ ہر چند کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی تاکید تھی کہ اظہار کرامت سے گریز کیا جائے مگر اضطراراً مولانا سے کچھ ایسا صدور ہو ہی جاتا تھا جس پر حضرت مخدوم جہاںؒ کی خفگی کا تازیانہ حضرت مولانا کو پڑتا تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں شیخ منہاج الدینؒ جنہوں نے چند ایک حج کئے تھے کچھ بات اعتراضاً حضرت مخدوم جہاںؒ کے حج نہ کرنے کی بابت کہہ دی۔ حضرت مولانا کو ناگوار گزرا۔ جوش میں آ گئے۔ مولانا منہاج الدین کو کہا کہ کیا حج کی رٹ لگا رکھی ہے۔ غلامان شرف الدین کی آستین میں دیکھو۔ مولانا نے جو دیکھا تو خانہ کعبہ نظر آیا۔ مولانا کو تعجب ہوا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کو خبر ہوگئی۔ بہت ناراض ہوئے، فرمانے لگے کہ تم جتنا کرامت کا اظہار کرو گے کرامت والے سے دور ہوتے جاؤ گے۔

ایک دفعہ آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ ایک مشکل پیش آئی۔ آپ نے اپنے معمول کے مطابق توجہ مرشد سے اس کا حل چاہا مگر حل مشکل نہ ہو سکا۔ چند ایک روز اسی طرح گزر گئے۔ ایک شب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ مظفر یہ زمین پیغمبروں کی ہے شرف الدین ادب کی بنا پر جو ان کو ہے اس زمین میں تصرف نہیں کرتے۔ اگر تم کو کوئی حاجت ہے تو مجھ سے کہو اور اگر شرف الدین سے

ہی کہنا ہے تو یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ اور عرض کرو۔ آداب طریقت کے پیش نظر حضرت مولانا مظفرؒ نے مکہ معظمہ سے دور جا کر مرشد سے ہی حل مشکل کی استدعا کے لئے توجہ شیخ کیا اور حل مطلب ہو گیا۔ طریقت میں ادب کا بڑا مقام ہے۔ مرید جو کچھ طلب کرے پیر کے توسل سے ہی کرے۔

آپ شاعر بھی تھے اور آپ کے بھی مکتوبات کا مجموعہ (تقریباً دو سو مکتوب ہیں) مرتب ہے مگر طبع نہیں ہوا ہے۔ آپ کا ایک فارسی دیوان ہے۔ آپ کا وصال رمضان المبارک ۷۸۸ھ میں عدن میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ مگر مزار مبارک کا آج کل پتہ نہیں شاید ایک احاطہ میں مدفون ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ آپ کے خطوط کے جواب میں خط لکھا کرتے تھے۔ یہ زیادہ تر حضرت مولانا کے راہ سلوک میں حل مشکلات کے طور پر لکھے گئے جنہیں مولانا کسی کو دیکھنے نہیں دیتے تھے اور آپ کے حسب ہدایت وہ تمام خطوط آپ کے ساتھ دفن کر دیئے گئے۔ بعد دفن اٹھائیس مکتوب کہیں اور جگہ پڑے مل گئے۔ اب انہیں کون دفن کر سکتا تھا اس طرح یہ منظر عام پر آ گئے اور مکتوبات بست وہشت کے عنوان سے طبع ہو چکے ہیں۔ نمونہ کلام کے طور پر حضرت مخدوم جہاںؒ کی منقبت کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

آں قدسی کہ نور جمال و جلال داشت — درلا تمام بود ورالا کمال داشت

قطب زماں کہ بدشرف الحق دریں جہاں — درآسماں بہ جمع ملائک جمال داشت

او در فنا بہ حد نہایت رسیدہ بود — ملک بقائے ایزد باقی نوال داشت

حضرت مخدوم شعیبؒ: حضرت عبدالعزیزؒ بن امام تاج فقیہؒ کے پوتے اور حضرت جلال منیریؒ کے بیٹے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۶۸۸ھ میں ہوئی، شاہ شعیبؒ سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ آپ بچے ہی تھے کہ آپ کے والد حضرت جلالؒ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت جلالؒ کا مزار منیر میں حضرت مخدوم یحییٰؒ کے مزار کے سامنے ہے۔ مخدوم شعیبؒ کی والدہ مکرمہ سعیدہ بنت شیخ ابوبکر بن مخدوم ابراہیم بن اسماعیل بن تاج فقیہ تھیں۔ مخدوم شعیب کی پرورش نہیال (کنجا نوہ) میں ہوئی۔ جب آپ جوان ہوئے تو عشق الٰہی کی آگ دل میں بھڑکی اور دانا پور (پٹنہ، بہار) کے جنگلوں میں اقامت اختیار کر لی۔ آپ کو حضرت مخدوم جہاںؒ سے ارادت تھی۔ جنگل میں آپ نے بھی ایک مدت گزار دی۔ اسی صحرانوردی کے دوران آپ جنگل مورنگ

(نیپال) پہنچ گئے۔ روایت ہے کہ وہاں کے راجہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ اس کے علاقے میں ایک مسلمان آ گیا ہے تو آپ کو دربار شاہی میں طلب کیا۔ وہاں راجہ کے دربار میں ریاضت کے سلسلہ میں وہاں کے جوگی سے آپ کا مناظرہ ہو گیا[۶]۔ حبس دم کے سلسلہ میں مقابلہ کے بات ٹھہر گئی۔ جوگی نے کہا کہ چالیس دن کا حبس دم کر سکو گے تو آپ نے فرمایا یہ تو ہمارے یہاں کے بچے کرتے ہیں۔ بارہ سال کی بات کرو۔ جوگی تو اسکے لئے تیار نہیں تھا مگر راجہ نے اس کا اہتمام کروا دیا۔ ایک کنواں کھودا گیا جس میں دو طاق ایک دوسرے کے مقابل بنا دیئے گئے۔ ایک طاق پر جوگی دوسرے پر مخدوم شعیبؒ کو جگہ دی گئی اور کنواں سر بمہر کر دیا گیا۔ بارہ سال بعد جب کنواں کھودا گیا تو جوگی تو خاک ہو چکا تھا، اس کی ہڈیاں ملیں۔ مگر مخدوم شعیبؒ زندہ تھے البتہ بہت نحیف ہو چکے تھے۔ ان کو نکالا گیا اور ان کی خدمت کی گئی تو وہ تندرست و توانا ہو گئے۔ راجہ اور دوسرے بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔ اگرچہ اس قسم کی روایت کو آج کل قابل اعتناء نہیں سمجھا جاتا ہے مگر کہا جاتا ہے کہ آج بھی اس کنویں کی یادگار موجود ہے۔ اور وہاں کسی موقع پر حضرت مخدوم کا فاتحہ ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم شعیبؒ نے شیخپورہ میں اقامت اختیار کر لی تھی اور مشہور ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ بھی شیخپورہ جایا کرتے تھے۔ مگر یہ بات مصدقہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے وصال کے وقت مخدوم شعیب حاضر نہیں تھے۔ شاید ابھی صحرا میں ہی سلوک کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیخپورہ میں کچھ دنوں قیام کر کے پھر صحرا نوردی پر نکل گئے ہوں۔ کیونکہ بہر صورت مخدوم جہاںؒ نے کچھ تبرکات یعنی اپنا پیرہن، دستار، پیٹی اور قینچی حضرت مخدوم شعیبؒ کے لئے مختص کر دیا تھا اور مولانا مظفرؒ کو ہدایت کر دی تھی کہ جب مخدوم شعیبؒ آ جائیں تو انہیں یہ تبرکات پہنچا دیئے جائیں۔ مولانا مظفر بلخیؒ نے عدن روانہ ہوتے وقت یہ تبرکات حضرت شیخ حسین نوشہ توحید بلخیؒ کے سپرد کر دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ اسے جلد مخدوم شعیبؒ تک پہنچا دیا جائے۔ کافی وقت گزر گیا اور یہ تبرکات مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ کے پاس پڑے رہے کہ ایک شب انہیں جلد مخدوم شعیبؒ کو پہنچانے کی ہدایت ہوئی۔ شاید اب وہ آبادی میں آ گئے ہونگے۔ حضرت مخدوم حسینؒ نے اپنے صاحبزادے مخدوم حسن دائم جشنؒ کو تبرکات کے ساتھ مخدوم شعیبؒ کے پاس بھیجا۔ ملاقات شاید کہیں راستے میں ہی ہو گئی۔ مخدوم حسن دائم جشنؒ نے عرض حال کیا۔ مخدوم شعیبؒ نے تبرکات لینے سے پہلے

ایک شرط عائد کردی اور وہ یہ کہ پہلے مخدوم حسن دائم حسنؒ انہیں مرید کریں۔ ازراہ ادب مخدوم حسن دائم جشن نے بہتیرا معذرت کی مگر مخدوم شعیبؒ کے اصرار پر الحکم فوق الادب کے تحت مخدوم شعیبؒ کی بیعت لی اور تبرکات مخدوم ان کے سپرد کیا۔ یہ راز کیا تھا اسے تو مخدوم شعیبؒ ہی جانتے ہونگے۔ بہرصورت یہ حقیقت ہے کہ شعیبیہ فردوسیہ کا سلسلہ بیعت مخدوم شعیبؒ کے بعد تین واسطوں سے حضرت مخدوم جہاںؒ تک پہنچتا ہے، یعنی مخدوم شعیب پھر مخدوم حسن دائم جشنؒ بلخی پھر حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ بلخی پھر مولانا مظفر شمس بلخیؒ پھر حضرت مخدوم جہاںؒ شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ۔

اکابرین سلسلہ عالیہ فردوسیہ کے حالات زندگی پر مشتمل آپکی مشہور تصنیف مناقب الاصفیاء ہے۔ اس کے زمانہ تحریر سے متعلق ایک محققانہ تجزیہ حضرت جناب ڈاکٹر شمیم الدین احمد منعمی نے پیش کیا ہے جو حالیہ مطبوعہ نسخہ مناقب الاصفیاء، جو مکتبہ شرف خانقاہ المعظم بہار شریف سے نشر کیا گیا ہے، میں بعنوان (مناقب الاصفیاء حاصل مطالعہ) شامل کرلیا گیا ہے۔ اس کے کچھ اقتباس کو پچھلے صفحات میں پیش کیا جاچکا ہے۔

حضرت مخدوم شعیبؒ کی وفات بوقت عصر بتاریخ ۱۲ ربیع الآخر ۸۲۴ھ ہوئی۔ نسب نامہ میں سنہ وفات ۸۰۲ھ مذکور ہے۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ کے مطابق مخدوم شعیب کی شادی تورا میں فاروقی خاندان میں ہوئی اور آپ کے چار صاحبزادے تھے، شیخ بہاء الدین، شیخ منصور، شیخ مظفر اور شیخ شمس الدین۔ آپ کا مزار شیخپورہ میں مرجع خلائق ہے۔

تاریخ وفات اگر ۸۲۴ھ مان لی جائے تو بھی، جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے، پروفیسر ڈاکٹر شمیم الدین منعمی کی تحقیق کے مطابق مناقب الاصفیاء کی تکمیل ۸۴۴ھ میں یعنی حضرت مخدوم شعیب کے وصال کے بھی بیس سال بعد ہوئی۔ اس مسئلہ پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت مخدوم شعیبؒ نے اس کام کی ابتداء اپنی عمر کے آخر حصہ میں حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ کی زندگی میں کردی ہوگی جو آپ کی زندگی میں نامکمل رہی ہوگی اور اسے بعد میں کسی قریبی عقیدتمند نے ۸۴۴ھ میں مکمل کیا ہوگا اور شاید یہی وجہ رہی ہوگی کہ اس کے مصنف کا نام اصل نسخہ میں موجود نہیں۔

مخدوم حسین نوشہ توحید بلخیؒ: حضرت مخدوم حسین معز شمس بلخیؒ الملقب بہ نوشہ توحید حضرت معز شمس بلخیؒ کے صاحبزادے اور حضرت مولانا مظفر شمس بلخیؒ کے بھتیجے اور معنوی بیٹے تھے اور حضرت مخدوم جہاںؒ کے سلسلہ سجادگی پر متمکن خلیفہ دوم تھے۔ آپ نے حضرت مخدوم جہاںؒ اور مولانا مظفر بلخیؒ دونوں سے تعلیم پائی اور حضرت مخدوم جہاںؒ سے چالیس سال فیضیاب رہے۔ آپ ظفرآباد میں پیدا ہوئے تو مخدوم جہاںؒ نے مولانا مظفرؒ کو خبر دی کہ تمہیں بیٹا ہوا ہے۔ مولانا مظفرؒ متعجب ہوئے کہ ان کو بیٹا کیونکر ہو گیا حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا تمہارے بھائی معز شمس کے یہاں بیٹا ہوا ہے اور ان کے فرزند تمہارے ہی فرزند ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنا پیرہن مبارک اور اپنے رومال سے ایک کلاہ پنجگانہ سلوا کر ظفرآباد بھجوایا اور کہلا بھیجا کہ اس پیراہن سے کپڑا سلوا کر بچے کو پہنایا کریں اور کلاہ چھٹے دن پہنائی گئی جسے آپ زندگی بھر پہنے رہے۔ جب آپ اس کو اتار دیتے تو چھوٹی لگتی تھی اور جب پہن لیتے تو بالکل صحیح آتی تھی۔ آپ کی تعلیم و تربیت میں مولانا مظفرؒ نے بہت کاوش کی۔ تربیت کا انداز بھی کیسا مشفقانہ تھا! تہجد کی نماز کی عادت ڈالنے کے لئے مولانا پہلے خود ثرید تیار کرتے تھے۔ پھر پسر معنوی مخدوم حسینؒ کو اٹھاتے اور کہتے کہ پہلے تہجد کی نماز پڑھ لو پھر ثرید کھانا۔

آپ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ مولانا مظفرؒ حضرت مخدوم جہاںؒ کو وضو کروا رہے تھے۔ حسین جو وہاں پر موجود تھے کھیلتے کھیلتے حضرت مخدوم کے مصلے پر آ کھڑے ہوئے اور حضرت مخدوم کی دستار مبارک پہن کر مصلے پر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت مولانا نے دیکھ لیا بچے کو ڈانٹنے لگے حضرت مخدوم مسکرائے اور فرمانے لگے ڈانٹتے کیوں ہو یہ اپنی جگہ پہچانتا ہے۔

ایک دفعہ مکہ معظمہ کے قیام کے دوران آپ نے ایک درود شریف تالیف کی۔ اسی شب حضرت رسالتمآب ﷺ نے حضرت مولانا مظفرؒ کو خواب میں یہ فرمایا کہ آج تمہارے حسین نے مجھے ایک بہت ہی اچھا تحفہ بھیجا ہے کہ ایسا تحفہ کسی نے اب تک نہیں بھیجا اور فرمایا کہ پہلے میرے محبوب ایک حسین تھے اب دو ہو گئے ہیں۔ مولانا مظفرؒ نے وہ درود اسی وقت یاد کر لیا، پھر حجرہ حسینؒ میں گئے اور خواب بیان کیا۔ حضرت حسین نے فرمایا ہاں میں نے مندرجہ ذیل درود آج ہی تالیف کیا ہے:

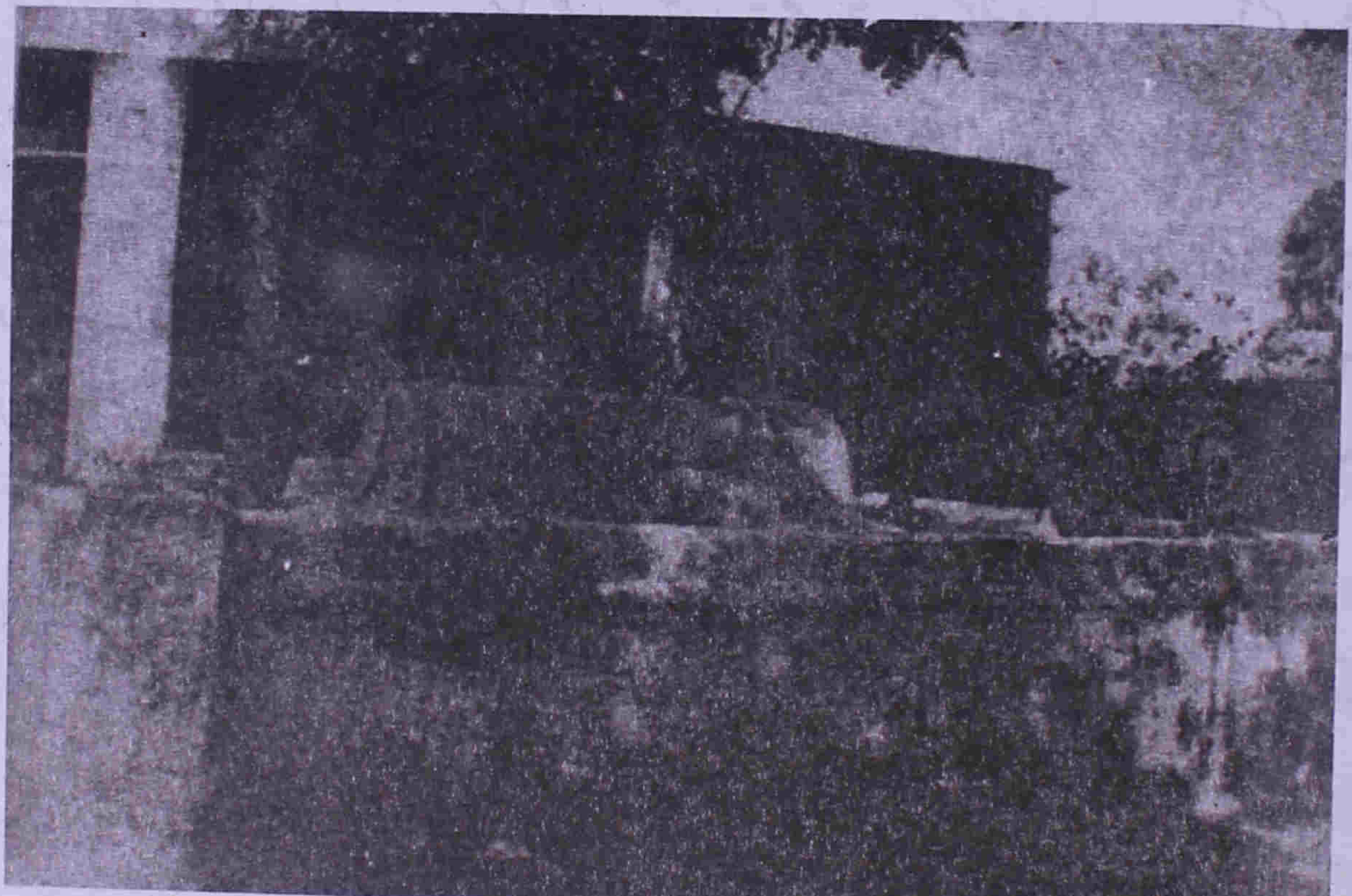

روضۂ اقدس حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخیؒ پہاڑ پورہ (بہار شریف)

اللّٰھم صلے علیٰ محمد وعلی آل محمد عدد خلقك و رضاء نفسك وزنته عرشك و مداد کلماتك

اس درود شرف کی بڑی مقبولیت ہوئی اور مکہ معظمہ میں موجود اولیاء اللہ کو بھی اس کی بشارت ہوئی اور انہوں نے بھی اس درود شرف کو یاد کر لیا۔

آپ کسی کو مرید کرنے سے پہلے کبھی اسے آزماتے بھی تھے۔ اس کو تھوڑا سالن سے روٹی کھانے کو دیتے اور تھوڑے پانی سے وضو کرنے کو۔ اگر اس میں وہ کامیاب ہوتا تو اس کو قبول فرما لیتے۔ آپ نے ایک دفعہ اپنے دو بیٹوں حضرت مخدوم سلمانؒ اور حضرت حسن دائم جشنؒ کا امتحان بھی عجب انداز سے لیا۔ دونوں کو ایک ایک مٹکا گل شکر کا بھیجا۔ حضرت سلمانؒ نے احترام سے لے لیا اور احترام سے رکھ دیا۔ حضرت حسن دائم جشنؒ نے لیا اور اس کو پٹک دیا اور جو لوگ حاضر تھے انہیں کہا آؤ بھائیو لوٹو اور کھاؤ۔ لوگ فوراً چٹ کر گئے۔ جب حضرت حسینؒ کو اس کا پتہ ہوا تو حضرت حسن دائم جشنؒ کی بہت تحسین فرمائی اور فرمایا اس راہ میں ایسے ہی دل کی ضرورت ہے حضرت سلیمان پر افسوس کرنے لگے اور فرمایا کہ کیوں خرچ نہ کر ڈالا اور فرمایا کہ سلسلہ حضرت حسن سے فروغ پائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ ایک کھیری بازید پور میں ہوئی تھی جن سے دو صاجزادے حضرت سلیمانؒ اور حضرت سیف الدینؒ ہوئے۔ دوسری شادی اپنی چچیری بہن دختر شاہ قمر الدین بلخیؒ سے ہوئی تھی جن سے شیخ حسن دائم جشن بلخیؒ پیدا ہوئے اور سلسلہ بیعت ان کے ہی توسط سے فروغ پایا۔ دوسرے بھائیوں سے سلسلہ خاندان میں ہی محدود رہ گیا اور وہ بھی بعد میں حضرت حسنؒ کے سلسلہ میں ضم ہو گیا۔

جود و سخا میں آپ حضرت مولانا مظفر کے نقش قدم پر تھے جو سائل آتا بلا تفریق اس کو ضرور دیتے۔ اس میں نہ امیر و غریب کی تفریق کرتے نہ مذہب وملت کی۔

درس و تدریس آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کی رشد و ہدایت میں مشغولی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خانقاہ میں بقول احمد لنگر دریاؒ تقریباً تیس چالیس صوفیا اور فقراء ہر وقت باوضو متوجہ الی اللہ ذکر و فکر حق میں مشغول رہتے تھے اور بعض اس میں روزہ طے کے پابند ہوتے تھے۔

آپ کی تصنیفات میں مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔
(۱) حضرات خمس (۲) رسالہ قضا و قدر (۳) رسالہ توحید خاص (۴) رسالہ توحید اخص الخواص (۵) رسالہ ذکر وجود اوّل ہدایت آں و بیان معرفت عالم ونہایت آں (۶) رسالہ در بیان ہشت چیز ذات و جہت و نفس و صفت و اسما و افعال وصورت جامعہ وصورت متفرقہ بر سبیل توضیح وتشریح بر اصطلاح موحداں (۷) اورادہ فصلی (۸) گنج لا تخفی (۹) مکتوب حسین (۱۰) اجازت نامہ بنام مولانا شیخ حسن (۱۱) دیوان فارسی۔

آپ نے چالیس سال تک حضرت مخدوم جہاںؒ کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کیا۔ حضرت مخدوم سے وابستگی اور شیفتگی کا کچھ اندازہ ایک خط سے ہوتا ہے جس میں حضرت بایزیدؒ اور حضرت منصورؒ کا ذکر کرتے ہیں اور پھر حضرت مخدوم کے متعلق فرماتے ہیں ۸: ''بداہتہ میں دیکھتا ہوں کہ شیخ کا مقام ایسا نازآگیں ہے جیسے کسی محبوب کو تخت شاہی پر بیٹھا کر رقم محبوبی اس کے زہرہ حسین پر نچھاور کی گئی ہو اور محبوبیت کا تاج سر پر رکھا گیا اور خود اس نے مقام برتر کی سلامتی و داشت کی خاطر اپنے آپ کو اس کے کمترین غلاموں بلکہ گبرو جہود و مغ و ترسا میں شمار کیا ہو اور کہتا ہو کہ ہم کو ابھی مسلمانی کی رویت بھی نصیب نہیں ہوئی ہے۔ گبرو کفر کی زنار بھی ہنوز ٹوٹ نہ سکی''۔

مکتوب چھیانوے (۹۶) میں شرعی حقوق کی ادائیگی اور اہل وعیال کی روزی روٹی کا سامان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں ۹''سن لیجئے! اہل حقوق ہوتے ہیں۔ آدمی میں جب تک عقل باقی ہے حواس درست ہیں تو اس پر زن وفرزند کا نام ونفقہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فرض عین ہے۔ اگر روزی روٹی کی بہم رسانی میں کوتاہی کرتا ہے یا کمی کرتا ہے تو کل قیامت کے دن خداوند تعالیٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک خائن اور پورے طور پر خاطی گنہگار ہوگا''۔

مکتوب اٹھانوے (۹۸) میں دنیا طلبی سے متعلق ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ۱۰: ''دنیا کا مختصر معنی یہ ہے کہ جو اللہ کے کام اور اللہ کی طلب سے دور رکھے اور کل قیامت کے دن کام نہ آئے وہی دنیا ہے۔ جو دنیا کا اس کے علاوہ کوئی اور معنی سمجھتا ہے وہ غلطی پر ہے اور خطا کر رہا ہے''۔
آگے چل کر فرماتے ہیں: ''اگر زمین اور دیہات رکھنا عیب اور برائی ہے تو ہمارے شیخ (حضرت مخدوم

جہاںؒ) قدس اللہ سرہٗ بادشاہ وقت کی طرف سے پیش کئے گئے گاؤں کو پندرہ سال تک اپنے پاس نہیں رکھتے۔کیا آپ کے پاس توکل نہیں تھایا آپ نے ایسا لوگوں کے ڈر سے کیا اور جب خوف جاتا رہا تو واپس کردیا۔نعوذ باللہ منہا''۔

نمونہ کلام کے طور پر حضرت مخدوم جہاںؒ کی منقبت میں ایک قطعہ پیش کیا جارہا ہے:

مقتدائے دین پیرم منیری — ایں سخن بامن بگفت از سروری
اے برادر گر بخواہی اصل کار — ایں سخن رادر دل خود پاسدار
ایں ریاضت نیست کایں رنجے بری — کم بگوئی، کم بخسپی، کم خوری
بچگان و طفل و ہم بیوہ زناں — ایں ریاضت می کنند از آب وناں
ہرچہ آن فضلت دہد قربت دہد — و ز خیال غیر حق فرقت دہد
ایں ریاضت باشد اے عالی مقام — گوش کن تفسیر آن رادر کلام
پاسبان دل شو اندر کل حال — تانیابد ہیچ دزد آنجا مجال
ہر خیال غیر حق را دزد خواں — ایں ریاضت سالکان رافرض داں
ازہوائے حرص دل راقطع کن — باچنیں رہ اتباع شرع کن
ہرکہ ایں رہ می رود دل شادباد — ویں نعم ازبہراو آمادہ باد

حوالہ جات:

(۱) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۲۴۴۔مزید دیکھئے سیرت الشرف، صفحہ ۱۶۷

(۲) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۳۲

(۳) ایضاً، صفحہ ۴۴

(۴) ایضاً، صفحہ ۲۸

(۵) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۲۴۵

(۶) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۳۸

(۷) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۲۸۳

(۸) ایضاً صفحہ ۲۹۷

(۹) مکتوبات حسین، مکتوب ۹۶، صفحہ ۳۸۹

(۱۰) ایضاً، مکتوب ۹۸، صفحہ ۳۹۷

رشد و ہدایت کا تحریری سرمایہ

حضرت مخدوم جہاںؒ کی مجلسوں میں شریک ہو کر ایک خلقت فیضیاب ہوتی رہی۔ اہم بات یہ ہے کہ بعد کی نسلوں کے لئے بھی آپ کے رشد و ہدایت کا سرمایہ ہم تک تحریری شکل میں پہنچا ہے۔ انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تصانیف، ملفوظات اور مکاتب۔ یوں تو مشہور یہ ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد سترہ سو تک پہنچتی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کی کچھ تصانیف بلاد اسلامیہ میں درساً پڑھائی جاتی تھیں۔ بہر صورت اس دور میں جن تصانیف کا پتہ چلا ہے وہ حسب ذیل ہیں!۔

مکتوبات: (۱) مکتوبات صدی (۲) مکتوبات دو صدی (۳) مکتوبات بست و ہشت (۴) فوائد رکنی

ملفوظات: (۱) معدن المعانی (۲) مخ المعانی (۳) راحت القلوب (۴) خوان پر نعمت (۵) کنز المعانی (۶) مغز المعانی (۷) گنج لایفنی (۸) مونس المریدین (۹) تحفہ غیبی (۱۰) ملفوظ الصفر (۱۱) برات المحققین۔

تصانیف: (۱) شرح آداب المریدین (۲) عقائد شرفی (۳) ارشاد السالکین (۴) ارشاد الطالبین (۵) اجوبہ کا کویہ (۶) اوراد خرد (۷) اوراد اوسط (۸) اوراد کلاں (۹) فوائد المریدین (۱۰) اجوبہ زاہدیہ (۱۱) رسالہ اشارات (۱۲) رسالہ مکیہ

جناب شاہ نجم الدینؒ نے حیات ثبات میں تصانیت کی تعداد پینتیس (۳۵) بتائی ہے۔ مقالہ مطیع الامام اور صاحب تاریخ سلسلہ فردوسیہ کو جن کا پتہ چل سکا ان کی تعداد چھبیس (۲۶) یا ستائیں (۲۷) بنتی ہے۔ مقالہ مطیع الامام اور تاریخ سلسلہ فردوسیہ کا تقابل کرنے سے کچھ ناموں کا فرق بھی ظاہر ہوتا ہے اوپر درج شدہ فہرست تاریخ سلسلہ فردوسیہ سے ماخوذ ہے۔ اس فہرست اور مقالہ مطیع الامام میں دی گئی فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ فرق تو نام میں شاید کتابت کی غلطی سے ہو گیا ہے مثلاً برات المحققین شاید مراۃ

المحققین ہے۔اسی طرح بعض نام کے مترادفات بھی ہیں مثلاً کنز المعانی کو بحر المعانی اور فوائد غیبی بھی کہتے ہیں، تحفہ غیبی کا دوسرا نام گنج لا تخفی بھی ہے۔اسی طرح رسالوں کے نام میں بھی فرق ہے۔اکثر رسالے چند ایک صفحات پر مشتمل ہونے کی بنا پر مجتمع بھی کردیئے گئے ہیں مثلاً اجوبہ کلاں مجموعہ ہے اجوبہ زاہدیہ، اجوبہ اسئلہ، اجوبہ منیری، رسالہ در تصوف کا۔اسی وجہ سے شاید جناب نجم الدینؒ کے شمار میں تصانیف وملفوظات کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے جنھوں نے ہر ایک نام کو الگ تصنیف شمار کیا ہے۔مثلاً آپ نے گنج لایفنی اور تحفہ غیبی کو الگ الگ تصنیف قرار دیا ہے۔بہت سے اختلافات کی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ انمیں سے بہت سے اب تک خطی نسخے ہیں اور طبع نہیں ہوئے ہیں اور مختلف جگہوں پر ہیں۔ضرورت تو اس کی ہے کہ ان پر تحقیقی کام کر کے انہیں طبع کردیا جائے۔بہرصورت یہاں پر تاریخ سلسلہ فردوسیہ پر انحصار کیا جارہا ہے اور اسی کتاب سے ماخوذ ان تصانیف پر تعارفی تحریر پیش کی جارہی ہے۔

مکتوبات۲:

مکتوبات صدی: یہ سو مکتوب کا مجموعہ قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کی فرمائش پر لکھا گیا۔وجہ یہ تھی کہ قاضی شمس الدین حضرت مخدوم جہاںؒ کے مرید تھے اور ہرچند کہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی مجالس میں پابندی سے شرکت فرما کر حصول فیض کریں مگر امور منصبی اس کی اجازت نہیں دیتے تھے چنانچہ ملتمس ہوئے کہ ان کے مناسب حال تعلیمات تحریر کردی جائیں تا کہ مجلس مخدوم کی شرکت سے محرومی کا ازالہ ہوسکے۔آپ کی صدق طلب کو بارگاہ مخدوم میں قبولیت ہوئی اور حضرت مخدوم جہاں نے تعلیمات کا یہ مجموعہ باندازِ مکتوب لکھا جس کی نقل حضرت زین بدر عربی بھی رکھ لیا کرتے تھے اور ان کی ایسی مقبولیت ہوئی کہ اکثر لوگوں نے اس کی نقل کی اور یہ مکتوبات مشہور ہوگئے اور دور دور تک حضرت مخدوم جہاںؒ کی زندگی میں ہی پھیل گئے۔یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں لکھے گئے تھے۔یہ مکتوبات تصوف کی گویا ایک نصابی کتاب ہے اور مبتدی اور منتہی دونوں کے لئے مفید ہے۔قاضی شمس الدین جوان مکتوبات کے مخاطب ہیں ان کے ہی متعلق حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنی وصال کے وقت فرمایا تھا:

"قاضی شمس الدین کو کیا کہوں قاضی شمس الدین میرے فرزند ہیں متعدد بار میں نے کبھی ان کو فرزند اور کبھی

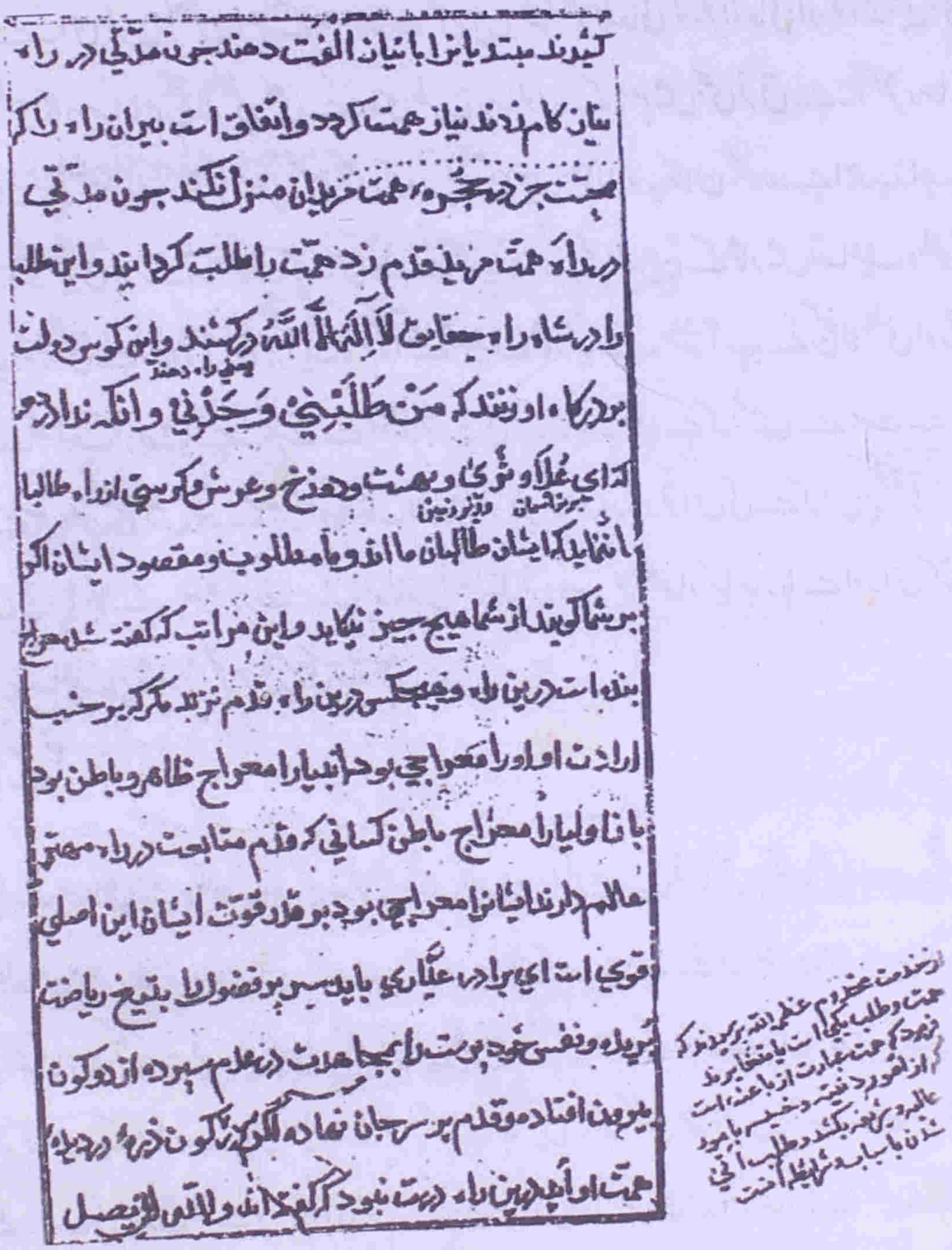

خانقاہ بلخیہ فتوحہ (حالیہ پٹنہ میں موجود ایک خطی نسخہ مکتوبات صدی کے ایک ورق کا عکس۔ اسکے حاشیہ پر جو تحریر نمایاں ہے اسکے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضرت مولانا مظفر شمس بلخیؒ کا خود نوشت وضاحتی حاشیہ ہے جسے مولانا نے حضرت مخدوم جہاںؒ سے استفادہ کر کے تحریر فرمایا ہے۔ (ماخوذ از Hundred Letters by Paul Jackson

برادر لکھا ہے ان ہی کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا ان ہی کے لئے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا ورنہ کون لکھتا"۔

یہ مکتوبات اتنے عام ہوئے کہ قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں کہیں بھی کسی فرق کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔

مکتوبات دوصدی: یہ مجموعہ مکتوبات حضرت زین بدر عربی نے مکتوبات صدی کے بیس سال کے بعد ۷۶۹ھ میں مرتب کیا۔ مصنف بزم صوفیا جناب صباح الدین عبدالرحمٰن نے خدابخش خاں لائبریری میں اس کا ایک مخطوطہ نسخہ دیکھا ہے جس کے مرتب کا نام محمد بن محمد بن عیسیٰ البلخی المدعو بہ اشرف بن رکن لکھا ہے۔ مکتوبات دوصدی میں دوسو سے زیادہ مکتوبات ہیں۔ کتب خانہ اسلامی لاہور پنجاب نے بشمول مکتوبات صدی ان مکتوبات کو بعنوان مکتوابات سہ صدی چھاپا تھا مگر اس میں مکتوبات دوصدی کے صرف ایک سوترپن خطوط شامل تھے۔ ان کا ایک ترجمہ جناب سید محمد نعیم ندویؒ نے کیا جو طبع ہو چکا ہے۔ خانقاہ معظم سے بھی بعد میں مکتوبات دوصدی کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ جس میں دوسو آٹھ خطوط شامل ہیں۔ نہ جانے کتب خانہ اسلامی کے مطبوعہ نسخہ میں کمی کیونکر رہ گئی ہے۔

بہرصورت یہ خطوط مختلف لوگوں کے نام ہیں جو جواباً لکھے گئے ہیں۔ بعض خطوط ازخود بھی لکھے گئے ہیں جن میں ایسے خطوط بھی شامل ہیں جو امراء وسلاطین کو ازراہ ترغیب وتحریص راہ ہدایت لکھے گئے ہیں۔ بعض خطوط بعض شیوخ کو کیفیت باطنی سے لبریز نذرانہ عقیدت کے طور پر نہایت منکسرانہ انداز میں لکھے گئے ہیں (ملاحظہ ہو مکتوب چورانوے (۹۴) بنام شیخ مغربیؒ)۔ زیادہ تر خطوط مریدین ومتوسلین ومعتقدین کے نام ہیں۔

انڈیا آفس لائبریری میں ایک اور مجموعہ خطوط جس میں ایک سوپچیس خطوط شامل ہیں صاحب بزم صوفیا صباح الدین عبدالرحمٰن کی نظر سے گزرا ہے۔ شاید یہ اب تک منظر عام پر نہیں آیا۔

مکتوبات بست وہشت: یہ اٹھائیس (۲۸) خطوط کا مجموعہ بنام حضرت مخدوم مولانا مظفر بلخیؒ ہے۔ حضرت مخدوم مولانا مظفر شمس بلخیؒ قیام عدن کے درمیان اپنے واردات قلبی اور مکاشفات حضرت مخدوم جہاںؒ کو لکھتے تھے اور ہدایت طلب کرتے تھے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے جوابی خطوط، جو ان کے حل مشکلات سے متعلق

تھے، حضرت مولانا مظفرؒ بحفاظت اپنے پاس رکھتے تھے کہ کہیں دوسروں کی نظر نہ پڑ جائے۔ اور ہدایت یہ تھی کہ یہ خطوط ان کے ساتھ ہی قبر میں دفن کردیئے جائیں۔ جناب مولانا مظفرؒ کا جب وصال ہوا تو خطوط کا وہ پلندہ جو مولانا نے سنبھال رکھا تھا اسے تو ساتھ ہی دفن کردیا گیا مگر بعد میں الگ سے یہ اٹھائیس مکتوبات بھی نظر آئے۔ اب انہیں کس طرح دفن کیا جاسکتا تھا۔ لوگوں نے انہیں مصلحت ایزدی کی عنایت سمجھ کر انہیں عام کردیا۔ جو خطوط دفن کیئے گئے ان کی تعداد تقریباً دوسو بتائی جاتی ہے۔

فوائد رکنی: یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو حاجی رکن الدین زائرالحرمین کی استدعا پر لکھا گیا تھا۔ بقول حضرت زین بدر عربیؒ جناب حاجی رکن الدینؒ نے حضرت مخدوم جہاںؒ سے گزارش کی کہ چند فوائد مکتوبات سے ناچیز کے لئے لکھ دیئے جائیں تاکہ سفر وحضر میں مونس و مددگار رہوں۔ یہ فوائد مکتوب کی شکل میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے لکھ دیئے۔ یوں تو اس کی شکل رسالہ کی ہے مگر چونکہ مکتوب کی شکل میں یہ تصنیف لکھی گئی ہے اس لئے اس کو مکتوبات کے زمرہ میں یہاں شامل کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ ۷۶۹ھ میں لکھا گیا تھا اور یہ انتیس (۲۹) فوائد پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا اردو ترجمہ جناب حافظ سید شاہ شفیع ابن سید شاہ امین احمد فردوسیؒ نے کیا تھا جو رسالہ الامین میں سلسلہ وار چھپتا رہا مگر کتابی شکل میں یہ ترجمہ منظر عام پر نہیں آیا۔ حال ہی میں اس کا ترجمہ بزم فردوسیہ ٹرسٹ کراچی کے زیر اہتمام چھپ گیا ہے۔ اس کے متعلق جناب سید شاہ شفیع نے یہ فرمایا تھا کہ اس کی حلاوت اس کے معانی اس کے بیانات اس کے رموز واشارات وہ ہیں کہ ارباب بصیرت انوار فیوض وبرکات اقتباس کرسکتے ہیں اور تشنگان سوزتپ فراق شربت وصال سے سیراب ہوسکتے ہیں۔

ملفوظات ۳:

معدن المعانی: یہ تریسٹھ (۶۳) ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے جامع مولانا زین بدر عربیؒ ہیں۔ آپ کا فرمانا ہے کہ ہر مجلس کی روداد میں قلمبند کرلیا کرتا تھا اور اس کو حضرت مخدوم جہاںؒ کو تصحیح کے لئے پیش کردیا کرتا تھا تاکہ اگر کچھ سہو ہوگیا ہو تو تصحیح ہوجائے۔ حضرت مخدوم نہ صرف یہ کہ اصلاح فرمادیتے تھے بلکہ ضرورت ہوتی تو کچھ اضافہ بھی فرمادیتے تھے۔ اس کتاب کو اگر بالاستعاب پڑھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے پیش نظر بیشتر اہم کتابیں ہوتی تھیں جن کے حوالہ سے زیر غور مسئلہ کی وضاحت فرماتے

تھے۔ جن کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں: (۱) ہدایہ (۲) تذکرۃ الاولیاء (۳) وصیت شیخ الشیوخ (۴) ملخص احیاء العلوم (۵) روح الارواح (۶) لوامع (۷) مکتوبات عین القضاۃ (۸) کلمات قدسیہ (۹) ملفوظات نظام الدین الاولیاء (۱۰) ترغیب الصلوٰۃ (۱۱) غرائب التفسیر (۱۲) کشف المحجوب (۱۳) روضۃ العلماء (۱۴) سراج العارفین (۱۵) قوت القلوب (۱۶) عوارف (۱۷) لسان فقہ ابواللیث (۱۸) کنز المسائل (۱۹) شرح تعرف (۲۰) سراج العالمین (۲۱) ریاحین (۲۲) تفسیر زاہدی (۲۳) زبدۃ العین القضاۃ (۲۴) کتاب الٰہیات ارسطو۔

(۲) خوان پرنعمت: اس کے جامع بھی زین بدر عربیؒ ہیں۔ یہ گویا معدن المعانی کی دوسری جلد ہے۔ جس میں ۱۵ شعبان ۷۴۹ سے آخر ماہ شوال ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں۔ اس میں تصوف کے جزوی نکات اور فقہی اور شرعی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

(۳) راحت القلوب: اس کے جامع بھی حضرت زین بدر عربیؒ ہیں۔ اس میں دس مجلسوں کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں۔ اس میں رضاء حق، مبدا معاد، تعظیم تلاوت کلام پاک، روز عاشورہ اور صدف سوختہ سے بنے ہوئے چونے کے حرام وحلال سے متعلق موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں ایک رسالہ اور بھی بعنوان وفات نامہ شامل کرلیا گیا ہے جس میں حضرت مخدوم جہاںؒ کے بوقت رحلت کے واقعات قلمبند ہیں۔ یہ بھی زین بدر عربیؒ کی ہی تصنیف ہے۔ جس کی تصحیح بھی انہوں نے یاران مخدوم الملک سے ان کی موجودگی میں کرالی تھی۔ راحت القلوب کے ساتھ یہ رسالہ بھی چھپ چکا ہے۔

(۴) مخ المعانی: اس کے جامع بھی زین بدر عربیؒ ہیں۔ اس میں ترپین (۵۳) مجالس کا ذکر ہے۔ مؤلف بزم صوفیا نے اس کے جامع کا نام شیخ شہاب الدین عماد اور مجالس کی تعداد اکیاون (۵۱) لکھی ہے۔ شیخ شہاب الدین عماد مغز المعانی کے جامع ہیں، ہوسکتا ہے کہ کاتب سے سہو ہوگیا ہو۔ چونکہ یہ دونوں نام بہت ملتے جلتے ہیں اس لئے ایسا سہو ممکن ہے مگر مجالس کی تعداد میں جو فرق ہے وہ تو مؤلف سے ہی شاید سہو ہوگیا ہے۔ اس کتاب میں مہینوں اور دنوں کی وجہ تسمیہ۔ لیلۃ الرغائب کی وجہ تسمیہ، ماہ رجب کے روزے کی فضیلت، کُنتُ لہ سمعنا کی تفسیر، مسئلہ حدوث وقدم عالم، بحث قدم مادہ، مسئلہ رویت باری تعالیٰ،

مسئلہ جبر واختیار، تعبیر خواب، تصفیہ وتزکیہ باطن اور اقسام علم پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب مطبوعہ ہے۔

(۵) مونس المریدین: یہ کتاب بھی طبع ہوگئی ہے (اصل متن نظر سے نہیں گزرا، ترجمہ سید شاہ قسیم الدین شرفی الفردوسیؒ نے ۱۳۸۳ھ میں کیا تھا جو طبع ہوا) اس میں اکیس مجالس کا ذکر ہے اور اکیس شعبان المعظم سے اکیس ماہ محرم ۷۷۵ھ تک مجالس کے ملفوظات ہیں۔ اس کے جامع حضرت صلاح مخلص داؤد خان ہیں۔ اس میں خواب کے اقسام، لفظ سجادہ اور صاحب سجادہ کی تعریف، زاہد کی تعریف، حیا اور اس کی فضیلت، درخت گندم میں حضرت آدم سے اجتہادی غلطی، شب برات اور اس کی فضیلت و اعمال، واقعہ موسیٰ وخضر علیہم السلام، مذمت نفس امارہ، معمولات اوّل پنج شنبہ ماہ رجب، نماز لیلۃ الرغائب بجماعت، حدیث تشبہ بقوم، واقعہ دجال وعیسیٰ، شریعت وطریقت وحقیقت کے معانی، ماہیت روح، فرق قیامت وحشر وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

(۶) گنج لایفنی: اس کتاب میں یک شنبہ ربیع الاوّل ۷۶۰ھ سے روز شنبہ ۲۶ ذی الحجہ ۷۶۰ھ کے مجالس کے ملفوظات قلمبند ہیں۔ اس میں ہر مجلس کے دن تاریخ سنہ لکھ دیئے گئے ہیں۔ عبدالواسع ضیاء جالوی صاحب نے اس کا دوسرا نام تحفہ غیبی لکھا ہے۔ مگر شاہ نجم الدین فردوسیؒ نے اپنی تصنیف حیات ثبات میں گنج لایفنی اور تحفہ غیبی کو الگ الگ تصنیف قرار دیا ہے۔ اس کتاب میں موقع موقع سے مثنوی اور غزل بھی لکھے گئے ہیں۔ ایک جگہ پر امام یوسف اور امام محمد کا مکالمہ بھی تحریر ہوا ہے۔ حضرت امام اعظم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الحمدللہ کہ مذہب او داریم۔ شب قدر اور اس کے مخفی رکھنے کی حکمت، سکرات موت اور تلقین میت کا ذکر اور اس میں امام شافعی کا مذہب یہ کہ سکرات موت مومنین پر بطور عذاب نہیں ہوتا، حضرت سید ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت تمام مومنین پر، احادیث کی تقسیم وتعریف، اخبرنا اور حدثنا کا فرق، اولیاء اللہ کی تعداد ہمیشہ ۳۵۶ رہتی ہے اور دوسری موضوع پر بھی اس کتاب میں بحث کی گئی ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے ایک استفسار پر کہ آیا، جیسا کہ اولیاء اللہ کا دعویٰ ہے کہ انہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے، ممکن ہے کیونکہ اس سے دنیا و آخرت کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت مخدوم نے جواباً فرمایا کہ یہ ممکن ہے البتہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ ظاہری آنکھوں سے ہوگی جبکہ دنیا میں دل کی آنکھ سے ہوتی ہے جسے تجلی کہتے ہیں۔

(۷) **فوائد غیبی:** اس میں بتیس مجالس کے ملفوظات شامل کئے گئے ہیں جو اوائل ماہ شعبان ۷۵۷ھ سے ماہ صفر ۷۵۷ھ کے درمیان منعقد ہوئے۔ اس کتاب کے سلسلہ میں بھی عبدالواسع جالوی صاحب اور مؤلف حیات ثبات کے درمیان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عبدالواسع صاحب نے فوائد غیبی کا دوسرا نام بحر المعانی بتایا ہے، جبکہ کنز المعانی کو بحر المعانی بھی کہتے ہیں۔ اس کتاب میں بہت سے مسئلوں پر بحث کی گئی ہے مثلاً مراتب آدمی، عجز ادراک حقیقت اوّل، شکایت زمانہ کا بے معنی ہونا، وغیرہ۔ کچھ اور عنوانات پر بھی بحث کی گئی ہے مثلاً اسمائے بارے تعالیٰ، ذکر حکمت اشیا، اقسام حقوق عباد، تعریف شہود اور مشہود، فضیلت علم، ارکان حج، اہمیت وقوف عرفات، اقسام طواف اور واجبات حج وغیرہ۔

(۸) **مغز المعانی:** اس کے جامع اور مرتب شیخ شہاب الدین عماد ہیں۔ اس کو شیخ نے دوسرے ملفوظات سے استخراج کیا اور اس کے ترتیب وجمع میں حتی الوسع ملفوظات کی عبارت بجنسہ نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر پھر بھی ضرورتاً کچھ تصرف کیا گیا ہے۔ لیکن نفس مطلب میں فرق نہیں آنے دیا ہے۔ اس کتاب میں انتیس اذکار ملتے ہیں جن میں چند یہ ہیں۔ ذکر ذات وصفات، حل وحرمت سماع، ذکر مراقبہ، ذکر تفکر، ذکر عبادت، ظاہر و باطن، ذکر عشق ومحبت، ذکر تاویل زلف وخال، ذکر حال ومقام ووقت، ذکر روح وغیرہ وغیرہ۔

تصنیفات[۴]:

۱۔ **شرح آداب المریدین:** یہ کتاب حضرت ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ کی عربی تصنیف آداب المریدین کی شرح ہے جو فارسی میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابونجیب سہروردیؒ نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی کتاب کی شرح آپ کی ایک اولاد معنوی کرے گی۔ یہ سعادت حضرت مخدوم جہاںؒ کو حاصل ہوئی۔ اس شرح کا طریقہ یہ رکھا گیا کہ پہلے عربی متن لکھ دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے معانی بتائے گئے اور پھر تشریح طلب باتوں کی تشریح کر دی گئی۔ اگر اصل مضمون میں کہیں علمی اشکال نظر آیا تو ادب شیخ کے پیش نظر ان کی

مناسب تاویل وتوجیہ کردی گئی۔ یہ کتاب چھپ تو گئی ہے مگر نامکمل ہے۔

۲۔ارشادالطالبین: یہ سولہ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں طالب حق کے لئے مختلف قسم کی ہدایتیں دی گئی ہیں۔ یہ مطبوعہ ہے۔ مؤلف بزم صوفیا کے مطابق اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کی لائبریری میں موجود ہے مگر اس کا نام برہان العارفین مرقوم ہے۔

۳۔ارشادالسالکین: یہ چار صفحات کا مختصر رسالہ مسئلہ توحید سے متعلق ہے۔ یہ بھی طبع ہو چکا ہے۔اس میں مخدوم جہاںؒ نے بتایا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں۔نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا تو روح ہوا اور جبروت سے ملکوت میں آیا تو قلب کہلایا اور ملکوت سے ناسوت میں پہنچا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا۔اسی طرح نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوا۔نار کثیف ہو کر باد ہوئی۔باد کثیف ہو کر آب ہوئی۔آب کثیف ہو کر خاک ہوا۔بس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں۔

۴۔رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ: یہ سات صفحات کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے جس میں ذکر کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں۔

۵۔فوائدالمریدین: یہ بھی ایک مختصر مطبوعہ رسالہ ہے۔اس میں کلمہ طیبہ کی فضیلت، نماز باجماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض، گورستان، منکر نکیر، بہشت ودوزخ، قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ، حقوق زوجین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۶۔لطائف المعانی: مؤلف تاریخ فردوسیہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب ان کی نظر سے نہیں گزری۔البتہ مؤلف بزم صوفیا کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ معدن المعانی کا خلاصہ ہے۔

۷۔رسالہ اشارات: یہ ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔اس میں کل انتالیس (۳۹) اشارے ہیں جو حضرت مخدوم جہاںؒ نے شیخ محمد شہباز عرف گورکھ، شیخ لامع، شیخ مرداد اور شیخ ہادی اللہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔ان اشارات میں عارفانہ مسائل کی طرف خالص فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے اشارے کئے گئے ہیں۔مثلاً عالم کا اوّل و آخر نہیں ہے۔موج عین دریا اور دریا عین موج ہے۔دنیا میں ایسے لوگ کم ہیں جو خود شناس ہیں۔حقیقت

میں خود شناسی ہی خدا شناسی ہے۔

۸۔رسالہ اجوبہ: یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ یہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے ان جوابات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے دوستوں، عزیزوں اور مریدوں کے سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ سوالات مختلف قسم کے ہیں۔ سوالات کچھ اس طرح کے ہیں مثلاً مردان غیب کون لوگ ہیں اور کس قدر ہیں، خدائے عزوجل تک پہنچنے کی راہ کیا ہے، مسلمانوں کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟، اہل سلوک کی اصطلاح بت وزنار کا کیا مطلب ہے، رویت حق خدا کے فضل کی بنا پر ہوگا یا عمل کی جزا کے طور پر، اللہ تعالیٰ کی معرفت کی انتہا کیا ہے؟

۹۔عقائد شرفی و اورادِ کلاں واوسط وخورد: یہ سب ورد و وظائف سے متعلق ہیں۔ اب اوراد شرفی نے ان سب کی جگہ لے لی ہے چونکہ یہ کتاب انہیں مذکورہ کتابوں سے ماخوذ ہے۔

حوالہ جات:

(۱) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۸۴

(۲) ایضاً صفحہ ۱۸۶ تا ۱۹۰

(۳) ایضاً صفحہ ۲۱۱ تا ۲۲۰

(۴) ایضاً، صفحہ ۲۳۴ تا ۲۳۷

طرز نگارش ولوگوں کی آراء

طرز نگارش: حضرت مخدوم جہاںؒ کی تمام تحریروں کا بنیادی مقصد رشد و ہدایت ہے، چنانچہ باتیں ادبی طرز نگارش کے تکلفات سے ہٹ کر بیان کی گئی ہیں۔ اسی سادگی میں باتیں دلنشین ہو جاتی ہیں۔ مگر ایک بات جو بہت اہم ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ نے شاید ہی کوئی موضوع ہوگا جس پر گفتگو نہیں کی ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، فلسفہ، تصوف ہر مضمون پر آپ نے محققانہ اور بھرپور انداز میں گفتگو فرمائی ہے۔ آپ کا انداز تحریر و تقریر ہر موضوع پر محققانہ تو ہے ہی مگر ساتھ ساتھ انداز بیان اتنا سہل اور دلپذیر ہے کہ آج مخدوم جہاںؒ کے بعد سات سو سال سے اوپر گزر چکے ہیں مگر لوگوں کی دلچسپی ان تحریروں میں برابر قائم ہے بلکہ اضافہ ہو رہا ہے۔

اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ان تحریوں میں ادبی محاسن کی کمی ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ حضرت سید محمد نعیم فردوسی القادری صاحب نے مکتوبات صدی کے آخری ساٹھ مکتوبات مترجمہ جناب شاہ الیاسؒ کے مقدمہ میں اس پر بہت خوب روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں!

"مکتوبات مخدوم جہاںؒ کو اعلیٰ انشا پردازی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اعلیٰ انشا پردازی کی تمام خصوصیات ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ زبان کی بے تکلفی، محاورات کا برمحل استعمال، روزمرہ، تمثیلات، اشارات واستعارات سے بھی نہایت حسن کے ساتھ کام لیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونے ہیں۔ گویا یہ ادبی جواہر ریزے ہیں جو صفحہ قرطاس پر بڑے سلیقے سے سجائے گئے ہیں۔ مزید برآن جا بجا فارسی اشعار کے برمحل استعمال سے اس کو لالہ زار بنا دیا گیا ہے۔ یہ خطوط قلم سنبھال کر نہیں

لکھے گئے ۔ بلا تکلف خلوص کے ساتھ لکھے گئے ہیں جس کا صرف ایک مقصد تھا کہ بندے کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا جائے''۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے دور کے ادبی شاہ پاروں سے کچھ نمونے پیش کئے جائیں تا کہ اس زمانے کی طرز نگارش کا کچھ موازنہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی طرز نگارش سے ہو سکے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی (۵۹۶ھ تا ۶۷۲ھ) جن کی اخلاق ناصری مشہور تصنیف ہے اور جو تہذیب اخلاق، انفرادی ہو یا اجتماعی، سے متعلق ہے اور اس طرح بعض اعتبار سے حضرت مخدوم جہاںؒ کے موضوع سخن سے قریب تر ہے ان کی طرز تحریر میں ثقل الفاظ و ترکیب اور عربی الفاظ کی بھرمار نظر آتی ہے جو اس وقت کی طرز تحریر کا عمومی رواج تھا۔ ملاحظہ ہو:

''فصل سوم (اخلاق ناصری) در اقسام اجتماعات و شرح احوال مدن بحکم آنکہ ہر مرکبے راحکمے و خاصیتے و ہیاتے بود کہ بداں متخصص و منفرد باشد و اجزائے او را با او دراں مشارکت نبود اجتماع اشخاص انسانی را نیز از روے تالف و ترتب حکمے و ہیاتے و خاصیتے بود بخلاف آنچہ در ہر شخصے از اشخاص موجود و چوں افعال ارادی انسانی منقسم است بدو قسم اول خیرات دوم شرور پس اجتماعات نیز منقسم باشد بدیں دو قسم اول آنکہ سبب آں از قبیل خیرات بود دوم آنکہ سبب آں از قبیل شرور بود اول را مدینہ فاضلہ خوانند و دوم را مدینہ غیر فاضلہ''۔

اسی طرح علاء الدین بن عطا ملک جوینی کی تحریر میں بھی جنہوں نے ۶۵۸ھ میں مشہور تاریخ جہاں کشا لکھی، عربی الفاظ کی کثرت اور مترادف اور مقفیٰ فقروں کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''حق تعالیٰ چوں چنگیز خان را بہ عقل و ہوشمندی از اقران او ممتاز گرانیدہ بود، و بہ تیقظ و تسلط از ملوک جہاں سرفراز تا آنچ از عادت جبابرہ اکاصرہ مذکور بود، واز رسوم و شیوہ ہائے فراعنہ و قیاصرہ مسطور، بے تعب مطالعہ اخبار و زحمت اقتدا بہ آثار از صحیفہ باطن خویش اختراع می کرد''۔

اب مخدوم جہاںؒ کی تصنیف شرح آداب المریدین سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''اہل وحدت می گویند کہ وجود بر دو قسم است۔ وجود حقیقی و وجود خیالی۔ وجود حقیقی وجود خدا است۔

ووجودخیالی وجود عالم است۔ عالم خیال ونمائش است و بہ حقیقت وجود نہ دارد۔ اما بخاصیت وجود حقیقی کہ وجود خدا است این چنیں موجود می نماید۔ چوں موجوداتیکہ در آب و در خواب و در آئینہ می نماید و بہ حقیقت وجود ندرارد۔ واہل تصوف می گویند کہ عالم واہل عالم ہر یکے وجود حقیقی دارند۔ اما وجود خدائے تعالیٰ قدیم است و وجود عالم حادث است''۔

یہ عبارت کتنی سہل اور سلیس ہے۔ زبان شستہ اور سلیس ہے اور نفس مضمون واضح اور الجھاؤ سے پاک ہے۔ حتیٰ کہ فارسی زبان سے ذرا بھی شغف رکھنے والا اس کو سمجھ سکتا ہے اور استفادہ کرسکتا ہے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کے مکتوبات اور ملفوظات دونوں میں برمحل اشعار کا استعمال پایا جاتا ہے۔ آپ کے حافظہ پر تعجب ہوتا ہے کہ برجستہ اور برمحل اشعار آپ کو کیسے یاد آجاتے تھے۔ ایک وجہ تو شاید یہ ہوگی کہ، جیسا کہ حضرت مخدوم جہاںؒ نے خود فرمایا، ابتدائی تعلیم میں آپ کو بہت اشعار یاد کرائے گئے تھے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ آپ کا اپنا ذوق شاعری بھی خاصہ تھا اور مثنوی کے اشعار آپ کو جس قدر یاد تھے اور جس برجستگی سے آپ ان کو استعمال کرتے تھے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب آپ دنیائے علم کے مقتدا بنے تو ان سے اور بھی شغف پیدا ہوگیا۔ کیونکہ، جیسا کہ بعد میں ذکر ہوگا، ہندوستان میں مثنوی مولانا روم وتصنیفات امام محمد غزالی واحمد غزالی وعین القضاۃ وفریدالدین عطار وغیرہ سے لوگ ناآشنا تھے یا اگر کچھ لوگ آشنا بھی تھے تو وہ ان کو پیش کرنے کی ہمت اور صلاحیت نہیں رکھتے تھے[۲]۔ چنانچہ ان تصنیفات سے حضرت مخدوم کا شغف یقیناً بعد کا ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ ان کا مطالعہ آپ نے سنارگاؤں میں کیا ہوگا کیونکہ آپ کے استاد حضرت ابوتوامہ کا تبحر علمی واضح تھا اور چونکہ آپ بخارا سے ہندوستان تشریف لائے تھے اس لئے ان کتابوں پر ضرور ہی نگاہ رکھتے ہونگے اور آپ کے پاس موجود ہونگی جن سے حضرت مخدوم نے استفادہ کیا ہوگا۔

چونکہ بات کو موثر انداز میں پیش کرنے کے لئے اشعار بہت مفید ہوتے ہیں اس لئے شاید حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنی تصنیف وتقریر میں ان کو بکثرت استعمال کیا ہے۔ حضرت سید محمد نعیم ندوی نے اس پر اچھی روشنی ڈالی ہے اس سے ایک اقتباس درج ذیل ہے[۳]:

''دنیائے ادب میں شعروشاعری کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس

قدر سوز و گداز اس سے پیدا ہوتا ہے اور کسی چیز سے نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اسرار و رموز کے اظہار کے لئے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لئے بھی اس فن کی اہمیت اور زیادہ ہے۔ مخدوم جہاںؒ نے تعلیم شریعت اور طریقت کا چونکہ بیڑا اٹھایا تھا اس لئے انہوں نے اس سے بہت کام لیا ہے۔ عام طور پر یہ سب کو معلوم ہے کہ مخدوم جہاںؒ شاعر نہ تھے۔ مگر ان کے دوہے موجود ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فارسی کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو فارسی شعرا کے دواوین میں نہیں ہیں اگر قیاس کیا جائے کہ وہ اشعار خود مخدوم جہاںؒ کے ہیں تو بعید از عقل نہ ہوگا۔ جہاں کہیں آپ نے دوسروں کے اشعار لکھے ہیں وہاں ذکر کر دیا ہے کہ فلاں نے اس طرح کہا ہے مگر جہاں کسی کا نام نہیں ہے وہاں اس طرح لکھا ہے ''کسی دیوانہ نے کہا ہے'' یہ دیوانہ خود مخدوم جہاںؒ ہیں۔ ایک جگہ تو نام کو بطور تخلص استعمال کیا ہے:

شرف زنار و تسبیحت یکے شد　　　تو خواہی خواجہ شو خواہی غلامے

ابیات حضرت مخدوم جہاںؒ: اگرچہ محقق تو نہیں مگر جیسا کہ نعیم ندوی صاحب نے فرمایا، اور جو قرین قیاس بھی ہے، کم از کم وہ اشعار جنہیں آپ نے کسی دیوانے یا سوختہ جان سے منسوب کیا ہے اور وہ آپ کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں وہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے ہی ہیں۔ مشتے از خروارے کے طور پر چند ایسے اشعار درج ذیل ہیں جو کسی سوختہ جاں یا کسی دیوانہ یا کسی کھوئے ہوئے یا کسی بیچارے وغیرہ کے نام سے منسوب ہیں۔ ناظرین کی سہولت کے لئے ماخذ کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔

۱۔ از حال دلشکستہ ام می دانی　　　در صفحہ جاں مراد من خوانی
حیراں شدہ ام بہ لطف خود دستم گیر　　　اے آنکہ تو دستگیر ہر حیرانی
(مکتوب ۵۳)

۲۔ معشوق جو پادشا است فرمانش رواست　　　بر کردہ او چون و چرا زہرہ کراست
گر بپذیرد خوئے پسندیدہ اوست　　　ور بر گرد و ز بخت شوریدہ ماست
(مکتوب ۵۳)

۳۔ نومید مشو دلا تو امروز ازانکہ فردا نظرش بہ حکم خود خواہد بود

(مکتوب ۹)

۴۔ عاصی شکستہ گرچہ بے باک بود از بہر چہ در رہ تو غمناک بود

شوئیندہ چو فضل تست الواث را آلودہ بہ تحقیق بہ از پاک بود

(مکتوب ۹)

۵۔ گر تو بکمند عشق در بند شوی در در گزری زحرص خورسند شوی

پاکیزہ شو و جودت ازلوث گناہ تا قابل اسرار خداوند شوی

(مکتوب ۸)

۶۔ چوں می کشی رہا کن تا پائے تو بوسم بارے بہ سینہ من ایں آرزو نہ ماند

(مکتوب ۸۵)

۷۔ با عشق جمال ما اگر ہم نفسی یک حرف بس است اگر بدیں در تو کسی

تا با تو توئی تست در ماندہ رسی در ما تو گہے رسی کہ از خود بُرسی

(مکتوب ۹۰)

۸۔ ملامت بیہدہ است افتادگاں را بر سر کویت کسے کاں روئے بیند از بلا آزاد کے ماند

خرابی ہاست اندر جانم از دست خیال تو چو سلطاں تیغ خود برداشت شہر آباد کے ماند

(مکتوب ۸۱)

آراء صاحبان دانش و دل: قبل اس کے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی تحریروں پر (مکتوبات وتصنیفات وملفوظات پر) صاحبان دل و دانش کی آراء قلمبند کی جائیں ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کرنا مناسب ہوگا۔ جناب نعیم ندوی صاحب نے مکتوبات صدی، جلد دوم میں، جس کے وہ ناشر بھی تھے، ایک مقدمہ درج کیا ہے۔اس مقدمہ میں 'مکتوبات کی علمی اور ادبی حیثیت' کے ایک ذیلی عنوان کے تحت فرماتے ہیں[۴]:

''مخدوم جہاںؒ کے تبحر علمی کا اعتراف علمائے کرام وصوفیائے عظام دونوں کو ہے۔ دونوں کو اس امر کا اعتراف ہے کہ آپ کا قلم سرمو بھی حدود شریعت سے باہر قدم نہیں رکھتا۔ مسائل کے

سمجھانے کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ ایسا ہے کہ نہ صرف سمجھ میں آجاتا ہے بلکہ دل میں اتر جاتا ہے۔ ''آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد''۔ اور یہ اس لئے ہے کہ آپ کے یہاں تصنع نہیں ہے۔ جو بات کہتے ہیں اس میں اپنے مخاطب کے فہم وادراک کا پورا خیال رکھتے ہیں اس لئے کہ ''دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر''۔ جس کا جو رتبہ ہوتا ہے اسی کے مرتبے اور مقام کے مطابق گفتگو کرتے ہیں جہاں کہیں کسی مبتدی سے واسطہ پڑا ہے وہاں نہ تو عبارت آرائی ہے اور نہ بلند پروازی۔ سیدھی سادی بات سیدھے سادے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ اور جہاں کہیں منتہی سے کام پڑا ہے وہاں وہ بلند پروازی، دقت نظری اور محققانہ انداز بیان پایا جاتا ہے کہ اچھے اچھوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ مولانا شمس الدین کے نام جو خطوط ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کا علم محدود ہے۔ برخلاف اس کے جو خطوط حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کے نام ہیں ان میں اکثر مقامات ایسے ہیں جو عام فہم نہیں ہیں۔

مخدوم جہاںؒ سے پہلے بھی ملفوظات اور مکتوبات کا دستور موجود تھا۔ مگر بہت ہی محدود تھا۔ ملفوظات اکثر روایتوں اور حکایتوں پر موقوف تھے یعنی ان میں علمی مضامین کا فقدان تھا۔ اسلئے اہل علم حضرات اس کے قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ وہاں جن مسائل پر بھی بحث ہوتی ان میں منقولی دلائل سے کام لیا جاتا۔ معقولی دلائل کا گذر نہیں۔ مخدوم جہاںؒ نے ملفوظات میں مسائل کے بیان کا وہ انداز اختیار کیا جس نے ملفوظات کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ محققانہ اور فلسفیانہ انداز میں مسائل کو اسطرح سمجھایا ہے کہ ہر مکتبہ خیال کے لوگوں کو پوری پوری تشفی ہوگئی''۔

کچھ صاحبان دل وصاحبان علم ودانش نے حضرت مخدوم جہاںؒ کی تصنیفات پر جو خامہ فرسائی کی ہے اس سے کچھ اقتباس پیش کیا جاتا ہے[۵]:

حضرت جلال الدین بخاری قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات ایسے ہیں کہ بعض مقامات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔''

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں:

''مکتوبات شیخ شرف الدین کفر صد سالہ ما بر کف دست نمود'' (یعنی شیخ شرف الدین کے

مکتوبات نے میرے سو سال کے کفر کو میری ہتھیلی پر رکھ کر دکھلا دیا)۔

حضرت عبداللہ شطاری قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

''بندہ معتقد کسے نیست۔ ہمہ بزرگان یکے اند۔ اما بندہ معتقد سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین منیری و بندگی حضرت خواجہ فرید الدین عطار ہستم۔ وجائے کہ ایں دو بزرگوار رسیدہ اند کسے کمتر رسیدہ است۔ وآں چہ کہ ایں ہر دو بزرگان حقائق و دقایق راہ دین بیان کردہ اند کسے بیان نہ کردہ است (ترجمہ: بندہ کسی کا معتقد نہیں ہے۔ تمام بزرگان ایک ہیں۔ البتہ سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الحق والدین اور حضرت خواجہ فرید الدین عطار کا معتقد ہوں کیونکہ جس مقام پر یہ دونوں بزرگان پہنچے ہیں کم لوگ پہنچے ہیں اور جو کچھ ان دونوں بزرگوں نے راہ دین کے حقائق اور باریکیوں کو بیان کیا ہے وہ کسی اور نے بیان نہیں کیا ہے)''

حضرت مخدوم احمد لنگر دریا رحمتہ اللہ فرماتے ہیں:

''سبحان اللہ زہے حوصلہ مخدوم جہاںؒ قدس اللہ سرہٗ العزیز کے حالے و مقامے کہ حضرت را بود معلوم است۔ اما ہیچ وقت سر سوز نے بیروں نہ دادند۔ زہے قوت وزہے مقام تمکین کہ حضرت ایشاں را حاصل شدہ بود۔ وآنکہ یکبار در گرمی وقت سخن فرمودہ اندر برائے آں چہ نوع عذر کردہ اند (ترجمہ: سبحان اللہ! کیا خوب! کہ جو حال و مقام آپ کا تھا وہ سب کو معلوم ہے مگر کبھی بھی اپنے سوز دل کا بھید ظاہر نہیں فرمایا کیا قوت اور کیا مقام تمکین تھا جو آپ کو حاصل تھا۔ اور یہ کہ ایک دفعہ گرمی وقت میں جو کچھ فرما گئے تو پھر دیکھئے کس طرح اس کے لئے عذر فرمایا ہے)''

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''حضرت مخدوم کی تصنیفات بہت عالی ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات میں مکتوبات کی شہرت بہت زیادہ ہے۔''

ابوالفضل آپ کی شان میں لکھتا ہے:

''آن تشنہ نشان یافتہ آب کہ جستنش تشنہ گرداند و نوشیدنش تشنہ تر شرف الدین منیری (ترجمہ: شرف الدین منیری کہ جنہیں ایسے پانی کا پتہ چل گیا جس کے آپ پیاسے تھے مگر یہ پانی ایسا ہے کہ اس کی جستجو سے پیاس بڑھتی ہے اور اس کے پی لینے سے تو اور بھی پیاس بڑھ جاتی ہے)''

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر مرشد حاضر نہ باشد مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری مطالعہ کند تا فریب نفس و وساوس خناس دریابد (ترجمہ: اگر کسی کا مرشد موجود نہ ہو تو مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کا مطالعہ کرے تا کہ وساوس خناس اور فریب نفس سے آگاہی حاصل ہو)''

مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں:

''دینی وعلمی برتریاں جو حضرت مخدوم کو بارگاہ ربانی سے ارزانی فرمائی گئی ہیں ان سے تو دنیا واقف ہے لیکن کم از کم میرا خیال تو یہی ہے کہ نثر نگاری میں سعدی شیرازی کے بعد کسی کا نام ہند ہی نہیں بلکہ ایران میں بھی اگر لیا جاسکتا ہے تو شاید وہ بہار کے مخدوم الملک ہی ہو سکتے ہیں۔ مکتوبات کی شکل میں جو ارقام فرمایا ہے فارسی زبان میں اس کی نظیر نہیں ملتی''۔

سید ضمیر الدین احمد صاحب سیرۃ الشرف فرماتے ہیں:

''اگر ان مکتوبات کے مضمون کو خیال کرو اور ان کی غرض کو سوچو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ سارے مکتوبات کا مضمون رشتہ خداوندی اور بندگی ہے''۔

خلیق احمد نظامی، استاد شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ فرماتے ہیں:

''طریقہ فردوسیہ کو ہندوستان میں پروان چڑھانے کا کام شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ نے انجام دیا۔ ان کے مکتوبات تصوف کا بڑا بیش قیمت ذخیرہ ہے''۔

معین الدین دردائی صاحب تاریخ سلسلہ فردوسیہ فرماتے ہیں:

''مخدوم الملک کی تمام تصانیف اور ملفوظات یوں تو اہم اور مشعل ہدایت ہیں لیکن ان کے مکتوبات کی اہمیت، مقبولیت اور افادیت بالخصوص بہت زیادہ ہے''۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب بزم صوفیہ فرماتے ہیں:

''مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں''۔

مولانا غلام سرور لاہوری اپنی تصنیف خزینۃ الاصفیاء میں فرماتے ہیں[6] کہ حضرت مخدوم ہندوستان کے مشہور مشائخ کبار میں ہیں۔ زہد و ریاضت، اخلاص و عبادت، تقویٰ و ارشاد میں یکتائے روزگار ہیں اور آپ کی تصانیف بلند پایہ ہیں۔

مولانا ابوالحسن ندوی اپنی کتاب 'دعوت وعزیمت' میں فرماتے ہیں کہ: "آپ کا ایک بڑا امتیاز اور ترقیات وکمالات کا راز آپ کی جبلی بلند ہمتی اور علو حوصلہ ہے جو آپ کے حالات زندگی اور مکتوبات کی سطر سطر سے ظاہر ہوتا ہے"۔

حوالہ جات:

(۱) مکتوبات صدی حصہ دوم مترجمہ شاہ الیاسؒ، صفحہ ۲۸۴
(۲) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۵۹
(۳) مکتوبات صدی حصہ دوم مترجمہ شاہ الیاسؒ، صفحہ ۲۸۵
(۴) ایضاً، صفحہ ۲۸۲
(۵) ایضاً، صفحہ ۲۷۹ تا ۲۸۲
(۶) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ مئی، جون ۷۶ء، صفحہ ۸
(۷) ایضاً، صفحہ ۹

ذات ستودہ صفات

سراپا: حضرت مخدوم جہاںؒ کی شکل وصورت سے متعلق زیادہ کچھ معلومات مرقوم نہیں ہیں۔ صاحب مونس القلوب کا بیان ہے کہ آپ سفید رنگ کے تھے۔ قد میانہ تھا[1]۔ اور مزید کچھ ذکر نہیں ہے۔ بدن لاغر ونحیف تھا کہ فقر اختیاری جو بحکم مرشد آپ نے اختیار فرمایا تھا اس کے تحت غذا قوت لایموت تک محدود تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حجام آپ کا خط بنا رہا تھا کہ استرہ لگ گیا۔ خون ہوتا تو نکلتا ایک ذرا سی نمی نمودار ہوئی اور بس[2]۔ پوری زندگی اسی طرح گزار دی مگر کبھی جسمانی کمزوری کسی شرعی احکام کی بجا آوری میں عذر کا سبب نہ بن سکی۔ دوران صحرا نوردی، تو جیسا مخدوم نے خود فرمایا، کبھی درخت کا پتا یا پھل کھالیا تو کھالیا۔ صاحب سیرت الشرف کے مطابق آپ دن بھر میں صرف ایک دفعہ غذا تناول فرماتے تھے۔ اور وہ بھی سوکھی روٹی اور پانی۔ ملفوظات سے یہ پتہ چلتا ہے[3] کہ اگر کوئی کچھ چیز آپ کو پیش کرتا تو آپ حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور خود بھی کچھ تناول فرما لیتے۔ اگر کوئی مرید یا معتقد دعوت دیتا تو اس کے گھر تشریف لے جاتے اور مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ مگر معمول آپ کا گرسنگی ہی تھا۔

آپ کے لباس کی بھی تفصیل مرقوم نہیں ہے۔ البتہ جو تبرکات مخدوم جہاںؒ کی خانقاہ میں پائے جاتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے[4] کہ آپ تہہ بند، مرزائی کرتا، چادر اور عمامہ استعمال کرتے تھے۔ ان کا رنگ صندلی ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے کپڑے کا رنگ صندلی تھا۔ لگتا ہے کہ آپ نے عبا وغیرہ جو اس زمانے کے علماء وشیوخ کا امتیازی لباس ہوا کرتا تھا اسکی طرف التفات نہیں فرمایا۔

عہد طفلی: آپ مادر زاد ولی تھے جیسا کہ عہد شیر خوارگی کے قصہ، بشارت ولادت اور خواجہ خضر کے قصوں، سے اندازہ ہوتا ہے (ان سب کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے) صاحب مناقب الاصفیاء نے آپ کو مادر زاد ولی اور محفوظ بھی لکھا ہے[5]۔ اگرچہ آپکے بچپن کے قصے مشہور نہیں ہیں مگر اندازہ یہی ہوتا ہے کہ بچپن اور جوانی بھی بے داغ گزری۔ مگر ان ایام میں آپ سے کسی کرامت کا ظہور مذکور نہیں جیسا کہ اکثر مادر زاد ولی سے صدور ہو جایا کرتا ہے۔ شریعت کی پاسداری میں آپ کو کمال احتیاط حاصل تھا کہ

دین کی مقتدائی کے لئے یہ بڑی نشانی ہے۔ شاید قدرت کو خاص طور پر آپ کو لوگوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ بنانا منظور تھا۔

شغف تحصیل علم: شغف تحصیل علم کا آپ کا جوہر تو سنارگاؤں میں ظاہر ہوا جیسا کہ ذکر ہوا۔ آپ تحصیل علم میں ایک لمحہ بھی ضائع کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ طالبعلموں کے کھانے کا جہاں مشترکہ انتظام تھا وہاں جانا آپ نے چھوڑ دیا کہ اس سے وقت بہت ضائع ہوتا تھا۔ اس طرح تو آپ کا فاقہ ہو جاتا تھا۔ جب حضرت استاد ابوتوامہؒ کو خبر ہوئی تو آپ نے مخدوم کے کھانے کا الگ انتظام فرما دیا[٦]۔ حضرت ابوتوامہؒ علم کے بادشاہ تھے اور تمامی علوم میں کمال رکھتے تھے۔ آپ بخارا سے تشریف لائے تھے۔ اس لئے مرکز بلاد اسلامی میں مروج تمام علوم اور ان سے متعلق درسی اور تحقیقی کتابوں پر مکمل دستگاہ رکھتے تھے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس زمانے میں چھاپے خانے تو تھے نہیں۔ چنانچہ یہ طالب علم کا اپنا شغف اور ذوق ہوتا تھا کہ کس طرح کتابوں تک رسائی حاصل کرے۔ اسی لئے یہ نظر آتا ہے کہ مخدوم جہاںؒ سے پیشتر ہندوستان میں تفسیر و حدیث وفقہ و تصوف کی کتابوں کی فراہمی محدود تھی اور تصنیفات امام محمد غزالی واحمد غزالی، عین القضاۃ، مولانا روم، حکیم سنائی، فریدالدین عطار وغیرہ سے اور فن حدیث و تفسیر کی کتابوں سے اس وقت کے علمی حلقے محدود واقفیت رکھتے تھے۔ یا اگر کسی فرد کو ان کا پتہ بھی تھا تو ان سے استفادہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا چنانچہ ان پر معترض رہتا تھا[٧]۔ قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کو حضرت ابوتوامہؒ کی درسگاہ میں ان کتابوں تک نہ یہ کہ رسائی ہوگئی تھی بلکہ ان سے کمال شغف بھی پیدا ہو گیا تھا اور استاد نے بھی چہیتے شاگرد کے علم کو بہت جلا بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات اور تصنیفات میں فراوانی کے ساتھ بے تکلف ان تصنیفات کے حوالے نظر آتے ہیں۔ اگلے صفحات میں اس پر مزید گفتگو ہوگی۔

مجاہدات طلب حق: مجاہدہ طلب حق کی پہلی منزل تو سفر دہلی ہے۔ ابھی مرشد تک رسائی تو نہیں ہوئی ہے، راستہ میں بہت سے دروں پر حاضری دی اور کہہ اٹھے کہ اگر شیخی یہی ہے تو میں بھی شیخ ہوں یہ جملہ بتا رہا ہے کہ راہ حق میں دل کی کشادہ ہو چکی تھی۔ باطن ابھی سے روشن تھا کہ طریقت کے لوگوں کی پہچان

ابھی سے حاصل تھی۔ اگرچہ لوگوں نے اس جملے پر اعتراض بھی کیا ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ یہ ابتدائے حال کا خروش ہے بعد میں ہم دیکھیں گے کہ اوج کمال پر آپ کی زبان کیسی گنگ ہوگئی ہے۔ بہر صورت جب باقاعدہ سلوک کی راہ میں قدم رکھا تو ابتدا صحرانوردی سے ہوئی۔ ان تیس چالیس برسوں میں آپ پر کیا گزری، کن منازل سے گزرے، کچھ پتہ نہیں۔ البتہ آپ نے خود یہ فرمایا کہ جو مجاہدے آپ نے کیے ہیں اگر پتھر کرتا تو پانی ہو جاتا مگر شرف الدین کچھ نہ ہوا۔ کسی کے استفسار پر کہ دوران مجاہدہ اگر کبھی کچھ ذوق حاصل ہوا ہو تو بیان فرمائیں، حضرت مخدوم نے صحرانوردی کے زمانے کا ایک واقعہ بیان فرمایا وہ یہ کہ ایک رات آپ کو غسل طہارت کی ضرورت ہوگئی۔ سخت سردی تھی پانی یخ تھا۔ نفس نے شریعت میں پناہ لینا چاہا اور تیمّم کا راستہ دکھایا۔ اس کی مخالفت میں آپ پانی میں کود پڑے۔ بیہوش ہوگئے۔ جب ذرا دھوپ نکلی تو ہوش آیا۔ نماز فجر قضا ہو چکی تھی مگر اس میں ذوق بہت نصیب ہوا۔

مسند مقتدائی: بہار میں مسند مقتدائی پر جب معتقدین نے متمکن کر ہی دیا تو اگرچہ لذت صحرانوردی کی طلب اکثر مجبور کر دیتی تھی اور اکثر کچھ دنوں یا مہینے کے لئے آپ راجگیر کے پہاڑوں میں چلے بھی جاتے تھے مگر اب رشد و ہدایت کا کام جاری ہو چکا تھا اور اسکا جاری رکھنا ضروری تھا۔ معتقدین اور متوسلین کا حلقہ بڑھ رہا تھا۔ سلطان محمد تغلق کے حکم سے خانقاہ بھی تعمیر ہوگئی اور خانقاہ سے متعلق جاگیر بھی ہوگئی مگر یہ واقعہ بھی قابل توجہ ہے اور حضرت مخدوم جہاںؒ کی معاملہ فہمی کا پتہ دیتا ہے۔ حضرت مجد الملک تو حضرت مخدوم جہاںؒ کے مرید ہیں اور حضرت مولانا نظام الدین مولیٰؒ کے ساتھ مل کر حضرت مخدوم جہاںؒ کے قیام کی جگہ تعمیر بھی کرا چکے ہیں مگر اب معاملہ دوسرا تھا۔ سلطان وقت جو مرتاص تھا اور خدمت دینی کا جذبہ رکھتا تھا چاہتا تھا کہ راست و پاکباز لوگ امور مملکت میں اس کا ساتھ دیں۔ چنانچہ اکثر اولیاء اللہ کو مسند خانقاہی سے ہٹا کر منصب قضا پر فائز کر دیتا تھا اور اس میں جبر سے بھی کام لیتا تھا۔ یہ سلطان حضرت مخدوم جہاںؒ کے لئے تعمیر خانقاہ کا ارادہ کر لیتا ہے اور اس کے لئے جاگیر بھی متعین کر دیتا ہے مگر جانتا ہے کہ اس مقام کے اولیاء اللہ ان کے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہونگے۔ چنانچہ مجد الملک کو حکم ہوتا ہے کہ جبراً قبول کروانا اگر معذرت پیش کریں۔ مجد الملک نے حقیقت حال سے آگاہی کر دی اور اس بات کا اندیشہ ظاہر کیا کہ حضرت مخدوم نے اگر قبول نہیں کیا تو ان کی (مجد الملک کی) سرزنش ہونی ہی ہونی ہے۔ حضرت مخدوم نے بہ اکراہ اس کو قبول

کرلیا۔ بہت سے لوگ ایسے موقع سے اپنی پارسائی کی شہرت کے لئے محاذ آرائی کی صورت پیدا کردیتے مگر حضرت مخدوم سلطان کی نیک نیتی سے واقف ہیں۔ اپنے مرید کے لئے مشکلات بھی کھڑا کرنا نہیں چاہتے تو ایسی پیش کش جس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں اس کو قبول فرمالیتے ہیں۔ مگر پندرہ سال بعد جب فیروز شاہ تغلق محمد تغلق کا جانشین ہوتا ہے تو مخدوم جہاںؒ بنفس نفیس دہلی کا سفر کرتے ہیں ۸۔ فیروز شاہ تغلق کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور تمام کاغذات جاگیر وغیرہ واپس کردیتے ہیں۔ کم اندیش حاشیہ نشینان سلطان نے مخدوم کی آمد کی خبر سن کر جو فتنہ انگیز بات کہی تھی (کہ دیکھئے ان حضرت (یعنی حضرت مخدوم) کو اتنا کچھ مل چکا ہے اب نہ جانے اور کیا طلب کرنے آنا چاہتے ہیں) اب جب یہ منظر دیکھا تو شرمندہ بہت ہوئے۔ فیروز شاہ نے حضرت مخدوم جہاںؒ کی بات بادل ناخواستہ مان لی مگر چلتے ہوئے کچھ رقم ہدیہ کیا اور حضرت مخدوم جہاںؒ سے اس کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے قبول کرلیا۔ مگر دربار سے جیسے باہر آئے وہیں کے لوگوں میں وہ رقم تقسیم فرمادی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کی ذاتی زندگی جاگیر واپس کرنے سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی بعد میں رہی۔ یہاں ایک نکتہ واضح کرنا ضروری ہے کہ منصب اقتداء کی ذمہ داری صرف اس حد تک نہیں ہے کہ اپنی زندگی میں تو ایک نظم وضبط پیدا کرلیا جائے مگر دوسرے اعزہ و متعلقین جو ساتھ رہتے ہوں وہ معیار صاحب اقتداء سے کمتر زندگی گزاریں۔ پچھلے اوراق میں حضرت مخدوم جہاںؒ کی والدہ سے متعلق ایک واقعہ بیان ہوچکا ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنی والدہ محترمہ کے لئے ایک معینہ مقرر فرمادیا تھا جس کو پہنچانے کی ذمہ داری حضرت چولھائی کو سونپ دی تھی۔ ایک دن والدہ سے ملنے کچھ عزیز آئے۔ والدہ نے ان کی تواضع کے لئے مرغ منگوایا جس کو پکانے کے لئے گھر میں چولھا جلا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کو گھر سے دھواں اٹھتا نظر آیا۔ حضرت چولھائی سے حقیقت حال دریافت کیا اور پھر اپنی والدہ کے پاس گئے اور لجاجت سے عرض کیا کہ آپ سے ایک وعدہ لیا تھا وہ بھی پورا نہ ہوسکا۔ والدہ نے کچا پکا کھانا جیسا تھا اپنے عزیز کو دے دیا اور فرمایا کہ کہیں اور جاکر پکوالو۔

صلہ رحمی: حضرت مخدوم جہاںؒ کو صلہ رحمی کا بہت خیال تھا۔ آپ کے بہار میں سکونت پذیر ہونے کے بعد آپ کے خاندان کے افراد بہار شریف تشریف لے آئے تھے۔ حضرت مخدوم کی والدہ تو ساتھ رہتی تھیں جن کی خدمت کے لئے حضرت چولھائی مامور تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت جلیل

الدین بھی حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر باش رہتے تھے۔آپ کے صاحبزادے مخدوم ذکی الدین آپ کی مجالس میں شرکت فرماتے اور حضرت مخدوم سے استفادہ کرتے تھے۔تکمیل تعلیم کے بعد آپ بنگال بمقام شکرڈیہہ چلے گئے تھے جہاں آپ کے چھوٹے چچا مخدوم حبیب الدین (جو حضرت مخدوم جہاںؒ کے مرید بھی تھے) نے مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔بی بی بارکہ بنت مخدوم ذکی الدین جو حضرت مخدوم وحید الدین چلہ کش سے بیاہی گئی تھیں وہ اپنے شوہر کے ساتھ سنہرا میں رہتی تھیں۔حضرت مخدوم جہاںؒ پوتی کے پاس سنہرا تشریف لے جایا کرتے تھے[9]۔حضرت بی بی بارکہ کے بیٹے مخدوم علیم الدین بھی سنہرہ میں رہتے تھے اور اپنے والد کے وصال کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے۔حضرت مخدوم اپنی پوتی کے بیٹے سے بہت محبت کرتے تھے اور ان سے ملنے بھی جایا کرتے تھے اور حضرت مخدوم مولانا مظفر شمس بلخی کو ایک دفعہ ان کے لئے دعا کرنے کے لئے بھی کہا تھا۔حضرت مخدوم شعیبؒ نے شیخپورہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔حضرت مخدوم جہاںؒ اپنے چچازاد بھائی سے ملنے شیخپورہ جایا کرتے تھے۔(جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے حضرت مخدوم جہاںؒ کے دادا اور مخدوم شعیب کے دادا سگے بھائی تھے)۔حضرت مخدوم کے بھانجے بھی آپ کی مجالس میں شرکت کرتے تھے۔

سلسلہ رشد و ہدایت: مقتدائی رشد و ہدایت کے منصب کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب اقتداء مجسم محبت و شفقت ہو اور جذبہ خدمت اس کا شعار ہو۔حضرت مخدوم جہاںؒ میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔محبت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ بلا تفریق مذہب و ملت، امیر و غریب، مرید ہو یا غیر مرید، بدکار ہو یا نیکوکار آپ کے دل میں سب کے لئے تڑپ تھی۔آپ کے در پر تو سبھی آتے تھے۔کوئی مریض ہوتا تو کوئی حاجت دنیا رکھتا۔کوئی عقبیٰ کی فکر کرتا کوئی داخل اسلام ہونا چاہتا آپ سب کے لئے ہر دم تیار رہتے۔مریضوں کے علاج کے لئے نسخہ بھی عطا کرتے۔بہت سے نسخے تو دوہوں کی شکل میں آپ نے عام کردیئے، کسی کی حاجت روائی کے لئے دعا فرماتے اور کبھی ضرورت ہوتی تو باانداز کرامت بھی حل مشکلات فرماتے مگر چونکہ کرامت سے آپ کو حد درجہ اجتناب تھا تو ایسے حاجتمند میران جلال دیوانہ کے سپرد کردیئے جاتے[10] استتار حال کا یہ انداز بھی دیکھئے۔اولیاء اللہ کی شفقت و رافت جو مخلوق پر ہوتی ہے اس سلسلہ میں حضرت مخدوم جہاںؒ خود فرماتے ہیں[11]:

''اب ان بزرگوں کے مراتب کو دیکھو کہ اس کی کچھ انتہا نہیں ملتی ہے۔ تم اس کو باور کرو کہ ان کے قدموں کی خاک آنکھوں کے لئے کحل الجواہر کا کام کرتی ہے۔ اور زبان ان کی باد بہاری کی طرح ہمہ تن حیات ہے جس طرح موسم بہار کا پانی مردہ زمین کو لباس حیات پہنا دیتا ہے اور خارستان کو گلستان بنا دیتا ہے۔ اسی طرح جو بات ان کی زبان سے نکلتی ہے وہ مردہ دلوں کو زندہ بنا دیتی ہے اور واقعی گفتار حق کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ایسے ہی با اثر ہو۔ اگر باتیں ان بزرگوں کی دل کے لئے جان ہیں تو کل افعال و صفات ان کے بند کشا و حل کنندہ مہمات ہیں۔ رحمت للعالمین کی امت خاص ہیں۔ رحمتہ للعالمین کے شیدا ہیں۔ ان کی رحمت و شفقت کی روشنی بھی تمام پھیلی رہتی ہے۔ خود نہ کھائیں گے، خلق اللہ کو ضرور کھلائیں گے۔ خود اچھا کپڑا نہیں پہنیں گے، حاجتمندوں کو پہنائیں گے۔ تیکھی تیکھی باتیں سنیں گے، مگر اس نشتر کو برداشت کریں گے۔ ظلم سہیں گے مگر ظالم سے بدلہ نہ لیں گے بلکہ اس کی شفاعت کرنے کو تیار ہوں گے۔ جفا کے عوض وفا کریں گے۔ دشنام کے مقابلہ کو دعا و ثنا سے آمادہ ہونگے۔ تم جانتے ہو اس قدر بے نفسی کا باعث کیا ہے۔ اس کا صرف سبب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو محفوظ بنا لیا ہے۔ انبیاء علیہ السلام معصوم ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔ ان بزرگوں کے دل کے صحرا سے باد راحت چلتی ہے اور خلق خدا کے دل و دماغ کو تازہ کرتی ہے ان کی شفقت کی مثال آفتاب سے ہے۔ دوست دشمن سب اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ تواضع میں وہ لوگ گویا زمین ہو رہے ہیں۔ ساری دنیا ان کو روندے بھی تو وہ اف نہ کریں گے۔ خلق اللہ سے بدلہ لینا گویا ان کا کام نہیں۔ یہاں پر وہ بالکل کوتاہ دست ہو جاتے ہیں۔ تمام عالم کی عیال داری کرنے کو تیار ہو جائیں گے مگر اپنے کھانے کپڑے کا بار کسی پر نہ ڈالیں گے۔ سخاوت میں ان کو ایک دریا سمجھو۔ دوست دشمن دونوں کو برابر سیراب کرتے ہیں...... دیکھو جن جن صفات کو ہم نے بیان کیا اگر یہ صفتیں اہل طریقت میں پائی نہ جائیں تو یوں سمجھو کہ اس نے ابھی راہ طلب میں قدم رکھا ہی نہیں''۔

غور فرمائیں تو جو کچھ حضرت مخدوم فرما رہے ہیں وہ حقیقت میں حال اپنا ہی بیان کر رہے ہیں۔ جذبہ خدمت کے سلسلے میں یہاں پر ایک خصوصی گوشہ کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے امراء و ملوک سے روابط بھی کافی وسیع تھے[12]۔ مثلاً مجد الملک مقطع بہار، قاضی زاہد، قاضی شمس الدین، رضی الملک،

سلطان محمد، داور ملک داماد سلطان محمد، ملک الامراء ملک فرح، شاہزادہ مبارک، قاضی معین الدین حاکم بہار، مولانا صدرالدین نائب قاضی سنارگاؤں کا بار بار ذکر حضرت مخدوم کے ملفوظات ومکتوبات میں نظر آتا ہے۔ مگر یہ روابط کسی ذاتی غرض سے نہیں تھے۔ ان میں ایک بڑا مقصد تو عوام الناس کی حاجت براری تھا کہ عوام کو اکثر امراء وسلاطین سے کچھ نہ کچھ حاجت پیش آتی رہتی تھی چنانچہ حاجت روائی کے لئے حضرت مخدوم جہاںؒ خطوط لکھتے تھے جن میں بڑے سلیقے سے حاجتمند کی حاجت روائی کی ترغیب دی جاتی تھی۔ بہت سے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے۔ مثلاً مخدوم بہاء الدین ذکریا ملتانی وحضرت رکن الدین ملتانی اکثر سلطان وامراء کو اس قسم کے خطوط لکھا کرتے تھے۔ یہ طریقہ تو ایک پیغمبر سے بھی منسوب ہے۔ صاحب احیاء العلوم ایک پیغمبر کا حال بیان کرتے ہیں[13] کہ وہ بادشاہ کے گھوڑے کی رکاب پکڑے رہتے۔ لوگ تعجب کرتے کہ پیغمبر کا بادشاہ کے گھوڑے کی رکاب پکڑنا یعنی چہ۔ پیغمبر نے جواب دیا کہ میں اس کے گھوڑے کی رکاب اس لئے پکڑتا ہوں کہ مجھ سے اس کو الفت ہو۔ اگر اس کو مجھ سے محبت والفت ہو جائے گی تو وقت پر خلق اللہ کا کام نکال سکوں گا۔ خدمت کی مثال ایک یہ ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو اس طرح کا خط خواجہ عابد ظفر آبادی کے تلف مال کے ازالہ کیلئے لکھا تھا جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ بہت سے امراء وملوک تو آپ کے متوسلین بھی تھے تو ان کو آپ خطوط از راہ ترغیب عمل نیک لکھتے تھے۔ مثلاً ملک المفرح کے نام ایک مکتوب میں لوگوں کو راحت پہنچانے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کو اہم کام بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگرچہ دنیا میں آفتیں اور بلائیں بہت ہیں مگر اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے[14]۔

دل پذیری وحق گوئی: آپ کو کسی کی دل شکنی گوارا نہ تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ روزہ (نفلی) سے تھے اور کسی نے آپ کو دعوت دیدی۔ آپ نے دعوت قبول کر لی اور روزہ افطار کر لیا۔ فرماتے تھے کہ روزہ کی قضا ہے مگر دلشکنی کی نہیں ہے۔ مگر حق گوئی میں بیباک تھے[15]۔ قاضی صدرالدین ایک بزرگ تھے اور حضرت مخدوم ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک مکتوب میں اپنے مرید خاص قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کو یہ لکھا کہ قاضی صدرالدین کی صحبت کو غنیمت سمجھو اور اسے نشان سعادت تصور کرو۔ لیکن جب قاضی صدرالدین نے منصب قضا قبول کر لیا اور اس کی خبر آپ کو پہنچی تو آپ نے انہیں ایک خط میں لکھا کہ ایک عزیز سے آپ کی خیریت معلوم ہوئی اور یہ سن کر اطمینان ہوا کہ میرا بھائی سلامت ہے مگر اس خبر سے کہ آپ نے نائب قاضی کا عہدہ قبول کر لیا دل کو سخت کراہت محسوس ہوئی۔ اے بھائی! پچاس ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے عہدہ قضا

اور تدریس و تکرار کا یہ کون سا موقع ہے۔ آگ میں جھونکو اور سب کو جلا کر خاکستر کر دو۔ کاغذ اور قلم کو کسی ایک کونے میں پھینکو۔ قلم کو توڑ دو اور دوات کو الٹ دو۔ اپنے عمل کی فکر کرو تم تو اس قابل تھے کہ تاریکیوں سے نکل کر اپنی راہ لیتے۔

اتباع سنت: اتباع سنت میں حد درجہ کمال اور اس سے شغف رکھتے تھے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ تھے۔ اپنی تحریر و تقریر میں اس پر بہت زور دیتے تھے۔ اس ضمن میں آپ کی بیشمار تحریریں موجود ہیں۔ شریعت اور اتباع سنت کو طریقت کی بنیاد قرار دیتے تھے اور اس سے سرمو انحراف گوارا نہیں تھا۔ اسی اتباع سنت نے آپ کے اخلاق کو ایسی جلا بخشی تھی کہ نجی یا معاشرتی زندگی کے جس پہلو سے بھی آپ کو دیکھا جائے آپ اعلیٰ اخلاق کے بہت ہی بلند مینار نظر آتے ہیں۔ آپ میں کمال کا تواضع تھا۔ اپنے کو کمترین خلائق سمجھتے تھے۔ ولایت کی پہچان بھی یہی بتاتے تھے۔ بظاہر تو ایسا قول تصنع پر مبنی نظر آتا ہے اور خاص کر یہ کہنا کہ ولی اللہ فی الحقیقت اپنے کو کمترین خلائق سمجھتے ہیں۔

اتباع سنت پر آپ خود عمل پیرا ہی نہیں تھے بلکہ آپ اپنے مریدین و متوسلین کو اس کی بڑی تاکید کرتے تھے اور ترغیب دیتے تھے۔ تحفہ غیبی میں آپ سے مروی ہے[۱۶] کہ ''حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی متابعت شریعت ہے۔ آپ ﷺ کے اعمال کی متابعت طریقت ہے اور آپ ﷺ کے احوال کی متابعت حقیقت ہے۔ چنانچہ ہر اس شخص نے جس نے ان تینوں میں کمال متابعت حاصل کر لی اس نے اس وعدہ کو پالیا جس کا ذکر اللہ رب العزت نے کلام پاک میں فرمایا ہے یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو تم حضرت رسالتمآب ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ اللہ تم سے محبت کرے''۔ اتباع سنت پر استقامت کا آپ کے یہ حال تھا کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی سرمو اس سے پہلو تہی نہیں کی۔ مشہور واقعہ ہے کہ آپ کا وقت اخیر قریب تھا اور ان لمحات میں وضو فرما رہے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مخدوم جلیل الدین آپ کی مدد فرما رہے تھے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ اس وضو میں چہرہ دھونا بھول گئے۔ بھائی نے یاد دلایا تو از سر نو تجدید وضو کر لیا۔

اتباع سنت میں آپ کی پوری زندگی اس طرح رچ بس گئی تھی کہ آپ خلق محمدی ﷺ کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے تھے۔ چنانچہ اعلیٰ اخلاق کے جن جن عنوانات کو سوچا جائے آپ ان تمام اعلیٰ اخلاق سے متصف

تھے۔ جود وسخا۔ محبت وشفقت۔ تواضع۔ پردہ پوشی۔ مدح وذم خلائق سے بے پروا۔ طمع اور خودغرضی سے بالکل پاک۔ الغرض تمام اوصاف حمیدہ سے آپ متصف تھے۔

آپ کی تواضع کا ایک واقعہ ہے [17] کہ آپ نے حضرت سید جلال بخاری کی خدمت میں ایک جوڑی کفش بھیجی مطلب یہ تھا کہ میں آپ کی جوتیوں کے برابر ہوں۔ بڑوں کا ظرف دیکھئے۔ حضرت جلال بخاری نے اس کے عوض حضرت مخدوم جہاںؒ کو اپنی دستار بھیج دی مطلب یہ تھا کہ حضرت مخدوم جہاںؒ میرے سرتاج ہیں۔

آپ کی صفت پردہ پوشی کا ایک واقعہ یوں ہے [18] کہ ایک موقع پر نماز با جماعت کی امامت کے لئے ایک صاحب جنہیں مے نوشی سے شغف تھا آگے بڑھ گئے۔ حاضرین نے اعتراض کیا کہ یہ شراب خور ہیں ان کی امامت میں نماز درست نہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ اکثر نہیں پیتے ہونگے۔ لوگوں نے کہا کہ اکثر ہی پیتے ہیں۔ مخدوم نے فرمایا رمضان شریف میں تو نہیں پیتے ہونگے۔ اس طرح ان صاحب کی امامت میں نماز پڑھ لی۔ پردہ پوشی میں آپ نے جو ظرف دکھایا اور ان صاحب کو خجالت سے بچانے کی جو کوشش کی علمائے ظاہر بیں تو اگرچہ اس پر اعتراض کر سکتے ہیں مگر اس کی حکمت سے ناآشنا لوگ عوام الناس میں صرف انتشار کا ہی سبب بنتے ہیں۔

آپ کے حسن ظن کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی صاحب سے کوئی بات ایسی منسوب پاتے جو باطل نظر آتی تو ایسی تحریروں کی اصلاح فرمادیتے [19] اور صاحب تحریر سے ایسی باتوں کو منسوب نہیں ہونے دیتے۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ شیخ نظام الدین نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات کے حوالے سے یہ فرمایا کہ جب حضرت رسالتمآب ﷺ اپنی انگوٹھی گھمارہے تھے تو آپ ﷺ اس درمیان اللہ تعالیٰ سے غافل ہو گئے تھے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فوراً کہا کہ اتنے بڑے عالم سے ایسی غلطی نہیں ہوسکتی۔ یہ کاتب کی غلطی ہوگی پیغمبروں سے ایسی غلطی جائز نہیں۔

سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو مال آتا اسے فوراً ہی تقسیم کر دیتے [20]۔ فیروز شاہ تغلق نے جو ہدیہ پیش کیا تھا دربار سے جیسے ہی باہر نکلے وہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک دفعہ سونے کے چند تنکے کسی نے آپ کو پیش کئے۔ آپ نے بیشتر لوگوں میں تقسیم کر دیا اور ایک تنکہ صحن میں پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ قاضی زاہد کے لئے ہے۔

حرم کعبہ در آستین غلام شرف بنگر (ملفوظی)

مدح وذم خلائق سے بالکل بے پرواتھے۔ مدح کے سلسلہ میں تو آپ کا حال یہ تھا کہ بیزار رہتے تھے اور اکثر خطوط میں آپ نے اسکا اظہار کیا ہے کہ آپ کو جولوگ اعلیٰ القاب سے موسوم کرتے تھے ان کے وہ اپنے کوسزاوار نہیں سمجھتے۔ کیا انکسار تھا! سبحان اللہ! ایک جوابی مکتوب بنام داؤد ملک، داماد سلطان محمد تغلق میں آپ نے فرمایا[21]: ''جناب نے مجھے ملک المشائخ قطب الاولیاء لکھا ہے اور خود کو ایک معتقد کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ افسوس صد افسوس! اپنا حال تو یہ ہے کہ شقاوت وادبار، لعنت وخاکساری، نگوں ساری دیت (بت؟) پرستی اور زنار داری سے معاملہ آگے نہیں بڑھا ہے۔ آہ۔ آہ لوگوں کو اس ناچیز کے متعلق، اس کے نفاق اور خذلان کے متعلق کچھ خبر نہیں۔ لہٰذا وہ لوگ نیک گمان رکھتے ہیں''۔ اسی طرح لوگوں کے ذم سے بھی بے پروا تھے بلکہ اس سے تو لطف اندوز ہوتے تھے۔ مونس القلوب میں مذکور ہے[22] کہ شیخ منہاج الدین بارہا حضرت مخدوم کے حج نہ کرنے پر معترض ہوتے تھے۔ حضرت مخدوم عذر شرعی پیش کرتے تھے۔ شیخ منہاج الدین نے خود سات حج کئے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ مولانا مظفر کی موجودگی میں شیخ منہاج الدین نے یہی قصہ چھیڑا۔ مولانا مظفر کو جلال آگیا اور فرمایا کہ ''حرم کعبہ در آستین غلام شرف بنگر (یعنی حرم کعبہ کو شرف الدین کے غلام کے آستین میں دیکھئے)''۔ شیخ نے جو نظر کی تو واقعی خانہ کعبہ آستین مولانا مظفر میں نظر آیا۔ شیخ خجل ہوئے مگر حضرت مخدوم جہاںؒ کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور تین دنوں تک مولانا سے بات چیت نہیں کی اور فرمایا کہ اگر میں نہ ہوتا تو تمہارا حشر بھی حضرت منصور حلاج جیسا ہوتا۔ ذم میں چونکہ نفس کشی ہوتی ہے اسی لئے اس سے آپ کو بہت لذت محسوس ہوتی تھی۔ دوران صحرانوردی ایک دفعہ ایسا ہوا[23] کہ ایک چرواہا کچھ گائیں چرا رہا تھا۔ آپ کی نظر ایک بچھڑے پر پڑ گئی اور اس کو پیار کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اتنے میں پاس سے ایک جادوگرنی (ڈائن) گزری۔ اس نے چپکے سے سحر کیا اور اس کے سحر سے بچھڑا بچھڑنے لگا۔ چرواہے نے حضرت مخدوم جہاںؒ کو مورد الزام سمجھا اور ان پر ڈنڈا مارا۔ حضرت مخدوم نے اس سے کہا کہ اگر یہ بچھڑا بچ جائے تب تو تم مجھ کو کچھ نہ کہوگے۔ چرواہا راضی ہو گیا۔ حضرت مخدوم کو اپنا استتار حال مقدم تھا۔ چنانچہ وہ اس ساحرہ کے پاس گئے اور اس کو بہت سمجھایا کہ تو ہی اس کی ذمہ دار ہے۔ اس کی کاٹ کردے ورنہ ہم دونوں کو بہت پریشانی ہوگی۔ ساحرہ مان گئی بچھڑا ٹھیک ہو گیا حضرت مخدوم کو چرواہے سے رہائی ہوگئی۔ چرواہے کو تو آپ کی عظمت کا پتہ نہ چلا مگر حضرت مخدوم کو اس کے ڈنڈے کی ضرب سے جو نفس کشی کی لذت ملی وہ انہیں محظوظ کرتی رہی۔ اسی طرح رمضان کے مہینے میں بعد تراویح ایک امیر زادہ آپ کو اپنے گھر لے گئے۔ امیر

زادہ نے آپ کو کھانے پر مدعو کرلیا اور آپ کھانے پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں امیر زادہ کا ملازم پہنچا اور اپنے امیر کے ساتھ ایک درویش بے نوا کو کھاتا دیکھ کر حضرت مخدوم کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ حضرت مخدوم اس کی حقارت سے بہت محظوظ ہوئے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ پیروی سنت میں ہدایا قبول فرماتے تھے۔ ملک مفرح وغیرہ کا حضرت مخدوم کو تحفہ بھیجنا ملفوظات میں مذکور ہے[۲۴]۔ حضرت مخدوم جہاںؒ ہدیہ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ: ''درویشان و عزیزان اگر چیزے بفرستند ہر آئینہ قبول باید کردن دراں عیبے نیست کہ بزرگاں چنیں کردہ اند۔ مگر در وآفتے بود اگر بنابرآن آفت قبول نہ کند باکے نیست (یعنی اگر کوئی درویش یا کوئی عزیز کچھ چیز بھیجے تو اس کو قبول کر لینے میں کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ بزرگوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ البتہ اگر اس میں آفت ہو تو انکار کرنے میں حرج نہیں ہے)''۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کو پابندی اوقات کا خاص لحاظ رہتا تھا[۲۵] اور آپ نے اپنے ریاضت و مجاہدے، تعلیم و تعلم، خلق کی مقصد برآری، کھانے پینے، استراحت و آرام وغیرہ کے لئے اوقات کار منضبط کیا ہوا تھا۔

بلند ہمتی وانکساری: آپ طلب راہ حق میں خود بھی بلند ہمتی سے کام لیتے تھے اور اپنے مریدین کو بھی اس کی رغبت دلاتے تھے۔ مکتوبات میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ ہمیشہ فرماتے یہی تھے کہ شرف الدین کچھ نہ ہوا۔ اور ہمیشہ انکساری سے کام لیتے تھے۔ ایک مکتوب بنام شیخ مغربی رحمۃ اللہ علیہ میں آپ کا انداز تواضح وانکساری قابل دیدنی ہے۔ اس سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں[۲۶]:

''بجناب شیخ مغربی رحمۃ اللہ علیہ شرف منیری جو اپنے تقصیرات سے شرمندہ ہے اور اپنی خطاؤں پر خجل ہے اور ہنوز زندہ ہے، کی جانب سے سلام و تحیت

اس بدنصیب نے بارہا چاہا کہ ہندوستان سے باہر نکلے۔ مسلمانوں کی صحبت اور درویشوں کی خدمت سے فائدہ اٹھائے۔ شاید اس طرح مسلمان ہو جائے۔ لیکن موقع نہ ملا۔ خدا ہی جانتا ہے اس وقت جو میرا حال ہو رہا ہے۔ آئندہ کیا ہوگا؟

مجی! میرا معاملہ بھی عجیب ہے۔ کوئی شیخ کہتا ہے تو کوئی مرید ہوتا ہے۔ ایک ملک المشائخ لکھتا ہے تو دوسرا قطب الاولیاء کہتا ہے اور اپنا حال یہ ہے کہ ابھی تک مسلمانی کا چہرہ بھی نہیں

دیکھا ہے اور نفس کے زنار گبرگی کو اپنی گردن سے اتار نہیں پھینکا ہے۔ آہ افسوس !! میری کتنی فضیحت ہے۔

اب اس کے علاوہ کیا چارہ ہے کہ دوستوں کی طرف بھاگوں، احباب کے قدموں پر گروں اور فریاد کروں کہ اپنی دولت ونعمت کی زکوٰۃ میں سے کچھ اس مفلس وگدا کے لئے بھی نکالیں اور اپنے خاص وقت میں جو لی مع اللہ وقت سے عبارت ہے، حضرت رب العزت کی بارگاہ سے اس کم نصیب کے لئے بھی کچھ طلب کریں بلکہ لے کر اٹھیں''۔

افادات علمی: آپ کی مجالس علمی سے تو حاضرین مجلس مُستفیض ہوتے ہی تھے اور یہ سلسلہ پابندی سے جاری رہتا تھا۔ اسی کے نتیجے میں آپ کے ملفوظات مرتب ہوئے اور ان سے آج بھی لوگ فیضیاب ہورہے ہیں۔ ان کے ماسوا آپ کے پاس علمی استفسار پر مبنی خطوط آتے تھے جن کا آپ باقاعدہ جواب مرحمت فرماتے تھے۔" اجوبہ کا کوی شیخ عز کاکوی کو لکھے ہوئے خطوط پر مشتمل رسالہ ہے۔ اس طرح سے لکھے گئے خطوط کے مختلف مجموعے ہیں مثلاً اجوبہ کلاں، اجوبہ خورد، اجوبہ زاہدیہ وغیرہ۔ اگرچہ مخدوم کسی علمی مناظرہ وغیرہ کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر استفسار کا جواب خطوط کی شکل میں دیتے تھے۔ شیخ عز کاکوی اور احمد بہاری صاحب شغل اور کامل الحال بزرگ حضرات تھے۔ توحید خاص اور مسائل عشق ومحبت میں اپنی مشکل کے حل کے لئے حضرت مخدوم جہاںؒ سے رجوع کرتے تھے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ ان حضرات سے خلوص رکھتے تھے اور ان کے باطنی حالات سے باخبر تھے۔ یہ دونوں حضرات ایک دفعہ دہلی پہنچ گئے۔ عالم جذب میں شطحیات بولنے لگے۔ وہاں کے علماء نے قتل کا فتویٰ دیا اور یہ حضرات دہلی میں قتل کردیئے گئے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کو جب اس کا علم ہوا تو بہت افسوس کرنے لگے اور فرمایا[27] کہ جہاں ایسے برگزیدہ لوگوں کا قتل ہو وہ جگہ تعجب ہے کہ آباد کیسے ہے۔ اس سے آگے کے واقعات پچھلے صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔

حضرت منصور حلاجؒ کے سلسلہ میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اس دور میں ایسے ایسے کاملین موجود تھے اور کسی نے منصور حلاج کے براءت کی صورت پیدا نہیں کی۔ اگر میں ہوتا تو ان کی تزویج کردیتا قتل نہ ہونے دیتا[28]۔

یہ بات قابل غور ہے کہ حضرات عز کاکوی احمد بہاری اور منصور حلاج رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سے متعلق

حضرت مخدوم جہاںؒ نے واشگاف الفاظ میں کلمات تحسین فرمایا جو اس وقت کے علمائے ظاہر کے خلاف تھے مگر نوبت مناظرے کی نہیں آئی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ اس قسم کے مناظرے اور مباحثے سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا مظفر نے ایک رسالہ لکھا اور حضرت مخدوم کو دکھایا۔ حضرت مخدوم نے مولانا کی تنبیہ فرمائی۔ رسالہ پھاڑ دیا اور فرمایا کہ ان باتوں کو کون سمجھے گا جو تم لکھ رہے ہو[29]۔ تعجب ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ مناظرے اور مباحثے سے کیسے بچ نکلے جبکہ آپ نے اجوبہ کا کوی وغیرہ میں عام سطح سے بلند باتیں ضرور لکھیں۔ شاید یہ کہ بیان وقلم پر ایسی قدرت تھی کہ مشکل موضوع کو بھی سہل انداز میں پیش کر دیتے تھے اور اظہار بیان میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔

تعارف عین القضاۃ: حضرت مخدوم جہاںؒ ہندوستان میں پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بحوالہ کلمات عین القضاۃ، امام احمد غزالی، امام محمد غزالی، ابن عربی، خواجہ فرید الدین عطار، شیخ عراقی، مولانا جلال الدین رومی وغیرہ توحید خاص اور علم حقیقت کو عام کیا[30]۔ حضرت مخدوم جہاںؒ سے پہلے لوگ ان بزرگوں کی تصانیف سے یا تو واقف نہیں تھے یا واقف تھے تو سمجھتے نہیں تھے۔ چنانچہ معترض ہوتے تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظ سراج العارفین میں یوں تحریر ہے کہ عین القضاۃ ہمداں کے قاضی بچہ تھے۔ اس کے برخلاف حضرت مخدوم جہاںؒ نے حضرت عین القفاۃ کی بہت تعریف کی ہے۔ کہیں ''عاشق فانی عین القضاۃ ہمدانی'' اور کہیں ''مست الست یزدانی قاضی عین القضاۃ ہمدانی'' کے القاب سے یاد فرمایا ہے۔ معدن المعانی کے باب بیس میں حضرت مخدوم فرماتے ہیں[31] کہ اگرچہ علم معرفت میں ہر شخص نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے لیکن عین القضاۃ نے اصول دین کے تمہیدات کے قانون اور تقاضوں پر جو کچھ لکھ دیا ہے ویسا بہت کم کسی نے لکھا ہے۔ ان کے کلمات سے مشکلات کا حل ہوتا ہے لیکن ان کے کلمات کے مفہوم کو سمجھنا اور وہاں تک رسائی کا ہونا اسی وقت ممکن ہے جب اس گروہ (صوفیا) کے اصول وقوانین پر آگہی حاصل ہوگی، ورنہ صرف دین کے قواعد پر آپ کے کلمات کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے کثرت سے ان بزرگان کی تحریروں سے طریقہ صوفیا کی وضاحت کی ہے۔ اسطرح فن تصوف کے اصول وفروع کی بنیادوں کی صحیح تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔

کرامات: حضرت مخدوم جہاںؒ کی سب سے بڑی کرامت تو کرامت سے بیزاری ہے

اورحتی الوسع اس سے گریز فرماتا ہے۔ چونکہ کرامت اولیاء اللہ بھی اصل میں معجزہ نبی ﷺ کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اظہار کرامت کے مقاصد بھی وہی ہیں جو اظہار معجزہ کے تھے۔ یعنی حجت دین، ترغیب دین اور حاجت برائی مردماں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ سے کرامت کا ظہور بھی جب ارادتاً ہوا تو انہی عنوانات کے تحت ہوا۔ حضرت چولھائی کا واقعہ اور جوگی کا حضرت مخدوم کو کرتار روپ میں دیکھنا تو حجت دین کیلئے تھا۔ واقعات کی تفصیل تو پچھلے صفحات پر بیان ہو چکی ہے۔ یہ دونوں دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔ اور جب ایک جوگی نے حضرت مخدوم سے سدھا (مرد کامل) کی تعریف چاہی اور اس کے جواب میں مخدوم نے فرمایا کہ اگر مرد کامل پہاڑ کو کہے کہ سونا ہو جا تو وہ سونا ہو جائے اور اس بیان پر پہاڑ سونا ہو گیا۔ حضرت مخدوم نے اسے واپس اپنے حال پر ہونے کو فرمایا اور واضح کر دیا کہ وہ تو صرف بیان کر رہے تھے نہ کہ پہاڑ کو اس کا حکم دے رہے تھے۔ یہ واقعہ ترغیب دین کا عنوان ہے۔ اور جب کبھی حاجت برائی حاجتمند کا سوال ہوتا تو حضرت مخدوم جہاںؒ اسے میران جلال دیوانہ کے سپرد کر دیتے۔ بہرصورت حضرت مخدوم جہاںؒ سے غیر ارادی طور پر بھی کبھی ظہور کرامت ہو ہی جاتا تھا جس کے لئے وہ عذر پیش کرتے تھے۔ اس سلسلہ کے چند واقعات کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔

قاضی شمس الدین دمشقی ایک درویش اور دانشمند تھے اور حضرت جہاں سے ربط رکھتے تھے۔ ایک دن حضرت مخدوم جہاںؒ کمرے میں بند عالم استغراق میں تھے۔ دروازے پر حضرت چولھائی کو بٹھا دیا تھا کہ کوئی اندر آنے نہ پائے۔ حضرت قاضی شمس الدین آئے اور کمرے میں داخل ہو گئے۔ حضرت چولھائی منع نہ کر پائے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ عالم استغراق میں تھے اس لئے قاضی شمس الدین سے اس طرح ملتفت نہ ہوئے جیسا کہ ہوا کرتے تھے۔ قاضی صاحب نے حضرت مخدوم جہاںؒ سے سوال کر دیا کہ درویش کامل الحال کب ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) ناموں سے متصف ہوتا ہے۔ حضرت قاضی شمس الدین نے پوچھا حقیقتاً یا مجازاً۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا حقیقتاً۔ قاضی صاحب سے یہ بات برداشت نہیں ہوئی اور اٹھ کر چلے گئے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق قاضی صاحب نے پوچھا تھا کہ شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ یہ حقیقتاً یا مجازاً ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ صوفی اللہ تعالیٰ کے ننانوے صفات سے حقیقتاً متصف ہوتا ہے اور شیخی تو اس سے بھی اعلیٰ چیز ہے۔ قاضی صاحب یہ سن کر چلے گئے۔ حضرت مخدوم جب کمرے سے باہر نکلے تو حضرت چولھائی سے دریافت کیا کہ آیا کوئی اس

اثنا میں کمرے کے اندر آیا تھا۔ حضرت چوکھائی نے بتا دیا۔ اب تو آپ کو فکر دامن گیر ہوگئی اور قاضی شمس الدین سے اگلی ملاقات پر بہت معذرت خواہ ہوئے اور بادکی بیماری کا عذر پیش کیا کہ اس بیماری میں گفتگو میں فرق آ جاتا ہے اور یہ کہ آپ کو یہ بیماری ہو جاتی ہے [۳۲]۔

آپ کی مجلس میں ایک آہن پوش قلندر پہنچا۔ لوگوں نے کہا اے درویش اس لوہے کو کیوں نہیں اتار دیتے۔ درویش نے کہا کہ ہے کوئی جو اس کو اتار سکے۔ حضرت مخدوم مراقبہ میں چلے گئے اور سارا لوہا درویش کے بدن سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر گیا [۳۳]۔

ابتدائی زمانے میں آپ کی والدہ محترمہ آپ کو ایک حجرہ میں بند کر دیتیں اور خود دروازے پر بیٹھ جاتیں۔ جب آپ دروازہ کھولتیں تو یا تو کبھی آپ کمرے میں نظر نہیں آتے یا پھر مردہ پڑے نظر آتے اور روح پاک معراج میں ہوتی۔ یہ کیفیت دیکھ کر جب والدہ رونے لگتیں تو آپ اٹھ کر تسلی دیتے [۳۴]۔

حضرت زین بدر عربیؒ کی دنیا کس طرح بدل ڈالی اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

مذکور ہے کہ مکہ معظمہ سے ایک سیاح تشریف لائے۔ ان کے پاس ایک تسبیح تھی۔ فرمانے لگے یہ تسبیح خانہ کعبہ میں ملی ہے۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ ہر شب جمعہ حضرت شیخ شرف الدین منیری بہار سے یہاں تشریف لاتے ہیں اور یہ تسبیح ان کی ہی ہے۔ سیاح نے کہا کہ میں نے وہ تسبیح اٹھا لی تاکہ یہاں آکر حضرت مخدوم کی خدمت میں پیش کروں [۳۵]۔

ایک روز کسی خاص کیفیت میں راجگیر کے پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے ایک صاحب کو معلوم ہوا تو وہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جب حضرت مخدوم جنگل کے قریب پہنچے تو دو شیر استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ آپ جب قریب پہنچے تو دونوں شیروں نے قدموں میں سر رکھ دیا آپ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور پہاڑ پر چلے گئے۔ یہ ماجرا دیکھ کر جو صاحب پیچھے جا رہے تھے وہ پہلے تو ذرا رک گئے پھر ہمت کر کے آگے بڑھے اور جب شیر کے قریب پہنچے تو انہیں شیخ شرف الدین کا واسطہ دے کر آگے جانے کا راستہ مانگا۔ دونوں شیر راستہ سے الگ ہو گئے اور یہ صاحب بھی حضرت مخدوم کے پیچھے پیچھے پہاڑ پر چڑھ گئے۔ حضرت مخدوم نے جب ان کو دیکھا تو پوچھا کہ ان شیروں سے کیسے بچ نکلے۔ ان صاحب نے فرمایا کہ آپ کا واسطہ دے کر راستہ مانگا اور راستہ مل گیا۔ مخدوم نے کہا میں کون ہوتا ہوں کہ وہ میرے واسطہ سے راستہ دیں۔ وہ جو ڈنڈا تمہارے پاس ہے اس کے ڈر سے ہی راستہ دے دیا ہوگا۔ پھر مخدوم نے ان صاحب کو کہا کہ آپ یہاں

ٹھہریں میں اپنے دوست سے ملاقات کر کے آتا ہوں۔ ان صاحب کو ایک پتھر پر بٹھادیا۔ پھر آیۃ الکرسی پڑھی اور خود عالم طیر میں اڑنے لگے۔ جب رات کا تین حصہ گزار عالم طیر سے نیچے اترے۔ پھر صبح ہوگئی، صبح کی سنت ادا کی، مردان غیب کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور حضرت مخدوم کی امامت میں نماز فجر ادا کی۔ بعدہ آپ کا دست مبارک چوما اور رخصت ہوگئے ۳۶۔

نقل ہے ۳۷ کہ فیروز شاہ تغلق بادشاہ کو جزام کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔ ہزار دعا اور دوا کی لیکن شفا نہیں ہوئی۔ اپنے مرض سے نہایت عاجز و پریشان تھا اسے معلوم تھا کہ سرزمین بہار میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدینؒ ولی کامل ہیں اعتماد پیدا ہوا اور یہ خیال دل میں گھر کر گیا کہ وہاں چلیں اور شفا کی درخواست کریں۔ اسی اعتقاد کو دل میں لئے ہوئے وہ روانہ ہوا جب قریب بہار کے پہنچا تو مخدوم جہاںؒ اس وقت خانقاہ شریف میں مشغول یاد الٰہی تھے۔ رفقا نے خبر دی یا حضرت بادشاہ آپ کی حضور میں حاضر ہو رہا ہے حضرت مخدوم نے فرمایا آنے دیجئے۔ اپنی مشغولی سے فراغت کے بعد والدہ ماجدہ کے مزار مبارک کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ وہاں حجرے میں قیام پذیر ہوئے۔ بادشاہ جب خانقاہ پہنچا اس وقت حضرت مولانا مظفر قدس سرہٗ موجود تھے۔ کہا بادشاہ مہمان ہو کر آیا ہے تواضع ضروری ہے جو کچھ پکا ہوا ہو لاؤ اور پیش کرو۔ اس وقت روٹی اور کچھ پرندوں کے گوشت پکے ہوئے موجود تھے۔ حضرت مولانا نے خود اپنے دست مبارک سے بادشاہ کو پیش کیا۔ بادشاہ کی نظر جب روٹی اور پرندوں کے گوشت پر پڑی تو دل میں یہ خیال گزرا کہ جس چیز سے مجھے پرہیز ہے وہی چیز کھانے کو ملی ہے کیونکر کھاؤں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہاں بھی میری قسمت میں شفا نہیں ہے۔ بادشاہ کے دل میں اس شک کا گزرنا تھا کہ حضرت مولانا کو انکشاف ہوگیا۔ جوش میں آگئے پکے ہوئے پرندوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ بادشاہ شکی ہے نہیں کھائے گا کیوں پڑے ہوئے ہو اڑ جاؤ۔ اس فرمان کے بعد پکے ہوئے پرندے اڑ گئے۔ جب حضرت مولانا حضرت شیخ (مخدوم) کی خدمت میں آئے حضرت مخدومؒ نے غصے میں فرمایا کہ آپ کرامت دکھانے آئے کہ بادشاہ معتقد ہو جائے۔ اس خفگی سے لرزہ براندام ہوگئے اور خوف سے پرنالے میں جا کر چھپ گئے۔ اتفاقاً بارش ہوگئی پانی نالے سے نکلنا بند ہوگیا۔ حضرت مخدومؒ عصائے مبارک لے کر نالہ صاف کرنے لگے عصا کا نوک مولانا کی پیشانی میں لگا۔ جب حضرت مخدوم نے دیکھا کہ عصا پر مولانا کا خون ہے تو فرمایا کہ باہر آئیے وہاں کیا کر رہے ہیں؟ مولانا باہر آگئے اس وقت حضرت مخدوم نے اپنے سینے سے مولانا کو لگالیا اور فرمایا۔

"تن مظفر جاں شرف الدین، جاں مظفر تن شرف الدین
شرف الدین مظفر، مظفر شرف الدین"

غرض اسی دن سے اس اسم کی تاثیر اکسیر ہوگئی۔ پھر روٹی اور گوشت بادشاہ کے پاس حضرت مخدوم نے بھیجا۔ بادشاہ نے آنکھوں سے لگایا اور تناول کرلیا۔ اسی وقت اسے شفائے کامل ہوگئی اور یہ اسم، اسم اعظم کی مانند ہوگیا ☆

کمال بہ نفسی: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کچھ مشائخ وقت ایک جگہ جمع تھے اور ہر کوئی اپنی خواہش اور تمنا کا اظہار کر رہا تھا۔ جب حضرت مخدوم جہاںؒ کی باری آئی تو آپ نے فرمایا کہ میری آرزو بس یہی ہے[۳۸] کہ "میرا نام نہ اس عالم میں ہو نہ اس عالم میں"۔ مناسب ہوگا کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی مناجات یہاں پیش کردی جائے۔ اللہ اللہ کیا انکساری اور عاجزی ہے! ایک بندہ اپنے رب سے کس طرح مخاطب ہے اور طلب لطف و رحمت یزدانی کا کیسا پیارا سلیقہ ہے۔

☆ تمام مہمات اور مشکلات کے حل کے لئے اور تمام امراض کی شفا کے لئے یہ اسم اسم اعظم ہے جو چاہے کہ اس سے فائدہ حاصل کرے وہ سوا لاکھ اس کا نصاب دے۔ اس کے بعد ہر روز ایک سو چالیس بار اس اسم کو پڑھا کرے۔ انشاء اللہ اس کی تمام مہمات آسان ہو جائیں گی۔ ہاں حضرت مخدوم کے نام فاتحہ پڑھ کر اپنی حاجت عرض کرے حاجت براری کے بعد جو کچھ بھی ہو سکے نیاز کرے۔

ترکیب دیگر

نصاب کے بعد ہر روز اوّل و آخر تین تین بار درود شریف پڑھے اور گیارہ بار اس اسم کو یوں پڑھے۔

قطب شرف الدین	مولانا شرف الدین	غوث شرف الدین
بابا شرف الدین	مخدوم شریف الدین	شاہ شرف الدین
فقیر شرف الدین	بادشاہ شرف الدین	حضرت شرف الدین
ولی شرف الدین	پیر شرف الدین	

حاجت براری کے لئے اکسیر ہے۔

مناجات مخدوم جہاںؒ ۳۹ (فارسی متن)

اِلٰھِیْ اَنْتَ رَبِّیْ وَ قَوِیٌ وَ اَنَا عَا جِزٌ اِلٰھِیْ اَنْتَ مَا لِکِیْ وَ اَنَا مَمْلُوْکٌ

الٰہی عاجز ترین عاجزانم، الٰہی جاہل ترین جاہلانم ۔ الٰہی نہ می دانم تا چگونہ رضائے تو جویم ۔ الٰہی نہ می دانم تا چہ گویم ۔ الٰہی عجز و درماندگیِ من تو می بینی ۔ الٰہی حاجتِ من تو می دانی ۔ الٰہی مَن بے چارہ جز دعا، ہیچ حیلہ وقوت ووسیلہ نہ دارم وانچہ جز تست ازاں بیزارم ۔ الٰہی منِ ضعیف و درماندہ راومنِ نحیف در ہائے راندہ راومنِ مدہوش سیاہ کار گناہ گارراومن بدکردارراومنِ انقیادِ فرمانِ شیطان راومنِ استادِ مکتبِ عاصیاں راومن مدہوش سرگشتہ راومنِ عاجز دربدرگشتہ راومنِ گنہ گار بدافعال راومنِ خاکسار بداعمال راومنِ ثابتِ ناتمام راومنِ عہد شکنِ خودکام راومن گندم نمائے جوفروش راومنِ زناردارخرقہ پوش راومنِ سیاہ رونامہٴ سیاہ راومنِ منافقِ تبہ کارراہ بہ فضلِ عمیم ولطفِ قدیم خود ازبندِ نفسِ امارہ خلاصی وہ وتوبہٴ نصوحہ عطاکن کہ طاقتِ حضرت عدل تو نہ دارم ۔ الٰہی مراتوفیق وہ کہ ترا بہ پرستم کہ بے توفیقِ تو ترا نہ تواں پرست ۔ الٰہی مراتعریف وہ کہ ترا بشناسم کہ بے تعریفِ تو ترا نہ تواں شناخت ۔ الٰہی ضائع کردم عمرِ خویش برآں چیز کہ رضائے تو نہ بود ۔ ومن نہ دانستم ۔ از آں توبہ کردم وبیزار گشتم ۔ اے دستگیرِ ہر شکستہ واے دلیلِ ہر درماندہ واے فریادرسِ ہر دشوارہ واے چارہ سازِ بے چارگاں واے قبول کنندۂ توبہ عاصیاں واے پذیرندۂ گریختگاں ۔ واے حلیمے کہ حلمِ تو مارا گستاخ کرد ۔ واے رحیمے کہ رحمِ تو مرا بے باک گرداند ۔ ایں گستاخ وبے باکی از ماعفوکن واز خلعتِ معرفت ہمہ اعضاے مارا بپوشاں ۔ الٰہی بحق تہلیل وتسبیح وتحمید وتمجید جملہ روحانیاں وکربیاں ۔ الٰہی بحرمت عابدان وزاہدان، الٰہی بحرمت خواصگانِ درگاہِ تو، الٰہی بہ حرمتِ لواحقانِ حضرت تو، الٰہی بہ حرمت غریبان وشہادت جواناں، الٰہی بہ حرمت آب دیدہٴ عاصیاں، الٰہی بہ حرمتِ عفو توبہٴ عاصیانِ درگاہِ تست الٰہی بہ حرمت عزوجلال تو، الٰہی بہ حرمتِ عظمت وکمال تو کہ حاجاتِ من وجملہ مسلمانان رواکنی وایمانِ مارا در دنیا وآخرت بر ما ارزانی داری ۔ الٰہی چوں درآں حجرۂ تنگ وتاریک بے شمع مارا ابتلاکنی ایمان مارا چراغ لحد کردانی ۔ بحق لَا اِلٰـــہ اِلااللّٰہ لا معبود الا اللّٰہ لا محبوب اِلَّا اللّٰہُ لا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ لا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ لا مَـوْجُـوْدَ اِلَّا الـلّٰـہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً اعَبْدُہٗ

وَرَسُوْلُهٗ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَّ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

مناجات ترجمہ: تو ہی میرا رب ہے تو قوی ہے اور میں عاجز ہوں۔ اے اللہ تو ہی میرا مالک ہے اور میں تیرا مملوک ہوں۔ اے اللہ میں عاجزوں میں سب سے زیادہ عاجز ہوں۔ اے اللہ میں جاہلوں میں سب سے زیادہ جاہل ہوں۔ اے اللہ میں نہیں جانتا کہ کس طرح تیری رضا حاصل کروں۔ اے اللہ میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں۔ الٰہی میرے عجز و بے چارگی کو تو دیکھتا ہے۔ الٰہی میری حاجتوں سے تو واقف ہے۔ اے اللہ میں بے چارہ و عاجز ہوں اور کوئی حیلہ قوت اور وسیلہ نہیں رکھتا ہوں تیرے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے میں بیزار ہوں۔

الٰہی! مجھ ضعیف و درماندہ کو، مجھ کمزور اور دربدر ٹھکرائے ہوئے کو، مجھ سیہ کار گنہگار کو، اور مجھ مدہوش کو، مجھ بدکردار کو، مجھ کو جو شیطان کا مطیع و فرمانبردار ہے، مجھ کو جو گنہگاروں کے مکتب کا استاد ہے، مجھ کو جو مدہوش و سرگشتہ ہے، مجھ عاجز کو جو در در کا ٹھکرایا ہوا ہے، مجھ گنہگار بدافعال کو، مجھ خاکسار بداعمال کو، مجھ ثابت ناتمام کو، مجھ عہد شکن مطلب پرست کو، مجھ گندم نما جو فروش کو، مجھ زنار دار خرقہ پوش کو، مجھ سیاہ روسیاہ کار کو، مجھ منافق تباہ کار کو اپنے فضل عمیم اور لطف قدیم سے نفس امارہ کی قید سے نجات دے اور توبۃ نصوحا عطا فرما اس لئے کہ میں تیرے دربار عدل کی قوت نہیں رکھتا۔ اے اللہ مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری پرستش کروں اس لئے کہ تیری توفیق کے بغیر تیری پرستش ممکن نہیں۔ اے اللہ! مجھے معرفت عطا فرما تا کہ تجھے پہچانوں اس لئے کہ معرفت حاصل کئے بغیر تجھے نہیں پہچانا جا سکتا۔ اے اللہ! میں نے اپنی تمام عمر اس چیز کے حصول میں ضائع کر دی جس میں تیری رضا نہ تھی اور اسے میں نہیں جانتا تھا میں نے اس سے توبہ کی اور بیزار ہوا۔

اے دستگیر ہر شکستہ، اے دلیل ہر درماندہ، اے مشکلات میں فریاد سننے والے، اے بے چاروں کے چارہ ساز، اے گنہگاروں کی توبہ قبول کرنے والے، اے حلیم کہ تیرے حلم نے مجھے گستاخ بنا دیا، اے رحیم کہ تیرے رحم نے مجھے بے باک کر دیا، ہماری اس گستاخی اور بے باکی کو معاف کر دے اور معرفت کی خلعت ہمارے تمام اعضا کو پہنا دے۔ اے اللہ! تمام روحانیوں اور فرشتوں کی تمجید و تحمید اور تسبیح و تہلیل

کے صدقے میں، اے اللہ! تمام عابدوں وزاہدوں کی حرمت کے صدقے میں، اے اللہ! اپنی درگاہ کے خواص کے طفیل میں، الٰہی اپنے لواحقین دربار کے واسطے سے، اے اللہ جوان شہیدوں کے واسطے سے، اے اللہ! گنہگار بندوں کے آنسوؤں کی حرمت کے طفیل، اے اللہ ان گنہگاروں کے طفیل جنہوں نے تیری بارگاہ میں توبہ کی، اے اللہ اپنی عزت وجلال کی حرمت کے واسطے سے، اے اللہ اپنی عظمت وکمال کے صدقے میں میری اور تمام مسلمانوں کی حاجتوں کو پورا کر، ہمارے ایمان کو دنیا اور آخرت میں ہم پر زیادہ کردے۔ اے اللہ! جب تو اس حجرہ تنگ وتاریک میں بے شمع ہمیں مبتلا کرے تو اس وقت ہمارے ایمان کو چراغ لحد بنادے۔

نہیں ہے کوئی الہ مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی محبوب مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی مطلوب مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی مقصود مگر اللہ۔ نہیں ہے کوئی موجود مگر اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے ورسول ہیں۔ اے ارحم الراحمین اپنی رحمت کاملہ سے رحمتیں نازل فرما اُن پر جو بہترین مخلوق ہیں۔ یعنی ہمارے سردار حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اُن کی آل پر اور انکے تمام اصحاب پر۔

حوالہ جات:

(۱) سیرت الشرف، صفحہ ۱۴۸

(۲) وسیلہ شرف وذریعہ دولت، صفحہ ۵۵

(۳) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۴ء، صفحہ ۳۰

(۴) سیرت الشرف، صفحہ ۱۴۸

(۵) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۶۳

(۶) ایضاً صفحہ ۲۶۵

(۷) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۲۳۷

(۸) سیرت الشرف، صفحہ ۱۳۷

(۹) تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۲۴۲

(۱۰) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۳

(۱۱) مکتوبات صدی، مکتوب ۲۴، صفحہ ۲۹۳

(۱۲) سیرت الشرف، صفحہ ۱۳۴

(۱۳) ایضاً، صفحہ ۱۳۵

(۱۴) مکتوبات دوصدی مترجمہ حکیم شاہ قسیم الدین صفحہ ۳۰۸

(۱۵) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۴ء صفحہ ۲۳

(۱۶) سیرت الشرف، صفحہ ۱۵۰

(۱۷) ایضاً، صفحہ ۱۵۱

(۱۸) ایضاً، صفحہ ۱۵۱

(۱۹) ایضاً، صفحہ ۱۵۲

(۲۰) ایضاً، صفحہ ۱۵۳

(۲۱) مکتوبات دوصدی مترجمہ نعیم ندوی مکتوب ۹۶، صفحہ ۴۴۱

(۲۲) سیرت الشرف، صفحہ ۱۴۰

(۲۳) ایضاً، صفحہ ۷۶

(۲۴) ایضاً، صفحہ ۱۲۰

(۲۵) ایضاً، صفحہ ۱۲۰

(۲۶) مکتوبات دوصدی، مترجمہ نعیم ندوی، مکتوب ۹۴، صفحہ ۴۳۵

(۲۷) سیرت الشرف صفحہ ۱۴۳

(۲۸) وسیلہ شرف وذریعہ دولت صفحہ ۳۱

(۲۹) مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۴، صفحہ ۲۳

(۳۰) سیرت الشرف، صفحہ ۱۵۹

(۳۱) معدن المعانی، باب ۲۰، صفحہ ۲۲۷

(۳۲) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۶

(۳۳) ایضاً، صفحہ ۲۷۸

(۳۴) ایضاً، صفحہ ۲۷۹

(۳۵) ایضاً، صفحہ ۲۸۲

(۳۶) ایضاً، صفحہ ۲۸۱

(۳۷) معدن المانی (ضمیمہ)، صفحہ ۶۱۹

(۳۸) مناقب الاصفیاء، صفحہ ۲۷۳

(۳۹) مکتوبات صدی، حصہ دوم، صفحہ ۶۲۱

وفات نامہ

حضرت مخدوم جہاںؒ کا وقت اخیر آ گیا۔ متوسلین، مریدین و معتقدین کے لئے کیسی سخت گھڑی ہے، مگر ہر کسی کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر "میری لاج رہ گئی تو کسی کو نہ چھوڑوں گا"۔ ان آخری لمحات کا لمحہ لمحہ حاضرین کے دل پر نقش ہے۔ حضرت زین بدر عربیؒ نے اس پورے واقعہ کو وصال مخدوم کے فوراً بعد ہی نقل کر لیا تھا اور لوگوں کو دکھا بھی دیا تھا۔ بزرگان دین میں کم کے آخری لمحات کا تذکرہ اس تفصیل سے قلمبند کیا گیا ہے۔ زین بدر عربیؒ کی یہ تحریر "وفات نامہ مخدوم الملک" کے عنوان سے مشہور ہے۔ اس کا پورا متن درج ذیل ہے۔ یہ متن معدن المعانی کے حوالہ سے درج کیا جارہا ہے[1]، جو خود حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کی کتاب دعوت و عزیمت حصہ سوم سے ماخوذ ہے۔

"چہار شنبہ کا دن تھا اور ۵ شوال ۷۸۲ھ کی تاریخ میں حاضر خدمت ہوا، نماز فجر کے بعد اس نئے حجرہ میں جس کو ملک الشرق نظام الدین خواجہ ملکؒ نے تعمیر کیا تھا سجادہ پر تکیہ سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ شیخ جلیل الدین حقیقی بھائی اور خادم خاص اور بعض دوسرے احباب اور خادم جو متواتر کئی راتوں سے آپ کی خدمت کے لئے جاگتے رہے تھے جن میں سے قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین (جو خواجہ مینا کے بھانجے تھے) مولانا ابراہیم، مولانا آموں قاضی میاں، ہلال و عقیق اور دوسرے عزیز حاضر تھے۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر حاضرین کی طرف رُخ کر کے فرمایا: تم بھی کہو۔ لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور سب نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا اور پھر آپ نے مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا:۔ سبحان اللہ! وہ ملعون اس وقت بھی مسئلہ توحید میں لغزش دینا چاہتا ہے، خدا کا فضل و کرم ہے، اس کی طرف کیا توجہ ہو سکتی ہے؟ پھر آپ نے لا حول ولا

قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم پڑھنا شروع کیا، اور حاضرین سے بھی فرمایا تم بھی پڑھو۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ادعیہ وظائف میں مشغول ہوگئے۔ چاشت کے وقت ان سے فارغ ہوئے کچھ دیر کے بعد اللہ کی حمد وثنا میں مشغول ہوئے باآواز بلند الحمد للّٰہ الحمد للّٰہ کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم فرمایا المنّۃ للّٰہ المنّۃ للّٰہ کئی بار دل کی خوشی اور اندرونی فرحت کے ساتھ اسی کو بار بار دہراتے رہے۔ فرماتے جاتے تھے۔ الحمد للّٰہ الحمد للّٰہ المنتہ للّٰہ المنتہ للّٰہ۔

بعد ازاں مخدومؒ حجرہ سے صحن حجرہ میں تشریف لائے اور تکیہ کا سہارا لیا، تھوڑی دیر کے بعد دست مبارک پھیلائے، جیسے مصافحہ فرمانا چاہتے ہوں، آپ نے قاضی شمس الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دیر تک لئے رہے، پھر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، خدام کو رخصت کرنے کا آغاز انہیں سے ہوا، پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا ہم وہی ہیں، ہم وہی ہیں۔ پھر فرمایا۔ ہم وہی دیوانے ہیں، ہم وہی دیوانے ہیں۔ پھر تواضع اور خاکساری کی خاص کیفیت طاری ہوئی اور فرمایا:۔ نہیں بلکہ ہم ان دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں۔ پھر حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ فرمایا اور ہر ایک کے ہاتھ داڑھی کو بوسہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کے امیدوار رہنے کی تاکید فرمائی اور بلند آواز سے پڑھا: لاتقنطو من رحمتہ اللّٰہ ان اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعا۔ پھر یہ شعر پڑھا

خدایا رحمت دریائے عام است　　　ازانجا قطرۂ برما تمام است

اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا، کل تم سے سوال کریں تو کہنا لاتقنطو من رحمتہ اللہ لائے ہیں، اگر مجھ سے بھی پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، اس کے بعد کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا:۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھدوان محمدً عبدہ ورسولہ ۔ یہ الفاظ بھی ادا کئے:۔ رضیت باللّٰہ ربا و بالا سلام دینا و بمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم نبیا و بالقران اما ماو بالکعبتہ قبلہ وبالمومنین اخوانا و بالجتہ ثوابا و بالنا رعذابا (میں اللہ کو رب مانتا ہوں، اسلام کو دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، قرآن کو اپنا پیشوا، کعبہ کو قبلہ، اہل ایمان کو اپنا بھائی، جنت کو

اللہ کا انعام، اور دوزخ کو اللہ کا عذاب تسلیم کرتا ہوں، اور اس عقیدہ پر مطمئن ہوں)

اس کے بعد آپ نے مولانا تقی الدین اودھی کی طرف متوجہ ہو کر اپنا ہاتھ پھیلایا اور فرمایا: عاقبت بخیر ہو۔ اور ان کے حال پر بڑی عنایت و مہربانی فرمائی۔ پھر زبان مبارک سے فرمایا:۔ آموں! مولانا آموں حجرہ کے اندر تھے، وہ سن کر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور چہرہ مبارک پر ملنے لگے۔ فرمایا: تم نے بڑی خدمت کی تمہیں نہیں چھوڑوں گا، خاطر جمع رکھو، ایک ہی جگہ رہیں گے۔ اگر قیامت کے دن پوچھیں گے کیا لائے؟ تو کہنا لا تقنطو من رحمته الله ان الله يغفر الذنوب جميعا۔ اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا۔ دوستوں سے کہو خاطر جمع رکھیں۔ اگر میری آبرو رہے گی تو میں کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ہلال اور عقیق کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تم نے ہم کو بہت خوش رکھا، ہماری بڑی خدمت کی، جیسے ہم تم سے خوش رہے ہیں تم بھی خوش ہو گے اور ہمیشہ خوش رہو گے۔ تین مرتبہ اپنا ہاتھ میاں ہلال کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا بامراد رہو گے۔ اس وقت آپ کے دونوں پاؤں میاں ہلال کی گود میں تھے۔ اور ان کے حال پر بڑی عنایت تھی۔

اس عرصہ میں مولانا شہاب الدین ناگوری آئے، آپ نے کئی بار ان کے سر، چہرہ، داڑھی اور دستار کو بوسہ دیا۔ آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے، اور الحمد للہ کہتے جاتے تھے، آپ نے ہاتھ نیچے کر لیا اور درود پڑھنے لگے۔ مولانا شہاب الدین کی بھی آپ کے چہرہ مبارک پر نظر تھی اور درود پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا شہاب الدین خواہر زادہ خواجہ معین کا نام لیا اور فرمایا میری بڑی خدمت کی، مجھ سے بہت اتحاد تھا، بڑی خوبی کے ساتھ میری صحبت اٹھائی، عاقبت بخیر ہو۔ اس وقت مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جونپوری کا نام لیا اور فرمایا: ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آپ نے بہت خوش ہو کر مسکراتے ہوئے اور اپنی تمام انگلیوں سے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ مظفر میری جان ہے، میرا محبوب ہے، مولانا نصیر الدین بھی اسی طرح ہیں۔ خلافت اور مقتدائی کے لئے جو شرائط و اوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں، میں نے جو کچھ کہا اس سے ان غریبوں کو فتنہ خلق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا☆۔ اس موقع پر مولانا

شہاب الدین نے ☆☆ ...... پیش کیا اور عرض کیا: مخدوم اسے قبول فرمائیں؟ فرمایا: میں نے قبول کیا یہ کیا ہے میں نے تو تمہارا سارا گھر قبول کیا۔ اس کے بعد ان کو کلاہ عطا ہوئی۔ انہوں نے تجدید بیعت کی درخواست کی آپ نے قبول فرمایا۔

اس دوران میں قاضی مینا حاضر خدمت ہوئے، میاں ہلال نے تعارف کرایا اور عرض کیا:۔ یہ قاضی مینا ہیں؟ فرمایا:۔ قاضی مینا، قاضی مینا! قاضی مینا نے کہا:۔ حضرت حاضر ہوں اور ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ نے ان کا ہاتھ اپنا چہرہ وریش مبارک اور رخسار پر پھیرا اور فرمایا:۔ خدا کی تم پر رحمت ہو، باایمان رہو اور باایمان دنیا سے جاؤ، از راہِ شفقت یہ بھی فرمایا کہ:۔ مینا ہمارے ہیں۔ اس دوران میں مولانا ابراہیم آئے، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی داڑھی پر پھیرا اور فرمایا کہ تم نے میری اچھی خدمت کی اور پورا ساتھ دیا، بآبرو ہو گے۔ مولانا ابراہیم نے عرض کیا:۔ مخدوم ☆☆☆ ...... مجھ سے راضی ہیں؟ فرمایا: ہم سب سے راضی ہیں، تمہیں بھی ہم سے راضی ہونا چاہئے، جو کچھ ہے میری طرف سے ہے۔ اس کے بعد قاضی شمس الدین کے بھائی قاضی نورالدین حاضر ہوئے، آپ نے قاضی نورالدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ ان کی داڑھی، چہرہ ورخسار اور ہاتھ کو کئی بار بوسہ دیا۔ آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ:۔ تم ہماری صحبت میں بہت رہے ہو اور ہماری بڑی خدمت کی ہے، انشاء اللہ کل ایک ہی جگہ رہیں گے۔ اسکے بعد مولانا نظام الدین حاضر ہوئے۔ فرمایا:۔ غریب اپنا وطن چھوڑ کر ہمارے جوار میں آ گیا تھا۔ یہ کہہ کر کلاہ مبارک اپنے سر سے اتار کر ان کو عطا فرمائی اور حسن عاقبت کی دعا فرمائی اور فرمایا حق تعالی تمہیں مقصود تک پہنچائے۔ پھر سب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: دوستو! جاؤ اپنے دین وایمان کا غم کھاؤ اور اسی میں مشغول رہو!

اس کے بعد کاتب سطور زین بدر عربیؒ نے دست مبارک کو بوسہ دیا، اپنی آنکھ، سر اور بدن پر

☆ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

☆☆ یہاں پر جو عبارت ہے سمجھ میں نہیں آئی۔

☆☆☆ یہاں پر مطبوعہ اور قلمی نسخہ میں صبح البیاض کا لفظ ہے، شاید اسکے معنی یہ ہوں کہ آج صبح کے وقت

پھیرا۔ ارشاد ہوا:۔ کون ہے؟ میں نے عرض کیا:۔ گدائے آستانہ توجہ کرتا ہے، اور عرض کرتا ہے کہ مجھے از سر نو غلامی میں قبول فرمایا جائے؟ فرمایا:۔ جاؤ تم کو بھی قبول کیا، تمہارے گھر اور تمام اہل خاندان کو قبول کیا، خاطر جمع رکھو، اگر میری آبرو رہی تو کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ مخدوم تو مخدوم ہیں، مخدوم کے غلاموں کی بھی آبرو ہے۔ فرمایا۔ امیدیں تو بہت ہیں۔

قاضی شمس الدین آئے اور حضرت مخدومؒ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ مولانا شہاب الدین ہلال و عقیق نے عرض کیا کہ:۔ مخدوم! قاضی شمس الدین کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا:۔ قاضی شمس الدین کے بارے میں کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے، کئی جگہ میں اس کو فرزند لکھ چکا ہوں، خط میں' میں نے اس کو برادرم بھی لکھا ہے، ان کو علم درویشی کے اظہار کی اجازت ہو چکی، انہی کی خاطر اتنے کہنے اور لکھنے کی نوبت آئی، ورنہ کون لکھتا؟

اس کے بعد برادر و خادم خاص شیخ خلیل الدینؒ نے جو پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آپ نے ان کی طرف رُخ کیا اور فرمایا: خلیل! خاطر جمع رکھو، تم کو علماء و درویش چھوڑیں گے نہیں، ملک نظام الدین خواجہ ملک آئے گا اس کو میرا اسلام و دعا پہنچانا، میری طرف سے بہت معذرت کرنا اور کہنا کہ میں تم سے راضی ہوں، اور راضی جا رہا ہوں، تم بھی راضی رہنا۔ فرمایا کہ جب تک ملک نظام الدین ہے تم کو نہ چھوڑے گا۔

شیخ خلیل الدین بہت متاثر تھے۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ حضرت مخدوم نے جب ان کی دلشکستگی دیکھی تو بڑی شفقت سے فرمایا:۔ خاطر جمع رکھو اور دل کو مضبوط رکھو اس کے بعد فرمایا:۔ کون ہے؟ ہلال نے عرض کیا کہ: مولانا محمود صوفی ہیں۔ آپ نے بڑے گہرے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ:۔ بیچارہ غریب ہے، مجھے اس کی بڑی فکر ہے، بیچارے کا کوئی نہیں، اس کے بعد ان کے لئے حسن عاقبت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد قاضی خاں خلیل حاضر خدمت ہوئے فرمایا:۔ بیچارہ قاضی ہمارا پرانا دوست ہے، ہماری صحبت میں بہت رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے اور عاقبت بخیر کرے، اس کے فرزند بھی ہمارے دوست ہیں، سب کی عاقبت بخیر ہو، اور حق تعالیٰ دوزخ سے رہائی دے۔

اس کے بعد خواجہ معز الدین مشرف بہ خدمت ہوئے۔فرمایا:۔عاقبت بخیر ہو۔ پھر مولانا فضل اللہ نے قدمبوسی کی۔فرمایا:۔ بھلے بھلے اللہ عاقبت بخیر کرے۔فتوح باورچی روتا ہوا آیا اور قدموں میں گر گیا۔فرمایا:۔ بیچارہ فتوحا جیسا کچھ تھا میرا ہی تھا۔اس کے حق میں بھی دعائے عاقبت فرمائی۔اس کے بعد مولانا شہاب الدین نے شرف قدمبوسی حاصل کیا، ہلال نے تعارف کرایا کہ مولانا شہاب الدین حاجی رکن الدین کے بھائی ہیں۔فرمایا:۔انجام بخیر ہو، ایمان کا غم کھاؤ، اور رحمت حق کے امیدوار ہو کر پڑھو لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔

کچھ دیر کے بعد نماز ظہر کے قریب سید ظہیر الدین اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔آپ نے سید ظہیر الدین کو بغل میں لے لیا اور بڑے لطف و شفقت کے ساتھ فرمایا:۔ میں جو عاقبت عاقبت کہتا تھا یہی عاقبت ہے، اس کے بعد تین مرتبہ ان کو بغل میں لیا اور آخری بار یہ آیت پڑھی لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔اور حاضرین کو رحمت و مغفرت خداوندی کا امیدوار بنایا، اس کے بعد وہاں سے اٹھے اور حجرہ تشریف لے گئے اور سید ظہیر الدین کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے اور ان سے کچھ دیر باتیں فرمائیں اس کے بعد سلطان شاہ پرگنہ دار راجگیر اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور ایک روغن کا سر ریاح پیش کیا، ارشاد ہوا کہ مولانا نظام الدین بھی لائے تھے، پھر شربت اور پان دے کر معذرت کی۔اس کے بعد خلیل کے بھائی منور نے عرض کیا کہ توبہ و بیعت کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا:۔آؤ! اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر توبہ و بیعت سے مشرف فرمایا، پھر قینچی طلب کی، قینچی سے بال تراشے اور کلاہ پہنائی اور فرمایا:۔جاؤ دوگانہ ادا کرو۔اس طرح اس کے بیٹے نے بھی بیعت کی، اس کو بھی یہی حکم ہوا۔

اسی اثنا میں قاضی عالم احمد مفتی مولانا نظام الدین مفتی کے بھائی جو مریدان خاص میں سے ہیں آئے، اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، اسی درمیان میں ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی، آپ نے فرمایا: پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو؟ حاضرین نے

عرض کیا ابھی چھوٹا ہے، سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا۔ میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہے انہوں نے اس لڑکے کو بلایا اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی۔ سید ظہیر الدین نے جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا، اس نے سورہ فتح کے آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ پڑھنی شروع کیں، حضرت مخدوم تکیہ کے سہارے سے آرام فرما رہے تھے اٹھ بیٹھے، اور معمول قدیم کے مطابق باادب دوزانو بیٹھ گئے، اور بڑی توجہ سے قرآن مجید سننے لگے، لڑکا جب لیغیظ بھم الکفار پر پہنچا تو مرعوب ہو گیا اور اس سے پڑھا نہ جا سکا۔ آپ نے اس کو آگے کے لفظ کی تلقین فرمائی، جب لڑکے نے قرأت ختم کی تو آپ نے فرمایا کہ: اچھا پڑھتا ہے اور خوب ادا کرتا ہے لیکن مرعوب ہو جاتا ہے، اس موقع پر آپ نے ایک مغربی درویش کا ذکر کیا کہ کبھی اس کی طبیعت حاضر ہوتی تھی، اور قرآن مجید سننے کا ذوق ہوتا تھا، اور کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور قرآن مجید سننے کا ذوق نہیں ہوتا تھا۔

اس کے بعد قاضی عالم کو شربت اور پانی دینے کا ارشاد ہوا، اور آپ نے معذرت فرمائی۔ آپ نے پیراہن جسم سے اتارنا چاہا اور وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین سمیٹی، مسواک طلب فرمائی، آواز سے بسم اللہ پڑھی اور وضو شروع فرمایا اور ہر موقع کی ادعیہ پڑھیں، کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے، منہ دھونا بھول گئے، شیخ فرید الدین نے یاد دلایا کہ منہ دھونا رہ گیا، آپ نے از سر نو وضو کرنا شروع کیا اور بسم اللہ اور وضو کی دعائیں جس طرح سے آئیں ہیں بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھتے تھے، مفتی سید ظہیر الدینؒ اور حاضرین مجلس دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ایسی حالت میں یہ احتیاط؟ قاضی زاہد نے پاؤں دھونے میں مدد کرنی چاہی، حضرت مخدوم نے ان کو روک دیا، اور فرمایا:۔ کھڑے رہو! اس کے بعد خود سے وضو پورا کیا، وضو مکمل کرنے کے بعد کنگھی طلب فرمائی اور داڑھی میں کنگھی کی، اس کے بعد مصلےٰ طلب فرمایا، نماز شروع کی اور دو رکعت میں سلام پھیرا، تکان ہو جانے کی وجہ سے کچھ دیر آرام فرمایا۔ شیخ جلیل الدین نے عرض کیا کہ:۔ حضرت سلامت حجرہ میں تشریف لے

چلیں، ٹھنڈک کا وقت ہوگیا ہے؟ آپ کھڑے ہوئے، جوتیاں پہنیں، اور حجرہ کی طرف چلے، آپ کا ایک ہاتھ مولانا زاہد کے کاندھوں پر دوسرا مولانا شہاب الدین کے کاندھوں پر، حجرہ میں آپ ایک شیر کی کھال پر لیٹ گئے۔ میاں منور نے بیعت توبہ کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور ان کو توبہ و بیعت سے مشرف کیا اور ان کے سر کے بال دونوں جانب سے تھوڑے تراشے، ان کو کلاہ پہنائی اور فرمایا جاؤ دوگانہ ادا کرو، یہ آخری بیعت توبہ تھی جو آپ نے کرائی، اس موقع پر ایک عورت اپنے دولڑکوں کے ساتھ حاضر ہوئی، اور شرف قدمبوسی حاصل کیا۔ نماز عصر کے بعد مغرب کی نماز کے نزدیک خدام نے عرض کیا کہ: حضرت چار پائی پر آرام فرمائیں؟ آپ چار پائی پر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔

نماز مغرب کے بعد شیخ جلیل الدین، قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین، قاضی نورالدین ہلال اور عقیق اور دوسرے احباب و خدام جو خدمت میں مصروف تھے چار پائی کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مخدومؒ نے کچھ دیر کے بعد بآواز بلند بسم اللہ کہنی شروع کی، کئی بار بسم اللہ کہنے کے بعد زور زور سے پڑھا لا الـه الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين اس کے بعد بار بار بلند آواز کے ساتھ بسم اللّٰه الرحمن الرحیم پڑھا۔ پھر کلمہ شہادت اشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له واشهد ان محمدا عبده و رسوله اس کے بعد فرمایا: لاحول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظيم پھر کچھ دیر تک کلمہ شہادت زبان پر جاری رہا، پھر کئی بار فرمایا: بسم اللّٰه الرحمن الرحيم - بسم الله الرحمن الرحيم - لااله الا الله محمد رسول الله۔ اس کے بعد بڑے اہتمام سے اور دل کی بڑی قوت اور بڑے ذوق وشوق سے محمد محمد محمد صل على محمد و علىٰ آل محمد الخ پھر یہ آیت پڑھی: ربنا انزل علینا مائدة من السماء تا آخر، رضیت بالله ربا و بالاسلام دیناً وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبياء اس کے بعد تین مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد فرمایا پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ جیسے کوئی دعا اور مناجات کرتا ہے، فرمایا۔ اللّٰهم اصلح امة محمدؐ اللّٰهم ارحم امة محمدؐ اللّٰهم اغفرلامة

محمدؐ اللّٰھم تجاوزعن امۃ محمدؐ اللّٰھم اغث امۃ محمدؐ اللّٰھم النصرمن نصر دین محمدؐ اللّٰھم فرج عن امۃ محمدؐ فرجاعاجلاً اللّٰھم اخذل منْ خذل دین محمدؐ برحمتك یا ارحم الرحمین ۔ان الفاظ پرآواز بند ہوگئی،اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھی۔لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون لا الہ الا اللّٰہ اس کے بعدایک باربسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کہااور جاں بحق تسلیم ہوئے۔یہ واقعہ شب پنجشنبہ ۶ شوال ۷۸۲ھ عشا کی نماز کے وقت کا ہے،اگلے روز پنجشنبہ کے دن نماز چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی''۔

حضرت زین بدر عربیؒ نے وفات نامہ میں نماز جنازہ کی تفصیل نہیں لکھی ہے۔لطائف اشرفی مؤلف نظام حاجی غریب یمنیؒ مرید وخلیفہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ سفر بنگالہ پر جارہے تھے کہ بہار شریف سے گزر ہوا[2]۔وہاں حضرت مخدوم جہاںؒ کا جنازہ رکھا تھا۔حضرت مخدوم جہاںؒ کی وصیت کے مطابق آپ کولوگوں نے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کہا اور آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔صاحب مقالہ مطیع الامام نے اس سے اختلاف کیا ہے اوراس کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ وفات نامہ میں یہ مذکور نہیں۔صاحب مقالہ کی دلیل اس اعتبار سے کمزور ہے کیوں کہ وفات نامہ میں سرے سے یہ مذکور ہی نہیں کہ نماز جنازہ کس نے پڑھائی۔چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ وفات نامہ صرف حضرت مخدوم جہاںؒ کے آخری لمحات کی روداد تک محدود ہے اوراس کے بعد کے واقعات کی تفصیل اس کا موضوع نہیں۔مشہور روایات کی بناپراس کی تفصیل کچھ اس طرح نظر آتی ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے نماز جنازہ کی امامت کے لئے کچھ علامات کی نشاندہی کردی تھی اور وہ یہ کہ ایک سیدزادہ تارک سلطنت اور حافظ قراۃ سبعہ امامت کریں گے[3]۔حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے اصل میں حضرت مخدوم سے بیعت کے لئے قصد بہار کیا تھا(ورنہ بنگال جانے کے لئے بہار آنا سمجھ میں نہیں آتا) حضرت مخدوم جہاںؒ نے اس کی اطلاع دے دی تھی اوراپنے کچھ تبرکات بھی ان کو دینے کے لئے مختص کردیا تھااور یہ فرمادیا تھا کہ حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ سے کہہ دینا کہ ان کا حصہ میرے یہاں نہیں بلکہ پنڈوہ میں حضرت علاء الحق پنڈوہ کے یہاں ہےاوران کومیری طرف سے یہ تحفہ پیش کردینااورانہیں نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کہنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوااور حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ جواس وقت سبز لباس میں ملبوس تھے انہوں نے

حضرت مخدوم جہاںؒ کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کی تدفین کی جگہ کے انتخاب کے سلسلہ میں یہ روایت ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ کے تدفین کے وقت موجود تھے۔ جب حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ کی قبر کھودی گئی تو وہاں کچھ انگلی نکلی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے چنانچہ فیصلہ کیا کہ ان کی تدفین آبادی سے دور ہو۔ حضرت مخدوم جہاںؒ تدفین حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ کے بعد واپسی پر اس جگہ پر کچھ دیر آرام فرمایا جہاں آپ کا مزار ہے اور یہ جگہ آپ کے مزار کے لئے مختص ہوگئی [4]۔ آپ سے پہلے یہاں آپ کی والدہ مدفون ہوئیں۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کا وصال پانچویں شوال کا دن گزار کر شب پنج شنبہ بتاریخ ۶ شوال کو ہوا اور تدفین چھ (۶) شوال کی صبح ہوئی۔ مزار کچا ہے۔ حضرت مخدوم کا سالانہ عرس بہار شریف میں بہت اہتمام سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ ۵ شوال سے ۱۹ شوال تک جاری رہتا ہے۔ اس کی پوری تفصیل تاریخ سلسلہ فردوسیہ مصنفہ محمد معین الدین دردائی میں بحوالہ حیات ثابت مصنفہ حضرت جناب سید شاہ نجم الدین فردوسی مدظلہ العالی بیان کی گئی ہے [5]۔ بلخی خانوادوں میں ۶ شوال کو عرس ہوتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ معدن المعانی، صفحہ ۶۰۷ تا ۶۱۷

۲۔ مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ اپریل ۱۹۷۴ء، صفحہ ۱۶

۳۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۱۸۴

۴۔ مقالہ مطیع الامام، مہر نیمروز، شمارہ اپریل ۱۹۷۴ء، صفحہ ۱۵

۵۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۲۲۸

مزار مبارک حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین (علیہ الرحمہ) بڑی درگاہ بہار شریف

نقوش شرف

(حصہ دوم)

مباحث علمی و راہ صواب

مباحث علمی وراہ صواب

حضرت مخدوم جہاںؒ کی مجالس کے موضوعات سخن میں بڑا تنوع تھا۔ حاضرین مجلس میں اگر ایک طرف مبتدی متعلمین تھے تو دوسری طرف صاحبان علم وفضل ہوتے تھے۔ چنانچہ گفتگو میں جہاں مبتدیوں کے لئے درسی تعلیم کا اہتمام ہوتا تھا وہاں مباحث علمی میں علم کلام، الٰہیات ومشکلات تفسیر ومعانی پر بھی گفتگو ہوتی تھی۔ اور معاشرہ کے روزمرہ کی طرز زندگی پر بھی اظہار خیال کیا جاتا تھا۔ ان مباحث میں علمی موشگافیاں محض ذوق طبع کے لئے نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان کا مقصد بھی اعتقادات واعمال کی اصلاح ہی تھا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے ان افادات کا اتنا بڑا ذخیرہ آپ کے مکتوبات اور ملفوظات میں قلمبند ہے کہ ان کا ملخص تیار کرنا بھی آسان نہیں ہے، چنانچہ تشنگان علم کو تو حضرت مخدوم جہاںؒ کی ہی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہاں پر البتہ ایک کوشش یہ کی جارہی ہے کہ ان موضوعات علمی کا ایک تعارفی خاکہ پیش کردیا جائے تاکہ حضرت مخدوم جہاںؒ کی اصلی تصنیفات کی طرف رجوع کرنے کے لئے جویان علم کے لئے تشنگی بڑھ سکے اور یہ تحریر اس کی طرف رہنمائی کرسکے۔

الٰہیات

یونانی فلسفہ: اولاد آدمؑ کے راہ حق کی تلاش کی تاریخ کا سلسلہ مغربی مفکرین اوران کے تتبع میں دوسروں نے دوراوہام پرستی سے شروع کیا ہے، اگرچہ الہامی مذاہب کے ماننے والوں کواس کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے جوڑنا چاہئے تھااور پھر گمراہی اور راست روی کی تاریخ پیش کرنی چاہئے تھی۔ بہرصورت حکمائے یونان سے جوعلم وحکمت کے چشمے دنیائے تاریخ میں پھوٹے انہوں نے تاریخ انسانی کوصدیوں تک مسحور کررکھااور تلاش حق میں ان حکمائے یونان کے فرمودات کو بڑی اہمیت دی جاتی رہی۔ حکمائے یونان کی علمی کاوشوں کا محور تلاش حقیقت ہی رہااوراس کے حصول کے لئے انہوں نے علم منطق کے اصول وضع کئے اور علمیت کا یہ معیار قرار پایا کہ محض منطقی اصول کے طریقہ استدلال سے حقیقت تک پہنچا جائے، یہاں تک کہ اردگرد کے ماحول سے حاصل شدہ تجربات سے استفادہ بھی نہیں کیا جائے۔ تاثر یہ دیا گیا کہ محض منطقی اصول سے حقیقت تلاش کی جائے گی۔ اگرچہ ان علمی کاوشوں میں ایک بات واضح ہے کہ ان کی نظر میں کسی ''حقیقت'' کا ہونا تسلیم شدہ بات تھی، اوراس کے لئے کسی دلیل دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر منطقی اصول کے طریقہ استدلال کی ابتداء کسی مفروضہ سے ہی کی جاتی تھی اوران مفروضوں کواظہر من الشمس سمجھا جاتا تھا۔ ان کاوشوں کی علمی موشگافیوں سے حقیقت کا سراغ بس اس حد تک چلا کہ خدا کی ذات وصفات موضوع سخن ہوکر رہ گئیں اور طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ جب ان علوم سے عالم اسلام متعارف ہوا تومسلمانوں میں بھی فاسد تصورات جنم لینے لگے اور بنیادی عقائد پر بھی ضرب پڑنے لگی۔ اس دور میں علمائے صالحین نے علم کلام کی بنیاد ڈالی اوراس طرح باطل تصورات کا سدباب ہوسکا۔ علم کلام میں بھی اس مقصد کے لئے کچھ اصطلاحات وضع کی گئیں اور جوبحثیں الٰہیات سے متعلق چھڑ گئی تھیں وہ اب علم کلام کے دائرہ میں موضوع سخن بن گئیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے عقائد اسلامی کواپنی صحیح شکل میں سمجھنے کے لئے علم کلام

کی بنیاد پر اٹھائے گئے سوالات کے جوابات بھی اسی علم کے حوالہ سے مرحمت فرمائے تھے۔ الٰہیات کے موضوع پر حضرت مخدوم جہاںؒ کی تعلیمات سے ماخوذ وہ ضروری باتیں یہاں پیش کی جارہی ہیں جن سے عقائد باطلہ کی نفی ہوتی ہے۔

وجود باری تعالیٰ: وجود ہستی حق کے اثبات میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے جو عقلی دلیل پیش کی وہ مشاہدہ عالم کی بنیاد پر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ذرہ ذرات عالم مندرجہ ذیل چار باتوں کی گواہی دیتا ہے!

ا۔ گویا زبان حال سے وہ یہ کہتا ہے کہ ہم معدوم تھے اس ہست وموجود ہونے میں ہمارا کچھ دخل نہیں ہے کیونکہ نیست شے سے کوئی فعل وجود میں نہیں آسکتا تو یقینی میرا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور اسی سے میں موجود ہوا ہوں، غور کرو وجود ہستی حق پر یہ ایک گواہی گزرتی ہے،

۲۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہست وموجود وحدہ لاشریک ہے یعنی وہ اکیلا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا حکمران نہیں ہے، کیونکہ اگر دو خدا ہوتے تو بڑا فساد اور فتنہ برپا ہوتا، ایک کی خواہش ہوتی کہ دنیا پیدا کریں، دوسرا خدا کہتا میری رائے نہیں ہے، چلئے بات جھگڑے میں پڑ جاتی اور عجب گڑبڑ مچتی، اب میں دیکھتا ہوں کہ عالم قائم ہے، اور نظم میں کوئی خلل واقع نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ حکمران ایک ہی ہے جل جلالہ ☆۔

۳۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ وحدہ لاشریک عالم بھی ہے، کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہوگا وہ چیز اس شان سے پیدا نہیں ہوسکتی، ایجاد سے پہلے اس چیز کا علم ضروری ہے۔

۴۔ اس کا بھی یقین کرنا ہوگا کہ وہ عالم الغیب قادر بھی ہے، کیونکہ جس کو قدرت نہ ہوگی وہ پیدا نہیں کرسکتا، عاجز

☆ اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں خداؤں میں ہم آہنگی ہے اس لئے فساد نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم آہنگی ہی نہیں بلکہ ہر طرح سے اکسانیت ہے یعنی ذات وصفات میں یکسانیت ہے اور اگر ایسی یکسانیت تسلیم کرلی جائے تو ان دونوں کی الگ حیثیت کہ جس سے ان میں تمیز کی جاسکے ختم ہو جاتی ہے۔ جب تمیز ہی نہ ہوسکے تو الگ تصور کرنا بے معنی ہے۔ سائنس میں اس کی مثال Pauli's Exclusion Principle میں ملتی ہے۔

سے کسی شے کی ایجاد محال ہے، اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ہر ذرہ اور ہر موجود اس کی گواہی دے رہا ہے کہ حق تعالیٰ موجود ہے، واحد ہے، عالم ہے، قادر ہے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے مندرجہ بالا عقلی دلیل پیش کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ عرفاء کو ان کا علم مشاہداتی ہے اور اسی لئے وہ بے شمار ایسی چیزیں مشاہدہ کرتے ہیں جن کو احاطہ قلم میں لانا مشکل ہے۔ عرفاء کا حال یہ ہے کہ 'در ہر چہ نگہ کنم ترا می بینم (یعنی جس چیز کی طرف دیکھتے ہیں تجھی کو دیکھتے ہیں)'۔ ایک بزرگ نے فرمایا مارایت شیاء الا رایت اللّٰہ فیہ (نہیں دیکھا میں نے کسی شے کو مگر دیکھا اس میں اللہ کو)۔ عام مشاہدہ کی بنیاد پر جو دلیل حضرت مخدوم جہاںؒ نے قائم کی اس کی ایک بنیاد یہ ہے کہ دنیا کہ جیسی ظاہر میں نظر آتی ہے ویسی حقیقت میں ہے۔ یہ محسوسات کا دھوکہ نہیں ہے جیسا کہ بعض فلاسفہ کا تصور ہے۔

توحید باری تعالیٰ: توحید باری تعالیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے مخدوم جہاںؒ نے فرمایا[2] ''یہ ایک ہونا از روئے حقیقت ہے، عدد کے قاعدے سے نہیں ہے۔ اسی لئے خطبہ میں پڑھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد بلا عدد ہے، کیونکہ جو چیز گنتی میں آتی ہے، اس کی ایک نہایت ہوتی ہے (کیونکہ جب ایک سے زیادہ کا امکان ہوگا تبھی ایک کا شمار ہوگا)۔ والقدیم لا نہایۃ لہ کمالا بدایۃ لہ، اور قدیم کی تعریف یہ ہے کہ اس کی نہایت نہ ہو، جس طرح اس کی ابتداء نہیں ہوتی''۔ یہاں پر حضرت مخدوم جہاںؒ نے ایک شبہ کا ازالہ کیا جس کا تعلق علم کلام کی ایک بحث سے ہے یعنی یہ کہ جو ہر فرد قابل تجزیہ نہیں ہے، اس لئے لازم ہے کہ وہ بھی از روئے حقیقت ایک ہو۔ حضرت مخدوم نے فرمایا[3] ''یہ شبہ بے شک ہوتا ہے کہ جو ہر فرد چونکہ قابل تجزیہ نہیں ہے اس لئے از روئے حقیقت وہ ایک ہو۔ مگر جب یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اس میں متضاد صفتیں جمع ہوگئی ہیں جیسے حرکت، سکون، احاطہ، سمت تو صفات سے مرکب ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ نشانی حادث ہونے کی ہے، اور ہم کو کلام قدیم کے متعلق ہے، اب یہ بات واضح ہوگئی کہ جو ہر فرد صورتاً گو قابل تجزیہ نہیں ہے مگر صفات مرکبہ کی وجہ سے در حقیقت اس میں تجزیہ ہے، اور وہ تجزیہ کی قابلیت معناً رکھتا ہے، بخلاف ذات باری تعالیٰ کے کہ کسی طرح وہاں تجزیہ کا وہم بھی نہیں ہوسکتا، اس لئے سوائے ذات واجب الوجود کے کوئی شے

درحقیت ایک نہیں ہے، اگر حقیقی واحد ہے تو وہی جل جلالہ''۔

ثنویہ کا عقیدہ باطلہ[4]: فرقہ ثنویہ دو صانع کے قائل ہیں، ایک خالق شر، دوسرا خالق خیر، خالق خیر کو یزداں اور خالق شر کو اہرمن کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ یزداں سے ان لوگوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہے، کہ وہ رحم اور کرم والا ہے، وہ جو کام کرتا ہے اچھا کرتا ہے اور شر شریر کا فعل ہے اور اس سے وہ مراد شیطان لیتے ہیں۔ ثنویہ کے اس اعتقاد کی بنیاد ان کی کج فہمی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اچھے سے اچھا فعل ہو گا اور ہر برے سے برا فعل ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم مطلق ہے ایسے حکمت والے سے شر کس طرح جائز ہوگا۔ شر کا ایجاد کرنا ایک سفیہانہ فعل ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم ایک خالق شر بھی مان لیں۔ مطلب یہ ہے کہ خالق شر خالق خیر نہیں ہوسکتا اور خالق خیر خالق شر نہیں ہوسکتا۔ اس عقیدہ کا ابطال کرتے ہوئے مخدوم جہاںؒ یہ فرماتے ہیں کہ شر اور ضرر رساں اشیاء کے خالق کو جب ہی برا مانا جائے گا جبکہ ان میں بہترین حکمت نہ ہو۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نافع اشیاء ہوں یا ضار اشیاء سب کی پیدائش میں ہزاروں حکمتیں ہیں مثلاً جنت و دوزخ پیدا کرنے میں وعدہ اور وعید کا مقصد حاصل ہوتا ہے، جو شخص نعمت کی لذتوں سے واقف نہیں وہ عذاب کی سختی کو کیا جانے گا! مزید وضاحت کے لئے حضرت مخدوم جہاںؒ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔ ایک شخص اہل سنت والجماعت کا تھا اور زاہد تھا جس کے پڑوس میں ایک ثنویہ مذہب کا ماننے والا تھا۔ ثنویہ مذہب کا کوئی علامہ ایک دن اس زاہد مسلمان کے پاس گیا تاکہ اس سے علم و معرفت کی گفتگو کر کے اس کو اپنے عقیدہ میں داخل کرے۔ علامہ نے پے در پے سوالات کئے، زاہد سے جتنا کچھ بن پڑا جواب دیتا رہا۔ آخر میں چپ ہوگیا، گویا کہ قائل ہوگیا۔ اس کی خبر ایک عارفہ کو ہوگئی۔ عارفہ کو بڑی فکر ہوئی کہ وہ علامہ ایک مسلمان کو گمراہ کر گیا۔ عارفہ نے ایک ترکیب سوچی، اپنا بھیس بدل کر مذہب ثنویہ والوں کا روپ اختیار کر لیا اور موم کا ایک مصنوعی بچھو بنایا اور اس کو کاغذ میں لپیٹ کر اور آستین میں رکھ کر اس علامہ کے پاس گئی۔ علامہ کو آواز دے کر بلایا کہ تمہارے در پر تمہارے مذہب کی ایک عورت آئی ہے، اس کو ایک مسئلہ میں سخت الجھن ہے۔ اس مسئلہ کو سلجھاؤ ورنہ یہ عورت اس مذہب سے رشتہ توڑ لے گی۔ علامہ کو خبر ہوئی تو وہ جلد باہر آیا اور سوال

پوچھا۔ عارفہ نے اس کے سامنے وہ بچھو پیش کیا اور پوچھا کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے۔ علامہ نے جواب دیا کہ اہرمن نے۔ عارفہ نے کہا کہ اچھا اس کے نیش میں زہر کس نے رکھا، کہا اہرمن نے۔ عارفہ نے پوچھا کہ اس کی نیش میں زہر کے ہونے کا علم یزداں کو تھا کہ نہیں۔ علامہ اس مسئلہ میں الجھ گئے اگر کہتے ہیں کہ یزداں کو خبر نہ تھی تو یزداں پر جہل لازم آتا ہے اور اگر کہتے ہیں کہ یزداں کو علم تھا تو سوال ہوتا ہے کہ یزداں نے اس شر کو خیر کیوں نہیں بنا دیا۔ علامہ کا ذہن کھل گیا، اپنے مذہب سے تائب ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اس قصہ سے ایک اور نکتہ یہ واضح کیا کہ اگر کوئی مرد عابد و زاہد تو ہے مگر بے علم ہے تو اس سے ایک عارفہ عورت بدرجہا بہتر ہے۔ بے علم کے لئے ہمیشہ یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ وہ کہیں کسی گمراہی میں نہ پھنس جائے۔

ذات وصفات باری تعالیٰ ۵: معرف ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق حضرت مخدوم نے یہ فرمایا کہ ''معرفت ذات سے مراد ہستی اور وحدانیت حق ہے۔ اور اس طرح پر جاننا کہ ذاتہ لیس کذا و تنا۔ یعنی ذات باری تعالیٰ جوہر نہیں ہے، جسم نہیں ہے، عرض نہیں ہے، محدود و متناہی نہیں ہے، نہ مکان میں، نہ زمان میں، نہ جہت میں ہے اور جو چیز وہم و خیال میں آئے وہ اس کی ذات نہیں ہے۔ اللہ وہی ہے جو عقل و فہم و وہم سے باہر ہے بلکہ جو صورت خیال میں آئے اس کا وہ خود خالق ہے خود نہیں ہے''۔

جوہر کی اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جوہر نہیں ہے کیونکہ جوہر کی دو تعریف کی گئی ہیں، اوّل یہ کہ مرکب جن چیزوں سے وجود میں آتا ہے ان اجزائے مرکب کو جوہر کہتے ہیں۔ جوہر خود کسی کا مرکب نہیں ہے ہاں جوہر مل کر مرکب بناتے ہیں۔ دوسری تعریف جوہر کی یہ ہے کہ جو شے قائم بنفسہ ہے، اس کو جوہر کہتے ہیں۔ پہلی تعریف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات کسی مرکب کا جز و خاص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے منزہ ہے۔ دوسری تعریف کی رو سے اللہ تعالیٰ کو جوہر کہہ سکتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ قائم بنفسہ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو جوہر کہنا نہیں چاہئے اس لئے کہ معناً اگرچہ یہ درست ہے مگر ایسا کہنا گناہ ہے کیونکہ اسماء وصفات باری تعالیٰ جو کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ

میں مندرج ہیں ان سے الگ کس کی مجال ہے کہ اجتہاد کر کے کوئی نیا نام رکھے یا نئی صفات سے یاد کرے اگر چہ معناً وہ ٹھیک بھی ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا معناً تو درست ہے مگر چونکہ یہ لفظ قرآن وحدیث میں نہیں آیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا از روئے لفظ غلط ہوگا۔

قاضی صدرالدین نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ طبیب استعمال کیا ہے تو ان سے یہ سہو کیسے ہوگیا؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ معصوم تو صرف انبیاء ہوتے ہیں اس لئے غلطی کا امکان تو سب میں پایا جاتا ہے۔ ہاں البتہ غلبہ حال میں ایسے کلمات کا بول جانا جائز ہے کیونکہ اس کیفیت میں آدمی معذور ہوتا ہے اور شاید صدیق اکبرؓ کا یہی معاملہ ہوگا۔

معرفت صفات باری تعالیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا ''صفت خداوند نہ عین ہے نہ غیر۔ اور اللہ کی مختلف صفات کا آپس کا تعلق بھی اسی طرح ہے کہ نہ عین ہے، نہ غیر ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات علم اور قدرت کو لیجئے۔ صفت علم نہ عین صفت قدرت ہے نہ غیر قدرت ہے۔ اسی طرح صفت قدرت نہ عین صفت علم ہے نہ غیر صفت علم ہے۔ اسی طرح یہ بھی جاننا چاہئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی قدیم ہیں۔ اور کل صفات قائم بذات خداوند ہیں، عرض کے طور پر بھی نہیں اور نہ ذات سے منفک (یعنی الگ کیا ہوا)۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے معرفت ذات وصفات کی جو اس طرح تشریح فرمائی تو یہ بھی واضح کردیا کہ اس کو علمی معرفت کرتے ہیں اور یہ عام مومنین کے رتبہ کی بات ہے۔ مگر صوفیائے کرام علمی معرفت کے درجہ سے بڑھ کر معرفت یقینی کے درجہ میں پہنچے ہیں، اور فیض صحبت سے پیران طریقت کے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معرفت یقینی کے درجہ سے بھی آگے بڑھ کر معرفت ذاتی تک ان کی رسائی ہوگئی ہے۔ جو حضرات معرفت ذاتی کے مقام پر ہوتے ہیں وہ اپنے مقام سے باتیں کرتے ہیں اور ان کی اصطلاحات الگ ہیں۔ اگر ان کی باتوں کو معرفت علمی کی اصطلاح سے ملا دیا جائے گا تو اس سے فساد کھڑا ہو جائے گا۔

نفس اور ذات کی اصطلاح کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ ذات سے ہستی مطلق مراد لیتے ہیں اور ایسے چند اور الفاظ ہیں جن سے مراد ہستی ہوا کرتی ہے، جیسے عین، شے،

وجود، ذات، نفس۔ حضرت مخدوم نے اس کو ایک مثال سے سمجھایا۔ آپ کے دست مبارک میں ایک گل سرخ تھا۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ فرما کر یہ بتایا کہ اس گل سرخ کو ہم عین گل، ذات گل، وجود گل سب کہہ سکتے ہیں اور سب سے مراد وہی اس گل کی ہستی ہے۔ ان لفظوں کا بیان قرآن وحدیث میں بھی ہے اور وہاں بھی مراد ہستی حق ہے، صفات سے الگ، کہ وہ ذات سے جدا ہے۔ ایک استفسار پر کہ کیا صفات کو ذات سے الگ کر سکتے ہیں؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہاں کر سکتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک سب صفتیں ذات سے جدا ہیں۔ معتزلہ کا عقیدہ الگ ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ صفات ذات سے الگ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی عالم ہے، اس کی ذات ہی قادر ہے، اسی طرح دوسری صفات کا بھی معاملہ ہے۔ ان کے اس عقیدہ کے لئے ان کی یہ دلیل ہے کہ اگر صفات کو ذات سے الگ مانا جائے تو قباحت یہ ہوگی کہ دونوں کو الگ الگ قدیم ماننا ہوگا۔ اور قدیم میں کثرت کی گنجائش نہیں کیونکہ وہی (یعنی اللہ تعالیٰ) ذات پاک قدیم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بحیثیت ذات تسلیم کرنے میں تعدد لازم نہیں آئے گا (یعنی ذات سے الگ کوئی شے نہیں ہے)۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اس شبہ کا یوں ازالہ فرمایا کہ صفات کو اگر ہم غیر ذات تصور کریں تو البتہ تعدد لازم آئے گا۔ لیکن اگر ہم صفات کو قائم بالذات مانیں تو تعدد لازم نہیں آئے گا۔ یعنی غیریت تو جب متصور ہوگی جب صفات اور ذات کو ایک دوسرے سے الگ قائم وموجود سمجھیں۔ چونکہ صفات حق قائم بہ حق ہیں اس لئے تعدد کا مسئلہ کھڑا نہیں ہوتا۔

صفات حق کی حقیت کیا ہے؟ حضرت مخدوم جہاںؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں بھی معتزلہ کا عقیدہ خطا ہے۔ معتزلہ صفات باری تعالیٰ کو حقیقت نہیں مانتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم جب خدا کو عالم کہتے ہیں تو اس سے جہل کی نفی مراد لیتے ہیں (یعنی یہ کہ خدا جاہل نہیں ہے)، اسی طرح جب خدا کو قوی کہتے ہیں تو مراد ضعف کی نفی ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مخدوم جہاںؒ سنت والجماعت کے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی صفتوں کو حقیقتاً مانتے ہیں یعنی یہ کہ تمام صفتیں علم وقدرت اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم سمجھتے ہیں۔ اور ان کی ضد کا وجود ذات پاک میں نہیں مانتے۔ صفات حقیقی سوائے حق کے کسی کو حاصل نہیں۔ غیر اللہ کی صفتیں مجازی ہیں اور عطائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو جو صفتیں

دی ہیں اس کو بس وہی حاصل ہیں ورنہ کچھ نہیں۔

متشابہات الفاظ قرآنی ٦: قرآن واحادیث میں ید، وجہ، سمع، بصر کے الفاظ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے استعمال کئے ہیں ان کو کس طرح سمجھا جائے؟ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں کہ اہل ظاہر ان کی تاویل کرتے ہیں مگر اہل تحقیق ان کی تاویل نہیں کرتے۔ مثلاً اہل ظاہر وجہ سے مراد ذات لیتے ہیں، ید سے قدرت لیتے ہیں، مگر اہل تحقیق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی لفظ بے کار استعمال نہیں کیا۔ اس لئے اگر وجہ سے ذات مراد لیں تو لفظ وجہ کا استعمال بیکار ہوگا۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ وجہ، ید یا ایسے دوسرے متشابہات کو اپنی جگہ پر صحیح تصور کیا جائے لیکن ان کے معانی میں اس کا خیال رکھا جائے کہ یہ ذات باری تعالیٰ کے شایان شان ہو یعنی ان کے معانی میں مخلوق کے جوارح پر قیاس نہ کیا جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا الفاظ اپنی جگہ پر ہوں گے، مخلوق سے تشبیہ کی نفی ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر جس طرح ایمان ہونا چاہئے وہ بھی قائم رہے گا۔ ان کے برخلاف اگر اہل ظاہر کی تاویل کو تسلیم کرلیں تو اس تاویل میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ تاویل درست ہو، دوسرا کہ غلط ہو۔ اسی لئے اہل تحقیق کی رائے زیادہ مناسب ہے کہ اس میں خطا کا پہلو نہیں ہے۔

اس مسئلہ کو حضرت مخدوم جہاںؒ نے ایک مثال سے واضح کیا۔ آپ فرماتے ہیں ٧

''حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں خلقت بیدی استعمال ہوا ہے اگر اس ید سے مراد قدرت لی جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی خوبی کیا نکلے گی، ابلیس کو بھی اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، آدم وابلیس میں فرق کیا رہا۔ پھر سارا عالم اس کی قدرت سے پیدا ہوا ہے، خصوصیت ید کی کیا ہوئی؟ تو معلوم ہوا کہ ید سے وہ معنی مراد ہے جو حضرت عزت کے لائق ہے۔ اسی ہاتھ سے آدمؑ کو پیدا کیا اور اس سے آدم علیہ السلام کی بڑائی نکلی۔ اس کے بعد خود ہی فرمایا کہ متشابہات کے موقع میں اگر کوئی یہ کہے کہ معرفت ذات وصفات واجب ہے، پھر متشابہات کی معرفت اہل تحقیق نے حاصل کیوں نہیں کی۔ اہل تحقیق کا فرض ہے کہ معرفت ذات وصفات

بطریق اولیٰ حاصل کریں''۔

کیا معرفت ذات وصفات واجب ہے: اس سلسلہ میں حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں ۸۔

''اہل تحقیق کا جواب یہ ہے کہ معرفت ذات وصفات ہم پر واجب نہیں کہ یہ تفصیل حاصل کریں، اور صحت ایمان بھی اس پر موقوف نہیں۔ اگر متشابہات کی معرفت ہم کو نہ ہو اور اس کی حقیقت تک ہم کو رسائی نہ ہو تو ہمارے ایمان میں کوئی خلل نہیں پڑتا، بس اسی قدر کافی ہے کہ اجمالاً ہم سب پر ایمان لائیں، اور کہیں کہ ہم خدا پر ایمان لائے۔ جمیع صفات کمالیہ کے ساتھ اور اس کی سب کتابوں پر۔ اس کے سب رسولوں پر۔ اجمالاً ایمان رکھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ کتاب اللہ میں بہت ممکن ہے ایسی چیزیں بھی ہوں جس کا علم ہم کو نہیں ہے، اور ہماری رسائی وہاں تک نہیں ہوئی ہو۔ یہ مسلک اکثر فقہا اور محدثین وصوفیاء کا ہے۔ لیکن متکلمین کہتے ہیں کہ لاعلمی ہماری جائز نہیں۔ ہم اگر غور وفکر کریں تو کتاب اللہ کی سب بات معلوم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے افلا یتدبرون القراٰن۔ ام علی قلوب اقفالھا۔ حکم ہو! لوگوں کو قرآن میں تدبر کا۔ اگر قرآن میں کوئی ایسی چیز ہوتی جو سمجھ سے بالاتر ہوتی تو حکم تدبر کا درست نہ ہوتا، پھر (حضرت مخدوم نے) یہ فرمایا کہ ھدیً للمتقین جو (کچھ؟) چیز سمجھ سے بالا بھی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ متشابہات کے بارے میں خود حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ دیکھو یہاں پر چپ رہنا پڑتا ہے، تقریر وتفہیم کی کوئی گنجائش نہیں، متکلمین کی دلیلیں بھی کتابوں میں موجود نہیں''۔

مزید فرمایا: ''مگر صوفیائے کرام وغیرہم کی یہ بات معقول ہے۔ وہ کہتے ہیں جن کاموں کے لئے ہم مکلف ہیں اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے اس کی حکمت ہم جان سکتے ہیں، جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ۔ نماز دلیل تواضع اور تضرع اور عبدیت ہے، زکوٰۃ سے اہل حاجت کی عقدہ کشائی ہوتی ہے، روزہ سے نفس کا قلع قمع ہوتا ہے۔ دوسری (قسم) وہ ہے کہ اس کی حکمت سے ہم خبردار نہیں۔ افعال حج کو دیکھو کہ محض تعمیل حکم ہے اس کے

انداز ہی نرالے ہیں۔ اب جب کہ فعلی احکام کی دو قسمیں ہیں تو اس کے قولی معارف کی بھی دو قسمیں ہو سکتی ہیں اور واقعی ہیں"۔

ماحصل اس بحث کا یہ ہے کہ معرفت ذات وصفات ہم پر واجب نہیں، البتہ ہم کو اجمالاً یہ ایمان لانا ہے جیسا کہ ایمان مجمل اور ایمان مفصل میں تعلیم دی گئی ہے۔

کیا تقلیدی ایمان معتبر ہے؟: حضرت مخدوم جہاںؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا تقلیدی ایمان معتبر ہے؟ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ تقلیدی ایمان بھی صحیح ہے، اہل سنت والجماعت نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ ہاں بعضوں کا ایسا خیال ہے کہ تقلیدی ایمان کوئی ایمان نہیں۔ حضرت مخدوم نے مزید فرمایا کہ ایمان دو طرح کا ہوتا ہے، ایک ایمان دیکھا دیکھی یعنی تقلیدی ہوتا ہے دوسرا ایمان دلیل و حجت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح دلیل رکھنے والے کا ایمان درست ہے اسی طرح تقلیدی ایمان بھی درست ہے۔ البتہ فرق مراتب ضرور ہے۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اہل مکاشفہ کے نزدیک دلیل والے اور تقلید والے دونوں برابر ہیں اس لئے کہ جس طرح تقلیدی ایمان والے کے لئے یہ اندیشہ ہے کہ وہ کسی وسوسہ میں مبتلا ہو کر اپنے عقیدہ سے بھٹک سکتا ہے اسی طرح دلیل والا بھی کسی مخالف کی قوی تر دلیل سے متاثر ہو کر اپنے عقیدہ سے منحرف ہو سکتا ہے۔ چونکہ ان دونوں کے عقیدے کی بنیاد دلیل پر ہے (مقلد بھی اپنی نظر میں کچھ نہ کچھ دلیل رکھتا ہی ہے) نہ کہ مشاہدہ پر، اس لئے ان کا ایمان متزلزل ہو سکتا ہے برخلاف اہل مکاشفہ کے کہ ان کے ایمان کی بنیاد مشاہدہ ہے اس لئے ان کے عقیدہ میں کسی تذبذب یا تزلزل کا امکان نہیں ہے۔

البتہ تقلیدی ایمان کے لئے صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس پر دل سے یقین رکھنا بھی ضروری ہے۔ راحت القلوب کی پانچویں مجلس میں یوں مرقوم ہے:

"اہل سنت والجماعت کے نزدیک جب مقلد کو تصدیق حاصل ہو وہ مومن ہے۔ اور معتزلہ اور اشعریہ کے نزدیک مومن نہیں ہے جب تک تمام اعتقادی مسائل کو اس طرح دلیل سے نہ پہچانے کہ اس کے نزدیک شبہات کا دور کرنا ممکن ہو۔ اور کرامیہ کے نزدیک جو شخص لا الہ الا اللہ

کہتا ہے اور (اگرچہ) خدا کو نہیں پہچانتا اور صانع کو مصنوع کے ذریعہ نہیں جانتا اور اس پر اعتقاد نہیں کرتا (پھر بھی) مومن ہے۔ اور یہ بھی محض تقلید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے فقہا فرماتے ہیں کہ کسی فرد کا قول ایمان نہیں ہے۔ یعنی ''تقلید محض'' ایمان نہیں ہے۔ جب تک اس کی تصدیق نہ کرے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے سن کر لا الہ الا اللہ کہے اور اگر اس سے پوچھا جائے کہ یہ کیا کہا تو جواب دے کہ لوگوں سے سنا تو میں نے بھی کہہ دیا ورنہ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے کیا کہا۔ ایسا مقلد مومن نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے میں نے لوگوں سے سنا اور یہ جان لیا کہ یہ درست ہے اور حق ہے اور اس پر اعتقاد ہے تو ایسا مقلد بیشک مومن ہے''۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے مزید فرمایا کہ بندہ مومن پر واجب ہے کہ خداوند عزوجل کی ہستی کو پہچاننے کی کوشش کرے اور یہ پہچاننا اس طرح ہے کہ وہ یقین کرے کہ موجودات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ وہ واجب الوجود ہے اور یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

تخلیق موجودات: حضرت مخدوم جہاںؒ سے کسی نے یہ سوال کیا کہ خداوند تعالیٰ کے افعال اور احکام کسی علت کے معلول ہیں یا کسی علت کے معلول نہیں ہیں؟ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ [10] اس مسئلہ کا تعلق علم کلام سے ہے اور اس کی اصل علم کلام ہی میں ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے افعال میں علماء کے درمیان اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے یہاں لمبی بحثیں آئی ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے ان بحثوں کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کے بعد اس سلسلہ میں حضرت عین القضاۃ رحمتہ اللہ علیہ کا بیان بحوالہ 'زبدہ' پیش کیا اور وہ یہ ہے [11]:

''شاید تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ خداوند جل وعلا نے خلق کو کیوں پیدا کیا، کیا اپنی کسی غرض کے لئے؟ اللہ کے لئے محال ہے کہ اسے کوئی غرض ہو، یا بغیر کسی غرض و فائدہ کے یہ بھی محال ہے، یا محض اپنے قاعدہ اور عادت کے طور پر تو اللہ اس صفت سے بھی متصف نہیں ہے تو تم یقین کرو یہ ایک ایسا سوال ہے کہ اکثر و بیشتر علماء یہاں حیرت میں ہیں۔ اور یہ اندیشہ حضرت

داؤد علیہ السلام کے دل میں بھی پیدا ہوا تھا چنانچہ انہوں نے عرض کیا یا رب لمن خلقت الخلق فقال کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف (اے میرے رب تو نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا؟ جواب ملا میں ایک کنز مخفی تھا مجھے محبوب ہوا کہ میں پہچانا جاؤں)۔ تو موجودات کے ایجاد کی غرض یہ ہوئی کہ جس کا کنایہ کنت کنزا مخفییا فاحببت ان اعرف سے کیا ہے۔ اس کے ادراک کا تصور سوائے عارفوں کے اور کسی کو نہیں ہوتا۔ اس تقریر کے بعد اتنا جان لینا ضروری ہے کہ موجودات کو ایجاد کرنا ذات واجب الوجود کی ایک صفت ہے اور یہ صفت ضروریۃ الوجود (لازمی) ہے۔ جس طرح ذات واجب الوجود کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ قدیم نہ ہو اسی طرح ذات واجب الوجود کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ موجد نہ ہو۔ تو اس قول کے قائل کا یہ کہنا کہ کیوں اور کیسے موجد ہے یہ ایسا ہی ہے کہ وہ کیوں قدیم ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر وہ قدیم نہیں ہوگا تو واجب بھی نہیں ہوگا اور اگر موجد نہیں ہوگا جب بھی واجب نہیں ہوگا تو ہر شخص کے لئے اس کے وجود کو ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ اس کو کہنا ہے کہ ایجاد اس کی صفت ضروریۃ الوجود (لازمی) ہے واللہ اعلم"۔

ابتدائے تخلیق کے حوالہ سے حدیث شریف میں ہے اوّل ماخلق اللّٰہ نوری والخلق کلھم من نوری یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا اور میرے ہی نور سے تمام موجودات کی تخلیق فرمائی [12]۔ اس کی مزید تفصیل یوں بتائی گئی ہے کہ ساری مخلوقات و موجودات کا مبداء روح انسانی ہے اور ارواح انسانی کا مبداء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک ہے [13]۔ ایک دوسری حدیث ہے خلق اللّٰہ نوری من نورہٖ۔ اس حدیث کی وضاحت میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس سے دو اشکال پیدا ہوتے ہیں اوّل یہ کہ چونکہ نورِ حق قدیم ہے اس لئے نہ اس کا تجزیہ ہوسکتا ہے نہ تبعیض ٹکڑا ٹکڑا کیا جاسکتا ہے مگر حدیث میں من نورہٖ سے تبعیض کا گمان ہوتا ہے اور یہ محال ہے کیوں کہ اللہ کے نور کا حصہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دوسری دشواری یہ ہے کہ اگر نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب نور اللہ ہے تو چاہئے کہ یہ بھی قدیم ہو کیونکہ نورِ حق قدیم ہے۔ ان اشکال کا جواب حضرت مخدوم جہاںؒ اس طرح فرماتے ہیں کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ

کے نور سے بطور تجزیہ نہیں ہے بلکہ بطریق فیض ہے۔ کسی چیز کا ظہور کسی دوسری چیز سے ہونے کے لئے لازم نہیں ہے کہ یہ بطور تجزیہ یا تبعیض ہو۔ اس کی مثال آئینہ سے سمجھی جاسکتی ہے کہ آئینہ میں جو شبیہ نظر آتی ہے وہ اس جسم کا حصہ یا ٹکڑا نہیں ہوتی جس کی وہ شبیہ ہے۔ اب رہا اس شبہ کا جواب کہ نور محمد ﷺ جب نور خدا سے ہے تو چاہئے کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی قدیم ہو۔ اس سلسلہ میں معدن المعانی میں یوں مذکور ہے:

''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسول علیہ السلام کی آفرینش جو نور حق سے کی گئی ہے یہ اشارہ ہے حقیقت انسانیت کی طرف، حقیقت انسانیت کی حالت بیان کی گئی ہے، ایک طریقہ سے محدث ہے (یعنی قدیم کی ضد ہے اس لئے پیدا ہوئی ہے)، دوسرے طریقہ سے غیر مخلوق ہے، محدث اس طور پر ہے کہ لم یکن فکان نہیں تھی، اور ہوگئی، عدم سے وجود میں آنا یہ نشانی حدوث کی ہے اس حیثیت سے اس کو محدث کہیں گے، اور غیر مخلوق اس حیثیت سے کہیں گے کہ بے کیف ہے نہ متصل ہے نہ منفصل ہے نہ خارج ہے نہ داخل ہے، نہ مکیف نہ محدود ہے۔ غیر مخلوق اس حیثیت سے کہیں گے کہ لوازمات خلق سے بری ہے کسی قسم کی کیفیت کا تعلق نہیں ہے اور محدث اس حیثیت سے کہ نہیں تھی اور ہوگئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو عالم پیدا کئے ہیں، عالم خلق اور عالم امر۔ عالم خلق سے جتنی چیزیں ہیں محدود ہوتی ہیں اور کیفیت قبول کرتی ہیں اور عالم امر سے جو جو چیزیں ہیں وہ بے کیف اور غیر محدود ہیں جیسے روح، اگر تم کہیں بزرگوں کے کلمات میں دیکھو کہ روح کی صفت غیر مخلوق ہونے کے ساتھ کی ہے یا روح کی صفت اس طور پر کی ہے کہ غیر مخلوق ہونا اس کا اس سے نکلتا ہے اسکی تاویل یہی ہوگی کہ روح چونکہ محدود و مکیف نہیں ہے، اس لئے اسکو غیر مخلوق کہا ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ محدث نہیں ہے اور اللہ نے اس کو خلق نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت عین القضاۃ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے قسم کے مخلوقات و مصنوعات تھے مگر کسی کو سجدہ ملائک کے لئے مخصوص نہ کیا حضرت آدمؑ کی خصوصیت کیوں ہوئی اور یہ کیوں مسجود ملائک ہوئے۔ اسی سے جاننا چاہئے کہ ان کی بلند مرتبگی کہاں تک ہے اور ان کی شخصیت کیسی ہے اور وہ درحقیقت کیا چیز ہیں۔ اس کے بعد زبان مبارک سے یہ بیت پڑھی:

جملہ ملوک اہل دیں جملہ ملائکہ امیں

سجدہ کناں کہ اے صنم بہر خدائے رحمتی

(ترجمہ: تمام کے تمام شاہان دین اور کل کے کل ملائکہ سجدہ ریز ہیں کہ اے محبوب خدا کے لئے ایک نگاہ ادھر بھی)

تخلیق آسمان و بہشت وغیرہ: ایک سوال کے جواب میں کہ کیا آسمان کی تخلیق دوسری چیزوں سے پہلے ہوئی، حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا[14] ''خبر تو یہی ہے کہ اس کے بعد ہی (بہشت و دوزخ) مخلوق ہوئی جیسا کہ دوسری مخلوقات''۔ ایک دوسرے سوال کے جواب میں کہ کیا بہشت ودوزخ دنیا ہے، حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ دنیا یہ جہان ہے اور بہشت و دوزخ وہ جہان ہے جسے آخرت کہتے ہیں۔ دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں بزرگوں کے بہت اقوال ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، وہ چار چیزیں یہ ہیں: دنیا، قلب، روح اور نفس۔

بہشت کی جگہ کہاں ہے؟ اس کے جواب میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ بہشت عرش کے نیچے ہے[15] اور عرش بہشت کی چھت ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید میں ہے کل شی ھالك الا وجھه (ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے) اور پھر دوسری جگہ ارشاد ہے و یبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام (اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات، عظمت و بزرگی والی) تو جب کہ بہشت ودوزخ حق تعالیٰ کے ماسوئی ہے اس کو فنا کیوں نہیں؟ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ کچھ چیزیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے سے باقی رہیں گی۔ اور وہ اس آیتِ کریمہ کے تحت مخصوص ہیں و یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السمٰوات ومن فی الارض الا من شاء اللّٰہ (اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو گھبرا جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے خدا چاہے وہ گھبراہٹ اور ہلاکت سے محفوظ رہے گا)۔ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے تحت جن کو استثناء قرار دیا ہے وہ بہشت ودوزخ، ارواح، عرش، کرسی، لوح وقلم ہیں اور آیت کل شی ھالك الاوجھه کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ اگرچہ بہشت ودوزخ، ارواح، عرش، کرسی، لوح وقلم سب اصل میں ہلاک

ہونے کے قابل ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے باقی رکھنے سے (متذکرہ بالا آیت کی استثناء کے تحت) باقی رہیں گی۔ جس طرح اس وقت تمام چیزیں اگرچہ ہلاک ہونے کے قابل ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے باقی رکھا ہوا ہے اس لئے باقی ہیں۔

حقیقت انسان: ایک اہم بحث حقیقت انسان، روح، نفس اور قلب سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں جتنی بحثیں ہیں سبھی ان چیزوں کی صفت ہی بتاتی ہیں، ان کی ماہیت اور حقیقت نہیں بتاتی ہیں۔ ان چیزوں کی معرفت کے لئے اصل میں دوسری ہی عقل اور دوسری ہی فطرت درکار ہے اور یہ عالم مکاشفہ کی بات ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ سے ایک صاحب نے کچھ متعلموں کی ایک بحث کے حوالہ سے ایک سوال کیا۔ یہ متعلمین العالم ما سویٰ اللہ (عالم اللہ کے ماسویٰ ہے) کے حوالہ سے عالم کو تین قسم میں تقسیم کررہے تھے یعنی جوہر، جسم اور عرض۔ سوال یہ ہے کہ روح کون سی قسم میں ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا[16] کہ ایسی بحث کا کیا فائدہ؟ روح کا مسئلہ مشکل ہے، بحث ایسی چیز میں کرنی چاہئے جس کی کیفیت سمجھ میں آسکے اور جس چیز کی کیفیت سمجھ میں نہ آسکے اس پر بحث کرنے کا کیا فائدہ؟ پھر مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی روح کے جسم کا قائل ہے تو وہ جانے اور جو جوہر کا قائل ہے تو وہ جانے۔ حقیقت میں اس سلسلہ میں جو بات بھی کہی گئی ہے وہ محقق نہیں، البتہ لوگوں نے استدلال کیا ہے۔ کچھ نے نزع کے سلسلہ میں وارد ایک حدیث قال علیہ السلام ان اللہ یقبل التوبۃ عن عبدہ حتی یعرعر (یعنی جان حلق تک پہنچ جائے اس وقت بھی مومن اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہے) کے حوالہ سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ جان کا حلق تک پہنچ جانا روح کے جسم یا جوہر ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اگر یہ جسم یا جوہر نہ ہو تو اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ممکن نہ ہو۔ اسی طرح دوسروں نے بھی استدلال کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روح کی کیفیت ماہیت اور حقیقت کی بابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں بتایا بجز آیتِ قرآنی کے یعنی قل الروح من امر ربی (کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا ایک حکم ہے)۔ ارباب تصوف نے روح کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ روح کی بزرگی کے متعلق بیان ہے نہ کہ اس کی حقیقت کا۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت

کا اعتقاد ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں روح کی خبر دی ہے مگر اس کی کیفیت اور حقیقت بیان نہیں کی۔ اس لئے عقیدہ یہ ہے کہ روح بیشک ہے مگر اس کی ماہیت اور حقیقت میں غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حقیقت انسان کے متعلق حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا ۱۷ کہ اس کی حقیقت کما حقہ کسی نے نہیں پایا اور جس کسی نے بھی اس کے متعلق لکھا ہے وہ اس کے اوصاف کے متعلق لکھا ہے اس کی حقیقت کے بارے میں نہیں لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں بس اتنی ہی بات کہی جاسکتی ہے کہ انسان ایک صفت سے دوسری صفات اختیار کرتا ہے اور ہر صفت میں لاکھوں عجائب وغرائب کا ظہور ہوتا ہے۔ انسان خود اگر اپنے اوپر نظر کرتا ہے کہ یہ آب وخاک کیا ہے اور اگر اس سے کہیں اور آگے ہے تو اس آب وخاک کو اس سے کیا نسبت ہے تو بس حیرانی ہی حیرانی ہے۔ اگر یہ کہتا ہے کہ سب کچھ عین اسی سے ہے (یعنی خداوند تعالیٰ سے ہے) تو کفر لازم آتا ہے اور جبر بھی لازم آتا ہے اور اگر اپنے کو صرف آب وخاک سمجھتا ہے تو یہ بھی کفر ہے کہ اس سے قدر لازم آتا ہے (یعنی مجبور محض قرار پاتا ہے)۔ اور اگر حقیقت انسانی کو کسی پر منکشف کر دیا اور کھول کر دکھا دیا تو وہ خود درمیان نہ ہوگا اور یہاں نہ حیرانی ہوگی نہ کچھ اور پھر حضرت مخدوم نے یہ بیت پڑھی:

آنچہ من دیدم نیارم گفت باز
زیں عجائب تر نیفتد ہیچ راز

اور پھر ارشاد فرمایا کہ جب تک پروانہ شمع کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے وہ حقیقت شمع سے بے خبر ہوتا ہے اور جب خود کو اسنے شمع کی لو پر ڈال دیا تو پھر بے چارہ پروانہ باقی کہاں رہتا ہے اور شمع کی حقیقت کا پتہ کون بتائے۔

روح، نفس اور قالب کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا ۱۸ کہ قلب روح کے احکام اور تصرفات کی جگہ ہے۔ تمامی اوامر ونواہی گوشت کے اس لوتھڑے میں جسے دل کہتے ہیں پیدا ہوتے ہیں پھر دل سے تمام اعضاء وجوارح میں پھیل جاتے ہیں۔ روح اور نفس کے بیچ میں قلب منقلب ہے، روح اور نفس میں جس کا غلبہ ہوتا ہے قلب اسی جانب ہو جاتا ہے اگر روح کی صفت غالب ہوتی ہے تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے اور دل روح کی جانب ہو جاتا ہے اور اگر نفس غالب ہوتا ہے تو روح کی صفت مغلوب ہو جاتی ہے اور دل نفس کی جانب ہو جاتا ہے، اسی لئے قلب کو قلب منقلب (یعنی ادھر ادھر ہونے والا) کہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفس قلب کے اندر ایک معنی ہے مثل روح کے اور قلب بھی قالب کے اندر معنی ہی ہے مودّع (رخصت کیا ہوا) مثل روح کے۔ صورت اور معنی کے فرق کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ جو چیزیں کہ حس کے ذریعہ دریافت کی جاتی ہیں وہ سب عالم صورت سے ہیں اور جو چیزیں محسوسات سے معلوم نہیں کی جاسکتیں بلکہ عقل سے دریافت ہوتی ہیں وہ سب عالم معنی سے ہیں اور نفس، روح، قلب یہ سب عالم معنی سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے نفس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے [19] کہ لغت کی رو سے نفس کے چند معانی ہیں۔ ایک معنی بدن کے ہیں جیسا کہ کلام پاک میں ہے کل نفس ذائقۃ الموت (تمام بدن کے لئے موت ہے)۔ دوسرے معنی میں خون کے لئے بھی بولتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ اس حیوان کا نفس سائل یعنی رواں ہے۔ ایک اور معنی روح کے ہیں جیسا کہ کلام پاک میں ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک (اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل)۔ اور عقل (جان؟) کے لئے بھی بولتے ہیں جیسا کہ کلام پاک میں ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا (اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہوان کے مرنے کا)۔ یہ لفظ شے کی ذات اور اس کا عین کے لئے بھی بولتے ہیں، مثلاً وما یخدعون الا انفسھم (دراصل کسی کو دغا نہیں دیتے مگر خود اپنی ذات کو) ولکن ظلتم انفسکم (لیکن تم نے نقصان کیا اپنا)۔

ایک سوال کے جواب میں کہ ذات روح کے لئے بھی بولتے ہیں مگر روح جو ہر و جسم نہیں تو پھر لفظ ذات روح کے لئے بولنا کس طرح مناسب ہوا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا [20] کہ ذات سے مراد ہستی لیتے ہیں نہ کہ جوہر و جسم۔ ہستی کے لئے اور بھی الفاظ استعمال ہوتے ہیں مثلاً عین، شے، وجود، ذات، نفس وغیرہ۔

ایک اور سوال کے جواب میں کہ کیا موت کے بعد قالب اور روح کے درمیان محبت و معرفت رہتی ہے حضرت مخدوم نے فرمایا [21] کہ رہتی ہے، مگر یہ خاصیت روح کی ہے قالب کی نہیں ہے کیونکہ محبت و معرفت روح کا خاصہ ہے۔ اس دنیا میں جو میل و محبت جان پہچان آدمیوں کے درمیان ہے اس کی اصل یہ

ہے کہ روز میثاق یعنی وعدہ کے دن اللہ رب العزت نے ذریات آدم علیہ السلام کو آپ کی پشت مبارک سے زرد برنیوں کی طرح باہر نکالا اور ان سے خطاب کر کے فرمایا الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اور جواب میں سبھوں نے 'ہاں' کہا۔ اس وقت ان لوگوں میں آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی اور جس انداز سے ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی اسی انداز سے دنیا میں ملاقات ہوتی ہے یا ہوگی۔

حضرت مخدوم جہاںؒ سے سوال کیا گیا کہ قلب المومنین عرش اللہ (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے) کس اعتبار سے کہتے ہیں؟ آپ نے جواب فرمایا ۲۲ کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکام اوّلاً مومن کے دل میں نازل ہوتے ہیں پھر وہاں سے تمام اعضاء میں ظاہر ہوتے ہیں جس طرح ہر ایک چیز کی صورت عرش پر ظاہر ہوتی ہے، پھر عرش سے ملک اور ملکوت میں پیدا ہوتی ہے اسی مناسبت سے دل کو عرش کہتے ہیں۔ ایک دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مومن کا دل وسعت اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت کا محل ہونے کے حکم کے تحت عرش خداوند تعالیٰ ہے۔ جس طرح عالم مخلوقات میں کوئی مخلوق اور مصنوع عرش سے زیادہ وسیع اور رفیع نہیں ہے، مومن کا دل بھی ایسا ہی ہے اور اس کی سند یہ ہے کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاکیاً عن اللہ تعالیٰ لا یسعنی سمائی والارضی ولکن یسعنی قلب عبدالمومن (آسمان میرا بار نہ اٹھا سکا، زمین بھی طاقت نہیں رکھتی، یہ بندہ مومن کا ہی دل تھا کہ جس نے ہماری معرفت کا بوجھ اٹھا لیا)۔ اور عرش کے حق میں یہ فرمایا الرحمٰن علی العرش استویٰ (وہ رحمٰن ہے اور عرش پر قرار پکڑا اس نے)۔ جس طرح بار استویٰ سوائے عرش کے کسی دوسرے نے نہیں اٹھایا اسی طرح معرفت کا بار مومن کے دل کے سوا کسی دوسرے نے نہیں اٹھایا تو یقیناً اس معنی کے اعتبار سے عرش ہوا۔ یہاں پر ایک اشکال کا کہ جس طرح مومن کے دل سے مومن کے اعضاء پر احکام کا ظہور ہوتا ہے اور کافروں کے دل سے کافروں کے اعضاء پر احکام کا ظہور ہوتا ہے تو ایسی صورت میں قلب مومن کی خصوصیت کیا ہوئی؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کافر کے پاس جو دل ہے وہ محض صورتاً ہے معناً نہیں ہے کیونکہ اس دل کا مقصود ہی غائب ہے یا فوت ہے۔ قلب سلیم تو بس مومن کا دل ہے اور احکام کا ظہور اس پر لازم آتا ہے جو حقیقتاً دل ہو۔ کیونکہ یوں تو اور بھی حیوانات میں دل ہیں مگر وہ دل قلب سلیم نہیں ہے۔ اسی لئے کافروں کے حق میں یہ آیت نازل

ہوئی اولئک کالانعام بل ھم اضل (یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ زیادہ گمراہ ہیں)۔

حشر کا میدان: حشر کا میدان یہی زمین ہوگی مگر اس کی صفت بدل دی جائے گی یعنی جب لوگ پل صراط پر ہوں گے تو یہ زمین چاندی کی بنادی جائے گی۔ پھر جب خلق دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور اہل بہشت، بہشت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں جاچکے ہوں گے تو پھر یہ زمین بھی ختم کردی جائے گی ایک سوال کے جواب میں کہ کیا اس دنیا میں موت دے کر پھر زندہ کردیتے ہیں؟ اس میں اشکال یہ ہے کہ ایسے فرد پر تین دفعہ موت طاری ہوگی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ ہاں اس دنیا میں موت دے کر زندہ کیا جانا ثابت ہے[۲۳] حضرت عزیر علیہ السلام کو موت ہوئی اور پھر سو سال کے بعد زندہ کردیا گیا تھا۔ مگر یہ موت اجلی نہیں تھی بلکہ موت اضطراری تھی۔ اجلی موت جب آجاتی ہے تو پھر زندہ نہیں ہوتا، اس طرح اس مسئلہ کا اشکال ختم ہوجاتا ہے۔

رویت باری تعالیٰ: کیا اس دنیا میں رویت باری تعالیٰ ان دونوں آنکھوں سے ممکن ہے؟ واقعہ معراج کے حوالہ سے حضرت مخدوم جہاںؒ نے حضرت بی بی عائشہؓ اور حضرت عباسؓ اور چند دیگر صحابہ کرام کے اقوال سے بحث کرتے ہوئے اس دنیا میں حالت بیداری میں ان دونوں آنکھوں سے رویت باری تعالیٰ کو محال قرار دیا ہے[۲۴]۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس گروہ کے عام لوگوں اور ان کے بزرگوں کا خیال ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر اللہ رب العزت کو بچشم سر نہیں دیکھا اور یہ کہ اس دنیا میں بہ چشم سر کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔ چنانچہ حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ سے جو روایت ہے اس سے یہی ثابت ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ جو شخص کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا عزوجل کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا۔ اکثر لوگ اہل سنت والجماعت کے اسی بات کے قائل ہیں جیسا کہ ام المومنینؓ نے فرمایا۔ البتہ چند صحابہ مثلاً حضرت ابن عباس، حضرت اسماء، حضرت انس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کے قائل

ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کو معراج کے موقع پر بچشم سر دیکھا۔ جو حضرات اس کے قائل ہیں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ تین ہستیاں تین چیزوں کے ساتھ مخصوص ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام کے ساتھ کہ آپ نے اللہ سے کلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام خلت کے ساتھ کہ آپ کے علاوہ کسی کا لقب خلیل اللہ نہیں، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رویت باری تعالیٰ بچشم سر کہ آپ کے سوا اللہ تعالیٰ کو کسی نے بچشم سر نہیں دیکھا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ عام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ ایسی رویت اس دنیا میں ممکن نہیں مگر جو لوگ رویت کے قائل ہیں ان پر کفر وضال کا فتویٰ نہیں دے سکتے۔ بس اس خیال کو خطا سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ بہر صورت تین صحابہ اس خیال سے متفق ہیں۔

بیشک جنت میں رویت باری تعالیٰ ہوگی اور یہ جنتیوں کے لئے بڑا انعام ہوگا۔

حاصل کلام: سطور بالا میں الٰہیات کے موضوع پر جو بیان ہوا وہ سب علم کلام کے مبحث رہے ہیں اور مخدوم جہاںؒ کی مجلسوں میں ایسے علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ جس محققانہ انداز میں ان موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے وہ آپ کے تبحر علمی کا پتہ دیتے ہیں۔ یہاں پر ان موضوعات کو پیش کرنے کا مقصد ایک تو یہی ہے کہ صاحب علم حضرات کے ذوق علمی کی کچھ تسکین ہو سکے، مگر واضح مقصد یہ ہے کہ طریقہ استدلال سے ہٹ کر ان موضوعات پر صحیح عقیدہ کی ترجمانی ہو جائے اور اگر کہیں ذہنی انتشار ہو تو اس کا ازالہ ہو سکے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں ۲۵۔

''اس معاملہ میں اصل بات یہ ہے کہ ہر چیز جو حکما اور فلاسفہ کی کتابوں میں عقلیات میں مذکور ہیں وہ تین قسم کی ہیں اوّل یہ کہ وہ کتاب وسنت کے موافق ہے اس کا قبول کرنا ضروری ہے اسے رد نہیں کرنا چاہئے، دوسری قسم وہ ہے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے یہاں سوا رد کرنے کے چارہ نہیں، تیسری قسم وہ ہے کہ نہ تو قرآن وحدیث کے موافق ہے نہ مخالف کتاب وسنت کے ہے یہاں پر جس طرح رد کرنا مضر نہیں ہے قبول کرنا بھی مضر نہیں ہے۔ اس طرح کی باتیں جو

عقلیات میں حکما اور فلاسفہ نے لکھے ہیں ان کو نہ تو مطلقاً قبول کرنا چاہیئے اور نہ علی الاطلاق سب کے سب کو رد ہی کر دینا چاہیئے"۔

امام رازیؒ روح اور تن کے تعلق کی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے یہ فرماتے ہیں ۲۶:

"تو جب اس طرح آدی اجرام سفلی اور علوی میں غور و فکر کرتا ہے اور ان اجسام دنیوی اور فلکی کے اوصاف میں غور کرتا ہے تو اس کے لئے ایک خاص قاعدہ اور طریقہ ہوتا ہے۔ پھر جب چاہے کہ اس سے آگے بڑھ کر معرفت ربوبیت کی طرف رُخ کرے تو اس کے لئے واجب ہے کہ اپنے لئے ایک دوسری فطرت، مزاج اور دوسرا ہی طریقہ اور دوسری ہی عقل حاصل کرے بخلاف اس عقل کے جس عقل سے جسمانیت کی معرفت حاصل کی ہے"۔

مخدوم جہاںؒ اس بات میں یہ اضافہ فرماتے ہیں ۲۷: "تو اس سے معلوم ہوا کہ روح کی معرفت کے حصول کے لئے ایک دوسری ہی عقل اور دوسری ہی فطرت درکار ہوگی اور یہ عالم مکاشفہ ہی میں حاصل ہو سکتا ہے"۔

حضرات اولیاء اللہ ہی صاحب مکاشفہ ہیں اور اسی لئے بے شمار ایسے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں جن میں مشکل علمی مباحث کو بزرگان دین نے سہل کر دیا۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ اور امام رازی کا واقعہ تو مشہور ہی ہے، امام رازی جیسے پایہ کے عالم کی مشکلات علمی کو حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے اطمینان بخش طریقہ سے حل کر دیا۔

حوالہ جات:

۱۔ معدن المعانی، صفحہ ۱۰

۲۔ ایضاً، صفحہ ۱۱

۳۔ ایضاً، صفحہ ۱۲

۴۔ ایضاً، صفحہ ۱۲

۵۔ایضاً،صفحہ۲۹۔۳۴
۶۔ایضاً،صفحہ۳۵
۷۔ایضاً،صفحہ۳۶
۸۔ایضاً،صفحہ ۳۶
۹۔ایضاً،صفحہ۱۹
۱۰۔مکتوبات دوصدی،مترجمہ قسیم الدین احمد،صفحہ۳۴۲
۱۱۔ایضاً،صفحہ۳۴۴
۱۲۔نورمبیں،صفحہ۳۹
۱۳۔خوان پرنعمت،صفحہ۱۷۴
۱۴۔معدن المعانی،صفحہ۷۷
۱۵۔ایضاً،صفحہ۵۴۷
۱۶۔ایضاً،صفحہ۳۶۲
۱۷۔ایضاً ،صفحہ۳۶۱
۱۸۔ایضاً ،صفحہ۳۶۴
۱۹۔ایضاً،صفحہ۳۶۶
۲۰۔ایضاً ،صفحہ۳۶۶
۲۱۔ایضاً،صفحہ۳۶۷
۲۲۔ایضاً ،صفحہ۳۶۸
۲۳۔ایضاً ،صفحہ۵۴۳
۲۴۔ایضاً ،صفحہ۹۵
۲۵۔ایضاً ،صفحہ۳۶۷
۲۶۔ایضاً ،صفحہ۳۶۴
۲۷۔ایضاً،۳۶۴

ایمان، اسلام، اور شریعت

عقیدہ توحید: ایمان کی بنیاد عقیدہ توحید باری تعالیٰ ہے۔ توفیق الٰہی سے جب راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے تو توحید باری تعالیٰ پر کامل یقین ہوتا ہے اور یہ عقیدہ راسخ اور تصورات باطلہ سے منزہ جبھی ہوتا ہے جب ایمان کی روشنی رسالت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اور رسول ﷺ کا فرمان قبول کرنا ہی دین ہے[1]۔ اس کا اندازہ گزشتہ صفحات میں علم کلام اور فلسفہ سے متعلق علمی بحث سے بخوبی ہوجاتا ہے کہ عقیدہ کی صحت کا انحصار بس قرآن وسنت پر ہے ورنہ

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

حضرت مخدوم جہاںؒ نے توحید کے چار درجے بتائے ہیں[2] پہلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ تو کہا جائے مگر دل سے رسالت اور توحید حق کا انکار ہو۔ یہ منافقوں کا حال ہے اور ایسے توحید سے قیامت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ دوسرے درجہ کی دو شاخیں ہیں ایک شاخ سے متعلق گروہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور دل سے اس پر یقین رکھتا ہے اللہ کو ایک سمجھتا ہے اور اس کا کسی کو شریک نہیں گردانتا۔ یہ عقیدہ تقلید ماں باپ میں اپنایا ہوتا ہے اور اس پر ثابت قدم رہتا ہے۔ عام مسلمانوں کا تعلق اسی گروہ سے ہے۔ دوسری شاخ سے متعلق گروہ متکلمین کا ہے کہ وہ بھی زبان سے لا اللہ الا اللہ کہتے ہیں اور دل سے اس پر یقین رکھتے ہیں اور مزید یہ کہ اس کے متعلق بے شمار دلیلیں بھی رکھتے ہیں۔ عام مسلمین اور متکلمین کی توحید وہ توحید ہے کہ شرک جلی سے نجات پانا اس سے وابستہ ہے۔ سلامتی آخرت سے ملحق ہے۔ خلود دوزخ سے رہائی اور بہشت میں داخل ہونا اس کا ثمرہ ہے۔ تیسرے درجہ میں عارفوں کا گروہ شامل ہے کہ یہ موحد مومن

بہ اتباع پیر طریقت مجاہدہ وریاضت میں مشغولیت کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اس کے دل میں نور بصیرت پیدا ہوگئی ہے اور اس نور سے اس کو یہ مشاہدہ حاصل ہے کہ فاعل حقیقی بس اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور توحید کے چوتھے درجہ میں کثرت اذکار واشغال وریاضت ومجاہدہ سے سالک ترقی کر کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ بعض بعض وقت شش جہت میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا اس کو کچھ اور نظر ہی نہیں آتا۔ تجلیات صفاتی کا ظہور اس شدت سے اس کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں، اس کیفیت کو فنافی التوحید کہتے ہیں۔ درجہ چہارم میں سالکوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ کسی پر فنافی التوحید کی کیفیت ہفتہ میں ایک دو لمحہ ہوتی ہے کسی پر ہر روز سات دو ساعت ہوتی ہے۔ فنافی التوحید کا ایک اگلا مرتبہ الفناء عن الفناء ہے اس کا تعلق بھی چوتھے درجہ سے ہے۔ اس مرتبہ میں سالک کو کمال استغراق کی وجہ سے اپنی خبر بھی نہیں رہتی اور نہ اس کو یہ آگاہی رہتی ہے کہ وہ فنا ہو گیا ہے یہاں تک کہ جمالی اور جلالی تجلی کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔

حقیقت توبہ: عقیدہ توحید تو ایمان کی شرط ہے اس پر استقامت کے لئے توبہ کرنا اور توبہ کرتے رہنا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون (یعنی اے مومنو تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو شاید تمہاری بہتری ہو جائے)۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے مکتوبات صدی کے دوسرے ہی خط میں توبہ کی اہمیت کا بالتفصیل ذکر فرمایا ہے[۳]۔ آپ مندرجہ بالا آیت کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ یہ آیت صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی شان میں نازل ہوئی۔ وہ حضرات تو ہمہ تن تائب تھے۔ کفر سے سخت بیزار، ایمان سے نہایت رغبت ودلچسپی رکھنے والے، گناہ پر ان حضرات نے لات ماری ہوئی تھی اور طاعت وعبادات میں مشغول تھے، پھر بھی ان کے لئے توبہ کا حکم کیا معنی؟ ایک بزرگ نے اس کا جواب یوں فرمایا کہ توبہ ادنیٰ، اعلیٰ سب پر فرض ہے ہر آن اور ہر ساعت۔ مگر ہر محل میں توبہ کی صورت بدل جاتی ہے۔ کافر پر کفر سے توبہ کرنا اور ایمان لانا فرض ہے۔ عاصیوں پر گناہ سے توبہ کرنا اور عبادت میں مشغول ہونا فرض ہے۔ محسنوں پر فرض ہے کہ افعال حسن سے احسن کا قصد کریں۔ واقفان راہ پر

فرض ہے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہرے نہ رہ جائیں روش سالکانہ اختیار کریں۔ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود رسالت مآب ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ آپ ہر روز ستر بار استغفار کرتے ہیں (کسی روایت میں سو بار بھی آیا ہے)۔اس کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ کو ہر ساعت ترقی مقام ہوتی تھی۔ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ پر پہنچتے تھے۔مرتبہ اوّل کو مرتبہ دوم سے کمتر سمجھتے تھے اس لئے آپ استغفار کر کے صواب سے اصوب کی طرف رجوع فرماتے تھے۔یہیں سے یہ جو مشہور ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (ابرار کے حسنات مقربین کے سیئات ہیں) اس کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے۔توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے کے ہیں۔اور اس رجوع کی کیفیت کا انحصار اس پر ہے کہ آدمی کس مقام میں ہے۔عوام کی توبہ کا مقصد یہ ہے کہ گناہ جو سرزد ہو گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس پر جو عذاب کی وعید ہے اس سے اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔خاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ جس قدر نعمتیں عطا ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں اس اعتبار سے خدمت اور اطاعت نہ ہو سکی۔خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے کو صاحب طاقت وقوت کیوں سمجھا۔ہم نے اپنے کو موجود کیوں سمجھا۔عاجز ونیست کیوں نہیں سمجھا۔توبہ کے سلسلہ میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ توبہ کر کے آدمی یہ سمجھ بیٹھے کہ اس پر استقامت ہو گئی اور پھر گناہ نہیں ہوں گے۔بیشک نیت تو یہی ہونی چاہئے کہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ ہوگا۔مگر بشریت سے مغلوب ہو کر اگر پھر گناہ سرزد ہو جائے تو بددل نہ ہو بلکہ پھر صدق دل سے توبہ کرے۔عام لوگوں کا کیا کہا جائے، بزرگان دین سے بھی توبہ کے بعد پھر گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔حضرت مخدوم جہاںؒ ایک بزرگ کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد وہ پھر معصیت میں گرفتار ہو گئے۔نہایت نادم ہوئے اور دل میں خیال آیا کہ اب اگر ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں تو نہ جانے کیا عتاب ہوگا۔اس خیال میں تھے کہ ہاتف نے آواز دی اور اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا کہ تو نے میری اطاعت کی میں نے تجھے اس کا اچھا بدلہ دیا۔پھر بے وفائی تو نے کی اور مجھ کو چھوڑ دیا۔میں نے تجھ کو مہلت دی۔اب اگر تیرے جی میں ہے کہ رجوع کرے تو تجھے میں صلح کے ساتھ قبول کر لوں گا۔

اب سوال یہ ہے کہ طاعت وگناہ کا معیار کیا ہے؟ جواب تو واضح ہے کہ جیسا حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے وہی ہے اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی اسلام ہے۔مگر یہ بھی کیسے محقق ہوگا؟ یعنی

دین کے ماخذ کیا ہیں؟ یعنی اللہ کے اوامر ونواہی (شریعت) کیسے معلوم ہوں؟ جماعت سنت والجماعت کے یہاں دین کے ماخذ چار ہیں۔ یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ اصل میں تو دو ہی ہیں یعنی قرآن اور سنت، اجماع اور قیاس کی دلیل بھی انہی دو اصل ماخذ سے قائم ہے۔ قرآن وسنت سے علم دین حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے، اس سلسلہ میں حضرت مخدوم کی تعلیمات کا کچھ بیان کرنا مناسب ہوگا۔

کلام اللہ: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق یہ بھی فرمایا گیا کہ[4] ومتکلم بکلام واحد ازلی قائمہ بذاتہ لیس من جنس الحروف والاصوات (یعنی وہ اپنے ازلی واحد کلام کے ساتھ متکلم ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جو حروف وآواز کی جنس سے نہیں ہے بلکہ مضمون ہے)۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کلام خدا، خدا کی مخلوق نہیں ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے ارجع الی القرآن فی جمیع الاحکام (تمام حکموں میں قرآن کی طرف رجوع کرو) جو شیخ الشیوخ کا قول ہے کی وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ جب کوئی مسئلہ ہوتو پہلے قرآن میں تلاش کرو اس میں نہ پاؤ تو قرآن کے بتائے ہوئے اصول پر ڈھونڈو یعنی سنت میں تلاش کرو۔ اگر سنت میں نہ ملے تو حسب ہدایت سنت اجماع میں تلاش کرو۔ اور اگر اجماع میں نہ ملے تو اجتہاد کی طرف رجوع کرو بشرطیکہ مجتہد کی صفت تم میں ہو[5]۔

تفسیر قرآن بیان کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ[6] تفسیر بیان کرنے کے لئے عربی لغت، جیسا کہ وقت نزول رائج تھا، سے واقفیت اور شان نزول سے واقفیت ضروری ہے۔ حضرت عمر خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں آپ نے قرآن دیکھا، اس میں ہر آیت کے نزدیک اس کی تفسیر لکھی ہوئی تھی۔ آپ نے قینچی منگا کر اس کو کاٹ ڈالا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے قرآن شریف میں اپنی رائے کو دخل دیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔ اسی لئے صحابہ کرام ﷺ تفسیر بیان کرنے سے گریز کرتے تھے اور ان صحابہ کے پاس رجوع کرنے کے لئے کہتے تھے جنہیں صحابہ کے

درمیان علم تفسیر میں کمال حاصل تھا مثلاً ابن عباسؓ۔ ایک سوال کے جواب میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ۷ قرآن شریف لوح محفوظ کے مطابق جمع کیا گیا ہے نہ کہ ترتیب نزول کے اعتبار سے۔ جب وحی آتی تو نبی کریم ﷺ اسی وقت لوح محفوظ کی ترتیب کے مطابق اس کی کتابت کروادیتے تھے اور صحابہ اسی ترتیب سے یاد کرتے تھے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کو تفسیر میں تفسیر زاہدی بہت پسند تھی اور فرماتے تھے کہ ضروریات دین کے لئے جتنی باتیں ضروری ہیں وہ سب اس تفسیر میں موجود ہیں ۸۔ ساری ضروری چیزیں بیان کردی ہیں مگر اتنا طول بھی نہیں دیا ہے کہ طبیعت پر بوجھ پڑے۔ حضرت مخدوم نے ایک دفعہ تفسیر کبیر مطالعہ کے لئے منگوائی ایک جلد پڑھ کر یہ فرمایا کہ اس تفسیر میں بحث اندر بحث بہت ہے جس سے بیان اتنا طویل ہوجاتا ہے کہ اتنی باتوں کا یاد کرنا مشکل ہوتا ہے۔ آپ نے قاضی اردل قاضی بدرالدین کے حوالہ سے مولانا شمس الدین یحیٰ، جو اپنے وقت کے مشہور عالم اور بڑے بزرگ تھے اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کے خلیفہ تھے، کے متعلق یہ فرمایا کہ اگرچہ مولانا شمس الدینؒ کے پاس عربی زبان میں بہت سی تفسیریں تھیں مگر آپ بھی اکثر تفسیر زاہدی ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس میں جو لذت اور شیرینی ہے وہ دوسری تفسیر میں مجھے نہیں ملی۔

تفسیر زاہدی کے متعلق ایک روایت حضرت مخدوم نے یوں بیان فرمائی کہ جب یہ تفسیر تصنیف ہوگئی تو امام زاہد نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ اس مسودہ کو دریائے دجلہ میں ڈال آؤ۔ شاگردوں کو بڑا تردد ہوا کہ امام کا اتنی محنت سے تیار کردہ مسودہ تو تلف ہوجائے گا، چنانچہ اپنے پاس رکھ لیا۔ امام کے پوچھنے پر کہ آیا دریا میں ڈال دیا، شاگردوں نے کہا کہ ہاں ڈال دیا۔ آپ نے پوچھا کہ پھر کیا دیکھا۔ اب شاگردوں کے پاس جواب نہ تھا۔ پھر امام نے فرمایا کہ اب جاؤ اور ڈال آؤ۔ شاگردوں نے جب ڈالا تو دیکھا کہ پانی ہٹ گیا اور ایک صندوق نمودار ہوا جس میں یہ کتاب بند ہوگئی۔ پانی اپنی جگہ پر آگیا۔ دوسرے دن امام نے پھر بھیجا کہ جاؤ اور کتاب کو لے آؤ۔ شاگرد گئے کتابیں دریا کے کنارے پڑی تھیں۔ وہ لے آئے اور امام کو پیش کردیا۔ یہ چار جلدیں تھیں۔ ان میں جن غلطیوں کی نشاندہی حضرت خضر علیہ السلام نے کی تھیں انہیں تصحیح

کردی گئی (حضرت خضر علیہ السلام سے حضرت امام زاہد نے وعدہ لیا تھا کہ وہ غلطیوں کی نشاندہی کردینگے)۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس کتاب کی مقبولیت اور شیرینی اسی وجہ سے ہے۔ اس تفسیر کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ اس میں بہت سی تفاسیر کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں امام زاہد کا انداز بیان کچھ یوں ہوتا ہے کہ'اس آیت کی تفسیر مشکل ہے۔ مختلف لوگوں نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ ان تحریروں میں جہاں کہیں بھی اصول شریعت کے معیار پر پرکھنے سے جو غلطی واضح ہوئی ہے اس کی نشاندہی کردی گئی ہے اور غلطی کو واضح الفاظ میں غلط بتادیا گیا ہے'۔ ایسی بے شمار غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، ان میں حضرت زید اور بی بی زینب سے متعلق واقعہ طلاق بھی ہے جس میں بعض نے یہ لکھ دیا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نعوذ باللہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت زید طلاق دیدیں تاکہ آپ ﷺ حضرت بی بی زینب سے نکاح کرلیں مگر ظاہراً کہتے یہ تھے کہ طلاق مت دو۔ امام زاہد نے اس کو غلط بتایا ہے اور حقیقت واضح کردی ہے کہ از روئے شریعت یہ نبی کریم ﷺ پر اتہام ہوگا اور یہ ممکن نہیں۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بعض جگہ یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام چالیس دن تک سلطنت کے زوال میں مبتلا رہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زوجہ ایک بت لے آئی تھیں اور چالیس دنوں تک اس کی پرستش کرتی رہیں۔ امام زاہد نے کہا کہ یہ بھی غلط ہے کہ جب ہم جیسے لوگوں کے لئے کسی کافرہ بیوی کو گھر میں رکھنا جائز نہیں تو ایک نبی کے لئے کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

قرآن سے استفادہ کے طریقے: تلاوت قرآن پاک سے متعلق حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی وصیت میں مذکور ایک عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہاں نے فرمایا کہ ۹ ظاہراً سے مراد ہے کہ زبانی پڑھے، ناظراً سے مراد ہے کہ دیکھ کر پڑھے، سراً و علانیۃً سے مراد ہے کہ خلا ملا پڑھے (یعنی کبھی آہستہ اور کبھی جہراً پڑھے) بالفہم سے مراد ہے کہ معنی خوب سمجھ کر پڑھے، تدبر سے مراد یہ ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت اگر کسی آیت میں ذوق پیدا ہو، مثلاً وعدہ کی آیت سے انبساط پیدا ہو یا وعید کی آیت سے خوف وحزن پیدا ہو، تو اس آیت کی تکرار کرے۔ ایک سوال کے جواب میں کہ اگر کسی میں نہ فہم

ہو نہ تدبر ہو نہ حزن وبکا کی چوٹ دل پر لگی ہو تو ایسا آدمی قرآن پڑھے یا نہ پڑھے، حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ضرور پڑھے کیونکہ اس سے کم از کم زبان ہی ایک نیک کام میں مشغول رہے گی اور یہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

حضرت امام احمد جنبلؒ سے منقول ایک روایت کا حضرت مخدوم نے ذکر فرمایا اور وہ اس مسئلہ میں تھا کہ آیا قرآن سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے پڑھے[10] حضرت امام احمد جنبلؒ نے ایک شب اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور سوال کیا کہ کون سا عمل بہتر ہے جو تیری بارگاہ میں تقرب کا سبب ہے، ارشاد ہوا وہ میرا کلام ہے۔ امام نے سوال کیا کلام پاک کے معنی سمجھ کر پڑھنا چاہئے یا بغیر سمجھے۔ ارشاد ہوا دونوں طرح۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ روایت ہے کہ جب کوئی شخص نماز میں کھڑے ہو کر قرآن پڑھتا ہے تو ہر حرف کے بدلہ سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اگر بیٹھ کر پڑھتا ہے تو پچاس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ باوضو تلاوت کرنے میں ہر حرف پر پچیس نیکیاں اور بے وضو تلاوت کرنے پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

آداب تلاوت میں حضرت مخدوم جہاںؒ کا یہ بھی فرمانا ہے کہ اگر کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو تو برابر میں تلاوت کرنے والا آہستہ تلاوت کرے تا کہ نماز میں خلل نہ ہو۔ اگر کلام پاک کے اوراق بوسیدہ ہو جائیں تو انہیں پاک زمین میں دفن کر دینا چاہئے (یا گہرے پانی میں مثلاً تالاب، دریا، سمندر وغیرہ میں غرق کر دینا چاہیے)۔ آداب قران شریف میں یہ بھی ہے کہ قرآن شریف اگر کوئی دے تو اسے دونوں ہاتھوں سے قبول کرنا چاہئے۔

سنت نبی کریم ﷺ: قرآن کے بعد دین کا دوسرا ماخذ سنت نبی کریم ﷺ ہے اور سنت کا علم احادیث سے حاصل ہوتا ہے اور اب احادیث ہی سنت کے مترادف کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ قرآن وحی جلی ہے کہ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اور وحی خفی بغیر واسطہ حضرت جبرائیل امین نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی، اس کو حدیث کہتے ہیں[11]۔ مگر احادیث کے اصل ماخذ تو صحابہ کرام ہی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر سے امت کو باخبر کیا۔ اور یہ علم روایتاً آگے

بڑھا اور ان کو تحریری شکل میں لانے کا باقاعدہ کام دوسری اور تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا اور تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اس میں کمال پیدا ہوا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ ''حدیث کا علم ایک مشکل علم ہے قرآن کی ساری باتیں اس میں موجود ہیں جب تک ان سب کو نہیں جانے گا کسی ایک حدیث کے بھی معنی بیان نہیں کرسکتا۔ ہاں! حدیث کے معنی وہی بیان کرسکتا ہے جو قرآن کے معانی اور مطالب پر حاوی ہو۔ اگر کوئی حدیث اس کے سامنے آجائے تو اس کو قرآن سے دیکھے اگر قرآن کے موافق پائے تو قبول کرے اور اگر قرآن کی مخالف ہو تو اسے قبول نہیں کرے گا۔ جو شخص قرآن کے معنی اور تفسیر ہی کو نہیں جانتا وہ اس سے مقابلہ کیسے کرے گا''۔ روایت کے اعتبار سے حضرت مخدوم جہاںؒ نے احادیث کی تین قسمیں بتائی ہیں، متواتر، مشہور اور احاد (حضرت مخدوم جہاںؒ نے شاید استنباط احکام شریعہ کے حوالہ سے مختصراً تین قسمیں بتائی ہیں ورنہ اصول حدیث میں زیادہ وضاحت کی گئی ہے اور چار قسمیں بتائی گئی ہیں۔ متواتر، مشہور، عزیز اور غریب۔ اور مشہور، عزیز اور غریب اجمالاً احاد کہلاتے ہیں)۔ حضرت مخدوم متواتر کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ یہ وہ حدیثیں ہیں کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ سے ایک جماعت روایت کرے اور اس جماعت سے دوسرے طبقہ کی بھی جماعت روایت کرے اور مختلف مسکن اور شہروں سے یہ نقل کی جاتی رہیں۔ ایسی احادیث کا درجہ قرآن کے برابر ہے اور اپنے تمام احکام میں ان پر ایمان لایا جائے گا اور اعتقاد رکھا جائے گا۔ اس کا قبول کرنا عین ایمان ہے اور اس کا رد کفر ہے۔ حدیث مشہور بھی متواتر کی ہی طرح ہے مگر فرق یہ ہے کہ عصر اوّل میں یہ احاد ہی تھی مگر عصر ثانی، ثالث اور رابع میں روایت کے اعتبار سے یہ بھی متواتر کے درجہ میں ہوگئی۔ بہر صورت اپنی اصل میں تو یہ بھی احاد ہے اس لئے اس کا منکر کافر نہیں ہوگا۔ اس لئے ایسی احادیث ایمانیات کے لئے حجت نہیں مگر عمل کے لئے ہیں۔

فقہ: تمام امور دین میں مسائل کے استنباط کے لئے قرآن اور احادیث ہی اصل ماخذ ہیں اور پھر اجماع امت بھی۔ اگر کسی مسئلہ میں ان تینوں سے بات واضح نہ ہوسکے تو پھر قیاس کریں گے اور یہ اجتہاد ہوگا۔ اجتہاد کرنے کا حق ہر کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے زمانے کے ان نااہل لوگوں

کی اس دلیری پر تاسف کیا ہے کہ جو علم سے نابلد ہیں مگر اجتہاد کرتے ہیں [12]۔ کسی نے حضرت مخدوم جہاںؒ سے کسی صاحب کا ذکر کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ انہوں نے فتویٰ لکھا ہے کہ ریشمی سربند پہننا حرام ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا:

''ایسے لوگوں کی بات کا کیا اعتبار۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ ایسے لوگ روایت کو سمجھتے بھی ہیں جو ان کی بات کوئی قبول کرے۔ جو صاحب دین ہیں، مقتدائی اور رہبری کے لائق ہیں، اور قابل اعتماد ہیں ان کی بات قبول کرنے کی ہیں لیکن ہر شخص کی بات اعتبار کی نہیں ہوتی۔

اب تو یہ حال ہے کہ ہدایہ اور بزودی پڑھ کر مفتی بن گئے ہیں اور فتویٰ لکھنے لگے۔ اگر ایسے لوگوں سے عقیدہ اور معرفت کا کوئی مسئلہ پوچھے تو جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ نہ ان کے دین کا ٹھکانہ نہ ان کو دانشمندی حاصل پھر ایسے لوگوں کا اعتبار ہی کیا۔''

حضرت مخدوم سے سوال کیا گیا کہ کیا زمانے کے بدلنے سے فتویٰ بدلا جا سکتا ہے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ہاں بدلا جا سکتا ہے: [13]۔

وہ مسائل جن میں اجتہاد سے کام لیا جا سکتا ہے عہد اوّل میں ان کے لئے جو فتویٰ صادر ہوا وہ دوسرے تیسرے عہد والوں کے لئے مشکل بن گیا۔ ایسے فتاویٰ دوسرے اور تیسرے عہد میں بدل دیئے گئے۔ یتغیر الفتویٰ بتغیر الزماں سے یہی مراد ہے۔ اپنے استاد حضرت شرف الدین ابوتوامہؒ کے تبحر علمی کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ حضرت مولانا کو سبق پڑھانے کے وقت اگر کسی مسئلہ میں مشکل ہو جاتی تو غور وفکر میں ڈوب جاتے۔ اس وقت اپنے سربند کو کندھے پر ڈال لیتے اور ہاتھ میں لے کر اس سے شغل کرتے یہاں تک کہ وہ مشکل مسئلہ حل ہو جاتا۔ اس کے بعد یہ شغل چھوڑ کر سبق پڑھاتے۔ جو اصحاب دین ہیں قرآن وحدیث کے معانی سے واقف ہیں وہ یہ جان سکتے ہیں کہ یہ روایت کس جگہ ہے اور اس کا اطلاق کہاں ہوگا۔ اس زمانہ میں اگر مفتیوں سے حدیث پوچھیے تو یہ جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ اور اصل بات یہی ہے کہ تفسیر واحادیث پر عبور اور نظر ہونی چاہیے اس وقت وہ فتویٰ لکھ سکتا ہے۔

فتویٰ وہی ہے جو قرآن اور احادیث سے اخذ کیا گیا ہو"۔

حضرت مخدوم جہاںؒ کا مقام تو مجتہد کا تھا مگر عملاً حنفی المذہب تھے۔ فقہی احکام میں حضرت مخدوم کا قول یہ تھا کہ جہاں تک سہل کا راستہ ممکن ہو اختیار کیا جائے [14]۔ البتہ بزرگان دین کا طریقہ یہ ہے کہ مشکل راستہ اختیار کرتے ہیں تا کہ تہذیب نفس میں مدد ملے [15]۔ مختلف فقہوں میں جہاں تعارض پایا جائے اس سلسلہ میں مقلدوں کے لئے حضرت مخدوم کا مشورہ یہ ہے کہ، عبادات کے باب میں، جہاں تک ممکن ہو یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس میں سب پر عمل ہو جائے [16]۔ مثلاً اگر کسی فقہ میں وضو کے لئے چوتھائی سر کا مسح ضروری ہے اور کسی میں پورے سر کا مسح ضروری ہو تو پورے سر کا مسح کیا جائے۔ (البتہ عبادات کی حد تک تو ممکن ہے جیسا کہ تصریح کر دی گئی ہے۔ معاشرت سے متعلق مسائل میں مشکل ہو جائے گی، اس لئے ان امور میں مقلد کا اپنی فقہ پر کاربند رہنا ہی مناسب ہے)۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ مجتہد کے لئے دوسرے مجتہد کی تقلید مناسب نہیں البتہ بعض حالتوں میں مجتہدین نے ایسا کیا بھی ہے [17]۔

شریعت: اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو شریعت کہتے ہیں۔ ان کی دل سے تصدیق کرنا اور زبان سے انکا اقرار کرنا ایمان ہے۔ پیغمبروں کا وحی کی طرف لوگوں کو بلانا دعوت کہلاتا ہے اس دعوت پر سر تسلیم خم کرنا اسلام ہے [18]۔ شریعت کے اوامر ونواہی کا علم کس طرح حاصل ہوتا ہے اس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ اب ایک مسلمان ان اوامر ونواہی پر کیسے عمل کرے اور اس کو فروغ دے (یعنی دین کی دعوت دے) اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔

ائمہ مجتہدین نے احکام شریعت کا بیش بہا سرمایہ مرتب کیا۔ شریعت مطہرہ کے علم کا یہ بڑا ذریعہ ہیں، انہی سے اوامر ونواہی کا پتہ چلتا ہے۔ اور سنت نبی کریم ﷺ کا پتہ بھی اسی سے چلتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ شریعت پر مکمل کاربند تھے، سر مو انحراف نہیں فرماتے اور یہی تعلیم فرماتے تھے۔ مسائل دین میں سنت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ راہ سلوک کے چلنے والے کے لئے شریعت اور سنت پر عمل کرنا ضروری

قرار دیتے تھے۔ اس ضمن میں حضرت مخدوم کی تعلیمات کے چار پہلو سے یہاں پر کچھ گفتگو ہوگی۔ پہلا عقیدہ توحید کے سلسلہ میں شرک جلی اور شرک خفی کا فرق، دوسرا اطاعت گزاری میں عوام اور خواص کے غلط تصورات، تیسرا اتباع سنت اور چوتھا تبلیغ اوامر ونواہی کے طریقے۔

شرک جلی اور شرک خفی: آج کل بہت سے لوگ قرآنی آیات کی اپنی توجیہ کرتے ہیں۔ ہر چھوٹی بڑی بات پر شرک کا فتویٰ دے دیتے ہیں اور اس طرح عوام کے عقائد میں ایک تذبذب کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان حضرات کو شرک جلی (یعنی برملا شرک) اور شرک خفی (پوشیدہ شرک جو آیتِ قرآنی کی تاویل کر کے ثابت ہو) کا فرق بھی نہیں معلوم۔ لطف یہ ہے کہ خود میں ہزاروں صفتیں شرک خفی کی موجود ہوتی ہیں مگر وہ ان کی نظر سے اوجھل ہوتی ہیں اور دوسروں کو خوب خوب لعن طعن کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ شرک کی ان قسموں کو بہت واضح کر کے یوں بیان فرماتے ہیں[19]:

"مجلس شریف میں شرک خفی کا ذکر آ گیا۔ مولانا آدم حافظ مجلس شریف میں حاضر تھے۔ انہوں نے سورہ کہف کا آخری حصہ پڑھا، سننے کے بعد حضرت مخدوم کو زبردست گریہ تھا، مولانا آدم نے عرض کی: فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا ۔ اس آیت کی تفسیر کیا ہے، حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اہل قریش کی بت پرستی معلوم ہے۔ کعبہ شریف میں بت لا کر رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ عبادت اللہ کے لئے ہے اور اسی کی عبادت ہم کرتے ہیں مگر ہمارے یہ قبلہ حاجات بھی معبودیت میں شریک ہیں۔ اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔ نزول کا سبب یہی واقعہ ہے مگر اہل اشارت اور اہل فقہ جس طرح شرک جلی کی تردید اس سے کرتے ہیں جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے شرک خفی کی بھی تردید فرماتے ہیں۔ معنی کے اعتبار سے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں۔ شرک ظاہر (شرک جلی) وشرک خفی۔ شرک ظاہر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن کفار کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا بھی معبود ماننا افرایت من

اتخذ الهٰا ھواہ، اور شرک خفی یہ ہے کہ خدا کو بھول کر دوسروں سے ڈرنا، خدا کے ماسوا دوسرے سے امید رکھنا، یہ تفسیر اہل طریقت کے معنی کے اعتبار سے ہے، ورنہ کون آدمی ایسا ہے کہ اس کے قول اور فعل سے شرک خفی ثابت نہیں ہوتا۔ اسی لئے صوفیائے کرام جب اس قسم کی آیت پڑھتے ہیں تو سر پیٹنے لگتے ہیں، اور کیوں نہ ہو اس آیت شریف کو دیکھو کہ مطلوب و مقصود جو شے ہے یعنی لقائے باری تعالیٰ وہ دو شرطوں پر مشروط کردی گئی ہے، ایک عمل صالح، دوسرے عدم شرک۔ شرک خفی سے معناً ہم لوگ بری نہیں ہو سکتے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک معصوم ہے۔ اور عمل صالح کا حال یہ ہے کہ ریا اور عجب سے وہ بھی خالی نہیں۔ اب ہم اگر اپنے آپ کو اس لائق سمجھتے ہیں تو بجز غرور و پندار کیا کہا جا سکتا ہے، مجرد دعویٰ ہی دعویٰ ہے، ہم نیکو کار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کی خبر نہیں کہ بجائے نیکی برائی ہو رہی ہے۔ قرآن شریف گواہی دے رہا ہے وھم یحسنون انھم یحسنون صنعا۔ ایک جماعت مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے۔ ایک گروہ مومن ہونے کا مدعی ہے مگر اس کی خبر نہیں ہے کہ حقیقت حال کیا ہے۔ ایسا سمجھنا کہ ہم بھی کسی لائق ہیں اور اچھا کام کر رہے ہیں یہ پندار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس مسلمانی اور مومنی کی حقیقت اس وقت کھل جائے گی: فکشفنا عنك غطاءك فبصرك لیوم حدید۔ اس موقع پر آپ نے یہ بیت پڑھی۔

خواجہ پندارد کہ دارم حاصلے
حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

(یعنی جناب سمجھتے ہیں کہ عمل صالح کی پونجی رکھتے ہیں اور ہم بھی کچھ ہیں حالانکہ آپ کی جھولی میں سوا عجب و ریا کے کچھ بھی نہیں) اور فرمایا کہ اس شرک خفی سے کوئی خالی نہیں۔ یہ سن کر آدم حافظ نے عرض کی کہ دنیا اس شرک خفی میں مبتلا ہو تو ہو مگر حضرت مخدوم یقینی اس سے پاک ہیں، حضرت مخدوم نے تبسم فرمایا اور کہا کہ شرک خفی تو بڑی چیز ہے اے کاش شرک ظاہر سے خدا بچائے رکھے۔ اتنے مجاہدے اور ریاضتیں جو بزرگوں نے کی ہیں اور جان پر کھیلے ہیں وہ صرف

اسی لئے تا کہ شرک خفی کی پلیدی دور ہو جائے۔ اس پر بھی اگر اپنے میں نقصان پایا ہے تو بعضوں نے زنار پہن لی ہے تا کہ لوگوں کا حسن ظن جاتا رہے۔ جب اپنے خیال میں شرک باقی ہے تو اس کو ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ نفاق کی آلائش سے تو بچے رہیں''۔

مکتوبات صدی کے مکتوب چوالیس (۴۴) میں ہے:

''جو شخص سوائے خدا کے کسی اور سے ڈر گیا یا غیر خدا سے اس نے امید باندھی اگرچہ حقیقتاً وہ شرک کا مرتکب نہیں ہوا لیکن خوف اور امید کے معاملے میں وہ مشرک ہو جائے گا۔ اور دوسری صفتیں بھی اس پر قیاس کر لو۔ اور یہاں سے سمجھو کہ جس کسی نے اپنے کو عبادت کے ذریعہ واصل بحق سمجھا اور گناہوں سے الگ تھلگ جانا تو گویا اس نے وصل اور جدائی غیر خدا کے ذریعہ دیکھی۔ یہ بھی شرک ہو گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ایمان کی ڈینگ نہ ہانکے جب تک اس کی صفتیں ویسی ہی نہ ہو جائیں۔ کُلُّہٗ من الحق وبالحق وللحق والی الحق (اس کا سب خدا ہی سے ہے، خدا ہی کے ساتھ ہے، خدا ہی کے لئے ہے، اور خدا ہی کی طرف سے)''۔

مختصراً یہ کہ شرک خفی ناقض ایمان نہیں ہے، البتہ کمال ایمان میں نقص ضرور ہے۔ اور یہ باتیں کاملین کے لئے ہیں نہ کہ عوام الناس کے لئے۔ اگر عوام الناس حالت گرسنگی میں کھانا طلب نہ کریں اور بیماری میں دوا سے دفع مرض کی کوشش نہ کریں اور اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں تو گناہگار ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اسباب وعلل کی یہ دنیا بنائی ہے، وہ ہمارے ہی لئے بنائی ہے۔ ایمان یہ ضرور ہے کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اسباب کو خود بالذات حاجت روا نہ سمجھیں۔

غلط گاہ عوام وخواص: عبادت وطاعات کی ادائیگی کے سلسلہ میں بعض عوام کو اور بعض خواص کو بھی یہ مغالطہ ہو جاتا ہے کہ ان کی ضرورت نہیں۔ عوام الناس میں ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ خدائے عزوجل طاعت خلق سے بے نیاز ہے، اس کو ہمارے عمل کی حاجت نہیں۔ طاعت ومعصیف اس کی بے نیازی کی بارگاہ میں سب کے سب مساوی وبرابر ہیں، پھر خواہ مخواہ ہم اپنے کو مشقت میں کیوں ڈالیں اور

نماز روزہ کی تکلیف کیوں برداشت کریں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے ایسے خیالات فاسدہ کی سختی سے تردید فرمائی ہے[20]۔ اور یہ سمجھایا کہ ایسے خیالات کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبادات وطاعات میں، نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ ہے۔ یہ خیال فاسد اور باطل ہے، عبادات وطاعات میں تو بس بندہ کا ہی فائدہ ہے کہ اس سے نفس سرکش قابو میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرنے کا یہ سلیقہ اللہ تعالیٰ نے ہی بتا دیا اور ان کو قبولیت کی بشارت دے دی ورنہ اللہ تعالیٰ کی کن کن نعمتوں کا بندہ کس طرح شکر ادا کر سکتا تھا۔ یہ خیال کے اللہ تعالیٰ کریم ورحیم ہیں اس لئے طاعات کی ضرورت نہیں تو یہ بھی غلط فہمی پر مبنی بات ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کریم ورحیم ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے اور بھی القاب ہیں، قہار، جبار اور صمد بھی اس کے القاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے تو جس طرح بھوک کے لئے غذا، بیماری کے لئے دوا اور اس طرح دوسرے اسباب بنائے ہیں اسی طرح دین کی سعادت کے لئے بھی اسباب بنائے ہیں۔ ذرا غور کریں کہ ایمان لاکر بندہ چوری کرے، جھوٹ بولے، بدکاری کرے، اور پھر بھی یہ امید رکھے کہ اللہ رحیم وکریم ہے، وہ معاف فرما دے گا۔ یہ بڑی کج فہمی اور خطا ہے۔

اسی طرح کچھ سالکوں کو بھی شیطانی دھوکہ ہو جاتا ہے۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں[21] کہ صوفیوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ ریاضت شاقہ کر چکی ہے اور خواہشات نفسانی سے کوسوں دور ہے۔ ایک مدت تک خلوت نشینی اس کا کام رہا ہے، دل کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اسم ذات اللہ اللہ کے سوا کسی طرف رُخ نہیں کرتا۔ نگہبانی دل میں اس قدر بلیغ کوشش کی ہے کہ سوائے ذکر خداوند عزوجل کے کوئی خطرہ دل میں نہیں گزرنے پاتا۔ کشف احوال ہوا کرتے ہیں۔ اصحاب کرامت ہیں، غیب کی خبر دیتے ہیں۔ بیمار پر توجہ کرتے ہیں تو شفا ہو جاتی ہے۔ دشمن پر نظر کرتے ہیں تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ ایسے کمالات کے حصول کے بعد شیطان کے ایک جال میں پھنس جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اب یہ خیال گزرتا ہے کہ مقصد طاعات تو حاصل ہو گیا۔ اب اس کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ عبادات وطاعات سے فراغت حاصل کر لیتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ ان کے اس خلل دماغ کو واضح کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عبادات وطاعات کے مقاصد صرف یہی نہیں ہیں کہ جو سالک کو حاصل ہو گئے بلکہ ان میں بیشمار حکمتیں اور فائدے ہیں اور ان میں ایک

یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری سے کسی لمحہ غافل نہ ہونا چاہئے ورنہ ایسے پندار میں مبتلا ہو جائے گا جیسا کہ ابلیس کو ہوا اور جو انکار سجدہ آدم کی وجہ بنا۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ واقعہ ابلیس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور وہ یہ کہ بندہ کیسا ہی مقرب ہو فرمانبرداری میں تقصیر نہ کرے۔ اور جیسا کہ بزرگوں کا کہنا ہے شریعت کی راہ میں چلنا عین حق طلبی ہے اور اس سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔

اتباع سنت: حضرت مخدوم جہاںؒ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں [۲۲]:

''اے بھائی! مشائخ جو لوگوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں ان کا طریقہ کار سنت اور جماعت کے اصول پر رہا ہے۔ ظاہری کاموں میں جیسے طہارت، نماز، روزہ، حج اور جن کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے ان میں شرع کے ظاہری اصول پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور سب کو ظاہری شرع پر بجالاتے ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں وسوسوں میں نہ پڑ جائیں اس لئے کہ کہتے ہیں کہ جو وسوسہ میں مبتلا ہوا وہ ہاویہ (دوزخ کے گڈھے) میں گر پڑا ایسا کہ وہاں سے باہر آنا مشکل ہے۔

گر در ے خواہی کی بکشاید ترا
وآنچہ جوئی روئے بنماید ترا
از در پیغمبر آخر زماں
ہمچو حلقہ سرگرداں یک زمان

(اگر تو چاہتا ہے کہ تجھ پر دروازہ کھول دیا جائے اور جس حسن کی تجھے تلاش ہے اس روئے انور کی تجلی تجھ پر ہو تو حضور پیغامبر آخر الزماں ﷺ کے درِ اقدس سے زنجیر کی طرح لگا رہ ایک لمحہ کے لئے بھی الگ نہ ہو۔)

روایت آتی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے برتن سے وضو کیا ہے اگر چہ شراب ان لوگوں کے یہاں حلال ہے اور ان کے گھروں کے برتن شراب سے کم ہی خالی رہے ہوں گے۔ اس کے باوجود امیر المومنین نے ظاہری حکم پر عمل کیا، یہ نہیں سوچا برتن ان

کا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں شراب رکھی گئی ہو۔اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے گزرے ہیں جو ننگے پاؤں پھرتے تھے اور اسی حال میں نماز ادا فرماتے تھے، یہ نہیں خیال کرتے تھے کہ ننگے پاؤں جارہا ہوں شاید کہ نجاست لگ گئی ہو نماز کیسے پڑھوں؟ جب کہ ظاہراً کسی طرح کی آلودگی نہ تھی تو ظاہر شریعت کے حکم کو کافی سمجھا اور اس طرح کی کافی روایتیں صحابہ، تابعین، متقدمین اور متاخرین سے منقول ہیں مکتوب میں کتنا لکھا جائے''۔

اس کے بعد حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ اصل چیز دل کی کدورت دور کرنا ہے اور خود کو بری صفتوں سے پاک کرنا ہے، یعنی ظاہر میں شریعت کی پاسداری اور باطن میں دل کی پاسداری ضروری ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ اتباع سنت پر اتنا زور دیتے تھے کہ چھوٹی چھوٹی جزیات پر بھی نظر رکھتے تھے۔آپ کے وفات نامہ میں آپ کے تجدید وضو کا واقعہ تو پچھلے صفحات میں تحریر ہو چکا ہے۔ وضو کے طریقہ کی تفصیل بتاتے ہوئے لوگوں کی بداحتیاطی کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں [۲۳]:

''پس چاہئے کہ پہلے وضو میں حضور دل کی کوشش کرے اور غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو تا کہ نماز میں حضوری حاصل ہو اور یہ جو کہا گیا الوضو انفصال یعنی غیر سے منقطع ہونا اور وہ جو کہا گیا والصلوٰۃ اتصال یہ اشارہ اس جانب ہے لی مع اللہ وقت (مجھ کو میرے رب کے ساتھ ایک خاص وقت ہے)۔ آج کل دیکھنے میں آرہا ہے کہ وضو بھی کر رہے ہیں اور لوگوں سے گفتگو بھی ہو رہی ہے۔ جس بات کا خیال رکھنا چاہئے اس کا خیال ہی نہیں رکھتے ،اور بعض لوگوں کو وضو کرتے دیکھتا ہوں اور حیران رہ جاتا ہوں، وضو کرنا اس طور پر ہے کہ جب ہاتھ پر پانی ڈالیں تو انگلیوں کے سرے پر ڈالیں اور انگلیوں سے ہوتا ہوا پانی ہاتھ پر آ کر کہنی پر گرے اور اس بیان کو اپنے دست مبارک کو دکھلا کر تعلیم فرمایا کہ اس طرح دھونا چاہئے۔اور فرمایا کہ آج کل یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ کہنی سے پانی ڈالتے ہیں اور انگلیوں کی طرف سے گراتے ہیں اور یہ منع ہے۔اور کچھ لوگ وہ ہیں کہ وضو کرانے کے لئے کہتے ہیں، پانی دوسرا ڈالتا ہے، وہ وضو کرتے ہیں، یہ بھی نہیں چاہئے۔ یہ اس لئے کہ استعانت (مدد) ہوتی ہے، ہاں مگر ایسی صورت ہو کہ کوئی

نیکی کمانے کی نیت سے آئے اور سہارا دے اور وضو کرائے تو یہاں پر منع نہیں کرنا چاہئے تا کہ اس کی یہ نیک نیت پوری ہو جائے اور چند بار زبان مبارک سے اس کلمہ کو دہرایا کہ نماز میں حضور دل وضو میں حضور دل کے بعد ہی ہے"۔

تبلیغ اوامر ونواہی: شریعت کے احکام اوامر ونواہی کو لوگوں تک پہنچانے اور ان پر کاربند ہونے اور کرانے کی ذمہ داری اور طریقہ پر حضرت مخدوم کی تفصیلی ہدایت ملفوظات میں مذکور ہیں۔ معدن المانی کے باب انچاس (۴۹) اور پچاس (۵۰) میں بالترتیب 'تذکیر وعظ' اور 'امر معروف ونہی منکر' کے سلسلہ میں بڑی تفصیل ملتی ہے[۲۴]۔

تبلیغ دین کا ایک معروف طریقہ تو وعظ ہے جس میں واعظ حضرات لوگوں کو حق کی جانب دعوت دیتے ہیں اور نصیحت فرماتے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے ذکر کی مجلسوں کو بہشت کے باغ سے تعبیر فرمایا۔ آیتِ کریمہ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنہ کی وضاحت میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اس کا مطلب لوگوں کو حق تعالیٰ کی طاعت بندگی پر آمادہ کرنا ہے اور ان کو حق تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے روکنا ہے اور بلانا ہے حکمت کے ساتھ۔ موعظت حسنہ کے لئے واعظ کے لئے لازمی ہے کہ وہ خود جو کہتا ہو اس پر عامل بھی ہو اور اس کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو۔ پھر یہ کہ واعظ سے علم اور خیر کا صدور ہو، خود واعظ کو بھلائی اور نرمی حاصل ہو اور واعظ خود سختی، ملامت، غصہ، شرمندگی اور ندامت وغیرہ سے پاک ہو کیونکہ لوگوں کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا نبیوں کی نیابت کرنا ہے۔

وعظ کے مضامین کے سلسلہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول حضرت مخدوم نے نقل فرمایا ہے۔ حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا[۲۵]: "عالم وہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور اللہ کے کرشموں کی گرفت سے بے خوف بھی نہ بنا دے، واعظوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق خوف اور امید دونوں کو اپنے وعظ میں بیان کریں جس طرح ایک معالج دوا ضرورت اور حاجت کے مطابق تجویز کرتا ہے نہ کہ اس ابلہ اور نادان معالج کی طرح جو یہ سمجھے کہ ہر دوا مریض کے لئے

ہر موقع پر مفید ہوگی''۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ امام ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کب آدمی اس لائق ہوتا ہے کہ لوگوں کے جلسے میں وعظ و نصیحت بیان کرے، فرمایا ۲۶ کہ ''جب معنی کا فہم خدا تعالیٰ کی جانب سے کرے تب ہوسکتا ہے کہ اس کے بندوں کو سمجھا سکے اور اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے معنی کا فہم نہیں کرتا ہے تو ایسے واعظ کی تقریر سے شہروں میں خرابی عام ہوگی اس لئے کہ جب اس کی باتوں میں معنی کا صدور ہوگا تو اس کی گفتگو ٹھیک جگہ پر پڑے گی اور اگر کوئی مشکل مسئلہ آجائے تو اسے حل کردے گا اور سننے والے کو نجات ملے گی اور اگر اس کی تقریر و گفتگو صرف ظاہری الفاظ پر مبنی ہوگی اور معنی سے خالی تو ایسا کلام ٹھیک جگہ پر نہیں پڑے گا اور اگر مسائل مشکلہ آجائیں گے تو اس کا حل بھی نہ کرسکے گا پس خود بھی ہلاک ہوگا اور سننے والے بھی ہلاکت میں پڑیں گے''۔

جب واعظ وعظ کرنے کی شرط سے متصف ہوتا ہے تو اس کا وعظ پر تاثیر ہوجاتا ہے اس سلسلہ کا ایک واقعہ آپ نے بیان فرمایا ۲۷ ''ایک دن ایک مذکر تذکیر کہہ رہے تھے یعنی وعظ کررہے تھے تمام سننے والے رو رہے تھے ایک فاحشہ عورت اس راہ سے گزر رہی تھی اس نے پوچھا کیا رونا دھونا ہے لوگوں نے کہا واعظ صاحب وعظ کررہے ہیں سامعین اپنے گناہوں پر گریہ وزاری کررہے ہیں۔ وہ عورت ہنسی، اس نے کہا ابھی جاکر ان تمام لوگوں کو ہنسا دیتی ہوں۔ جیسے ہی اس نے مسجد میں جھانکا اور سر داخل کیا اس کا دل پگھل گیا۔ واعظ صاحب سے اس نے کہا میں ایک گنہگار عورت ہوں میرا گناہ آسمان و زمین سے بھی بڑھا ہوا ہے اگر میں توبہ کروں تو خداوند تعالیٰ میرے گناہوں کو بخش دے گا؟ مقرر نے کہا تیرا گناہ ثعبانہ کے گناہ سے بڑا نہیں ہے اور یہ عورت خود ثعبانہ ہی تھی۔ جیسے ہی مذکر سے یہ بات سنی نہایت ہی شکستگی اس کے دل میں پیدا ہوئی اور اسی جگہ اور اسی وقت اس نے توبہ کی اور وہ زرین پوشاک جو پہنے ہوئے تھی اسی وقت اس نے فقیروں کو دے دیا پھر چالیس سال تک گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتی رہی۔ اس توبہ کے بعد کسی نے بھی اس کو بالاخانہ پر نہیں دیکھا''۔

حضرت مخدوم جہاںؒ سے سوال کیا گیا کہ اہل علم اگر کسی کو شرع کے خلاف کرتے دیکھیں تو امر

معروف ونہی منکر کس طرح کریں۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا ۲۸ کہ زور وطاقت سے پہلے برائی کو روکے یہ نہیں کر سکتا تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو کم از کم دل سے برا جانے اور یہ ادنیٰ ایمان ہے، مگر دل سے بھی برا نہ جاننے کی شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ اس شخص کو برائی سے نفرت ہو اور اس کا اظہار اس کے عمل سے بھی ہو۔ بعضوں نے یہ کہا کہ قوت سے روکنا امیر شرع کا کام ہے زبان سے روکنے کا کام علماء کا ہے اور دل سے برا جاننے کا کام عوام الناس کا ہے۔ شاید آج کے دور میں یہی طریقہ مناسب ہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا ۲۹ کہ عالم کو ایسا ہونا چاہئے کہ اوّل خود عمل کرے پھر دوسروں کو اس کا حکم دے تا کہ لم تقولون مالا تفعلون کی وعید کے تحت نہ آجائے۔ یہاں پر حضرت مخدوم نے اس سلسلہ میں دو رایوں کا ذکر کیا ہے، ایک رائے تو یہی ہے کہ دوسروں کو حکم دینے سے پہلے آدمی کا خود اس پر عامل ہونا ضروری ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ یہ شرط ضروری نہیں فروعی ہے۔ حضرت مخدوم یہ فرماتے ہیں کہ حکم دینے والے سے یہ تقاضہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ معصوم ہو کیونکہ اس شرط پر تو صحابہ بھی نہیں اترتے (صرف رسول کی ذات معصوم ہے)۔ اس سلسلہ میں حضرت انس بن مالکؓ کی ایک روایت کا ذکر فرمایا۔ ۳۰ فرمایا کہ آپؓ (انسؓ) نے حضور اکرم ﷺ سے یہ سوال کیا کہ کیا ہم لوگ امر معروف نہ کریں جب تک کہ خود عمل نہ کریں اور نہی منکر نہ کریں جب تک تمام منہیات سے خود اجتناب نہ کرلیں۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے "بلکہ تم بھلائی کا حکم دو اگر چہ تم پورے طور پر اس پر عمل پیرا نہ ہو اور ناپسند باتوں سے روکو اگر چہ تم پورے طور پر گریز نہ کرتے ہو" اسی مفہوم کی بات سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ یہ کہنا کہ امر معروف اور نہی منکر کوئی نہ کرے جب تک وہ شخص خود ارتکاب گناہ سے بچا ہوا نہ ہو، تو ایسی صورت میں تو کوئی شخص بھی امر معروف نہیں کرے گا کیونکہ گناہ سے کلیتاً تو کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ البتہ وعظ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وعظ نصیحت یافتہ ہو کیونکہ واعظ کے گناہ کی اطلاع اگر لوگوں کو ہوگئی تو وعظ کا دلوں پر اثر نہ ہوگا۔ اور بات اسی حد تک ہے یعنی ایسا وعظ آیتہ لم تقولون مالا تفعلون کے تحت ماخوذ نہیں ہوگا، ہاں ماخوذ ہوگا جب کہ جھوٹ بولے۔

تبلیغ دین (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کے سلسلہ میں حکمت سے کام لینا اشد ضروری ہے۔

اس حکمت کے کچھ تقاضے ہیں اور کچھ احتیاطی پہلو ہیں۔ تقاضے تو یہ ہیں کہ موقع محل کا اندازہ کر لینا چاہئے کہ سننے والے کا مزاج اس وقت کس کیفیت میں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انداز تبلیغ مشفقانہ ہو اور اپنی کوئی غرض وابستہ نہ ہو۔ احتیاط یہ ہے کہ تبلیغ کرنے والا کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے اور نہ اس کو کسی قسم کی خفت ہو۔ مزید یہ کہ کسی فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ ذیل میں ان کی وضاحت کی جا رہی ہے [۳۱]۔

حضرت مخدوم نے فرمایا کہ فقیہ ابواللیثؒ کی بستان میں ہے کہ امر معروف یعنی نیک کام کی ہدایت کرنے کے چند طریقے ہیں۔ اگر اپنی پختہ رائے کی بنا پر یہ جان لیں کہ اگر اس موقع پر امر معروف کرتا ہوں تو لوگ قبول کر لیں گے اور اس کے قبول کرنے سے نہیں رکیں گے تو ایسے موقع پر امر معروف واجب ہے اور اس کا ترک کرنا درست نہیں۔ اور اگر خود یہ سمجھتا ہے کہ لوگ گالیاں دیں گے اور قبول نہیں کریں گے تو ایسی صورت میں امر معروف نہ کرنا افضل ہے۔ اور اگر اس کا اندیشہ ہو کہ لوگ نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کریں گے بلکہ تشدد کریں گے یہاں تک کہ قتل کرنے کا بھی اندیشہ ہے جس کا برداشت کرنا بس میں نہ ہوگا تو بھی ترک ہی افضل ہے۔ اور اگر درمیانی صورت یہ ہے کہ گمان یہی ہے کہ لوگ قبول تو نہیں کریں گے مگر تشدد بھی نہیں کریں گے تو اختیار ہے کہ ترک کر دے مگر عزیمت یہ ہے کہ امر معروف و نہی منکر کرتا رہے۔

حضرت مخدوم نے فرمایا [۳۲] کہ مبلغ کو اوّل تو علائق کم کرنا چاہئے، دوئم لالچ کسی طرح کے دل میں نہ رکھے اور خوشامد کی کیفیت پیدا نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت مخدوم نے ایک حکایت بیان کی۔ فرمایا کہ ایک بزرگ کے پاس ایک بلی تھی۔ پڑوس میں ایک قصاب تھا جو ان کی بلی کے لئے تھوڑا چھیچھڑا روزانہ لایا کرتا تھا۔ ایک دن بزرگ نے قصاب کو کسی مناہی میں مبتلا دیکھا۔ بزرگ گھر آئے اور بلی کو گھر سے باہر کر دیا۔ اب قصاب کو خلاف شرع کام کرنے سے منع کیا۔ اس قصاب نے کہا کہ آپ کی بلی کے لئے اب کچھ نہ دیا کروں گا۔ بزرگ نے فرمایا میں نے بلی پہلے ہی باہر کر دی ہے تجھ سے ایسی کوئی طمع مجھے نہیں ہے۔ اسی لئے تجھے نصیحت کرنے آیا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ حضرت مخدوم نے فرمایا [۳۳] کہ امیر المومنین کے پاس ایک شرابی کو لایا گیا کہ اس پر حد جاری کی جائے۔ اس نشہ باز نے حضرت عمرؓ کو گالی دی۔ آپؓ کو غصہ آیا

مگر حد یعنی سزا روک دی اور فرمایا کہ اگر اس کو کوڑا لگواتا ہوں تو اس سزا میں میرا غصہ بھی شامل ہو جائے گا۔ آپؓ کا ایک دوسرا واقعہ یوں [۳۴] ہے کہ آپ کو خبر ملی کہ ایک شخص گھر میں بند ہو کر خلاف شرع کام کرتا ہے۔ آپ اس گھر پر آئے کہ نہی منکر کریں مگر دروازہ کو مقفل پایا۔ آپ دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہو گئے۔ اس گھر والے نے کہا کہ اگر میں نے خلاف شرع کام کیا تو امیر المومنین نے بھی خلاف شرع کام کیا۔ امیر المومنین نے پوچھا یہ کیسے؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے تو آپ نے تجسس کیا جبکہ حکم ہے ولا تجسسو، دوسرے یہ کہ آپ دیوار پھاند کر گھر کے اندر داخل ہوئے جبکہ حکم ہے کہ واتو البیوت من ابوابھا (اور گھر میں آؤ دروازے سے)، تیسرے یہ کہ بغیر اجازت اندر آ گئے جبکہ حکم ہے کہ اے ایمان والوتم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت نہ لے لو۔ امیر المومنین واپس لوٹ گئے اور اس سے یہ فرمایا کہ بہتر ہے کہ تو توبہ کر لے۔

نصیحت کرنے والے کے دل میں جذبہ شفقت ہونا چاہئے۔ ایک دن ایک واعظ خلیفہ مامون کو نصیحت کر رہے تھے اور لہجہ سخت استعمال کیا ہوا تھا۔ خلیفہ مامون نے فرمایا کہ ذرا نرمی سے بات کیجئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک ہم سے بدتر قوم کے درمیان ایک ایسی ہستی کو بھیجا جو سب سے اعلیٰ اور ارفع تھی اور ارشاد باری تعالیٰ ہوا فقولا لہ قولا لینا (ان سے نرمی سے بات کیجئے) [۳۵]۔ ایک بزرگ کا قصہ تذکرۃ الاولیاء کے حوالہ سے حضرت مخدوم نے بیان فرمایا [۳۶]۔ ایک بزرگ سے ایک صاحب مرید ہوئے۔ مرید ہونے کے بعد فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے بزرگ کو یہ خبر لوگوں نے پہنچا دی۔ ایک دن یہ بزرگ اپنے کچھ مریدوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ ان کی نظر اس مرید پر پڑی، مرید بھاگا، بزرگ اس کے پیچھے بھاگے یہاں تک کہ اس کو ایک بند گلی میں پالیا۔ مرید نے شرم سے اپنا منہ ایک دیوار سے لگا لیا۔ بزرگ اس کے پاس گئے اور فرمایا بیٹے سنا ہے تم فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے ہو تو سنو برے کام دوسروں کے سامنے تو نہ کیا کرو، اگر کرنا ہی ہے تو میرے مکان میں آ کر کرو۔ مرید سخت شرمندہ ہوا اور کلیتہً تائب ہو گیا۔

اوامر ونواہی سے ہی متعلق ایک اہم مسئلہ حرام اور حلال کھانے کا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے حرام سے پرہیز کے چار درجے بتائے ہیں [۳۷]:

۱۔ پہلا درجہ ورع عدل کا ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کیا جائے جن کو فقہا نے حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ دوسرا درجہ درع صلحا کا ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کیا جائے جو حرام کی طرف مائل کرتی ہوں اگر چہ فقہا نے ان کا کھانا درست قرار دیا ہو۔

۳۔ تیسرا درجہ ورع متقیان کا ہے کہ ان چیزوں سے بھی پرہیز کی جائے کہ اگر چہ فقہا نے ان کو جائز قرار دیا ہو اور ان کے حلال ہونے میں کسی قسم کا احتمال بھی نہ ہو مگر پھر بھی خوف ہو کہ حرام کی طرف راغب نہ کر دے۔

۴۔ چوتھا درجہ ورع صدیقاں کا ہے کہ اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جن کا کھانا اللہ کے لئے نہیں ہو، اگر چہ اس کھانے میں نہ حرام کا اندیشہ ہو نہ حرام کی طرف راغب کرنے کا اندیشہ ہو۔

حرام حلال کے سلسلہ میں حیلہ شرعی کا ذکر آ گیا تو حضرت مخدوم نے ارباب طریقت کے لئے اس کو مناسب نہیں بتایا۔ ایک دلچسپ حیلہ شرعی ۳۸ جو آج کے حالات میں بھی قابل توجہ ہے وہ زکوٰۃ سے متعلق ہے۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے حول حولان (پورے سال بھر کا گزرنا) شرط ہے۔ کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ گیارہ مہینہ کے بعد جس چیز پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کو ایک معمولی رقم کے عوض اپنی بیوی سے بیچ دیتے ہیں۔ اس طرح اس چیز پر زکوٰۃ واجب الادا نہیں رہتی۔ اور پھر شوہر صاحب بیوی سے کہتے ہیں کہ اتنا روپیہ نفع لے لو اور میرے ہاتھ بیچ دو۔ اس طریقہ سے وہ چیز خرید لیتے ہیں اور اس طرح سے اس چیز پر زکوٰۃ واجب الادا نہیں رہتی۔ ہر سال یہی کرتے ہیں۔ ایسے حیلہ شرعی کے متعلق حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ یہ کیسا حیلہ ہے کہ جو کام خدا کے لئے کیا جائے اس میں حیلہ بہانہ کیا جائے۔ ہاں ایسے وقت میں کہ ناچاری اور مجبوری ہو یا حرام میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ بالکل قریب ہو ایک دو عذر شرعی کریں تو ہو سکتا ہے لیکن جو کام صرف خدا کے لئے کرنا ہے اس میں کیا حیلہ اور خدا کے ساتھ کیا حیلہ۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا حیلہ مناسب نہیں ہے، ارباب طریقت کے لئے تو بالکل ہی نامناسب بلکہ ناجائز ہے۔

حیلہ شرعی کی بنیادی وجہ یقین کی کمی ہے۔ یقین ہی ایمان کی قوت ہے۔ یعنی قوت ایمان اور ضعف ایمان یقین کی قوت اور یقین کی صغف کے مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یقین کے تین درجے ۳۹ ہیں: علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین۔ علم الیقین کو یقین خبری، حق الیقین کو یقین استدلالی اور عین الیقین کو یقین

عیانی بھی کہتے ہیں۔ عین الیقین کی بنیاد یہ ہے کہ کسی چیز کا علم مشاہداتی طور پر ہو جائے تو اس چیز پر شک وشبہ نہیں رہتا اور اس پر پختہ یقین ہو جاتا ہے۔ عرفاء اور اولیاء اللہ کو عین الیقین حاصل ہوتا ہے۔ خبری اور استلالی یقین میں شبہ کی گنجائش رہتی ہے۔ طریقت کا راستہ اختیار کرنا اسی لئے مناسب ہے کہ آدمی خبری اور استدلالی یقین سے آگے بڑھ کر عینی یقین حاصل کر لیتا ہے پھر تو دینی احکام کو اس کی روح کے مطابق اختیار کرتا ہے اور حیلہ شرعی میں پناہ نہیں لیتا۔

حوالہ جات:

۱۔ خوان پر نعمت، صفحہ ۱۳۰

۲۔ مکتوبات صدی، مکتوب اوّل، صفحہ ۱۵۵

۳۔ مکتوبات صدی، مکتوب دوئم، صفحہ ۱۶۳

۴۔ راحت القلوب، صفحہ ۴۷

۵۔ معدن المعانی، صفحہ ۶۵

۶۔ ایضاً، صفحہ ۵۳ تا ۵۶

۷۔ ایضاً، صفحہ ۷۰

۸۔ خوان پر نعمت، صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۵

۹۔ معدن المعانی، صفحہ ۵۷

۱۰۔ ایضاً، صفحہ ۵۸

۱۱۔ خوان پر نعمت، صفحہ ۵۱

۱۲۔ ایضاً، صفحہ ۵۰

۱۳۔ ایضاً، صفحہ ۵۰

۱۴۔ ایضاً، صفحہ ۴۹

۱۵۔ مونس المریدین، صفحہ ۵۴

۱۶۔ خوان پر نعمت، صفحہ ۱۳۱

۱۷۔ ایضاً، صفحہ ۱۳۲

۱۸۔ ایضاً، صفحہ ۱۳۰

۱۹۔ معدن المعانی، صفحہ ۲۵

۲۰۔ مکتوبات صدی، مکتوب نمبر ۱۸، صفحہ ۲۵۳

۲۱۔ ایضاً مکتوب نمبر ۱۷، صفحہ ۲۴۷

۲۲۔ مکتوبات دوصدی، مترجم شاہ قسیم الدین، صفحہ ۴۰۸

۲۳۔ معدن المعانی، صفحہ ۱۲۵

۲۴۔ ایضاً، صفحہ ۴۶۹

۲۵۔ ایضاً، صفحہ ۴۶۹

۲۶۔ ایضاً، صفحہ ۴۷۱

۲۷۔ ایضاً، صفحہ ۴۷۶

۲۸۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۰

۲۹۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۱

۳۰۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۱

۳۱۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۲

۳۲۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۲

۳۳۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۳

۳۴۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۴

۳۵۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۴

۳۶۔ ایضاً، صفحہ ۴۸۶

۳۷۔ ایضاً، صفحہ ۴۱۷

۳۸۔ ایضاً، صفحہ ۴۱۶

۳۹۔ ایضاً، صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۴

آدابِ زندگی

ابتدائیہ: انسان ایک معاشرہ میں رہتا ہے اور زندگی لوگوں کے درمیان ہی گزرتی ہے۔ گھریلو زندگی ہو یا گھر سے باہر پڑوس، محلہ، شہر یا ملک کی معاشرتی اور معاشی زندگی، ایک انسان کو دوسروں سے واسطہ پڑتا ہی ہے، ہم مذہب اور غیر مذہب دونوں لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ معاشرتی زندگی گزارنے کے لئے ایک انسان کا دوسرے انسان اور ماحول سے طریقہ میل جول ہی کو اخلاق کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی ہی اعلیٰ اخلاق کا معیار ہے اور اہل ایمان کو اس اعلیٰ اخلاق کی پاسداری کا حکم ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے مکتوبات صدی کے مکتوب انسٹھ (۵۹) میں 'اچھے اخلاق کے بیان' کے عنوان سے حضرت نبی کریم ﷺ کے اخلاق عالیہ کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ ذیل میں اس سے اقتباس پیش کیا جارہا ہے!

''نیک اخلاق کی حقیقت احکام خداوندی کی بجاآوری اور رسول ﷺ کی پیروی کرنا ہے کیونکہ آپ کا رہن سہن اور آپ کے جملہ حرکات وافعال بہت پسند (پسندیدہ) تھے تو جو شخص آپ کی پیروی کرتا ہے اس کو لازم ہے کہ اس طرح زندگی بسر کرے جیسے حضرت ﷺ نے کی ہے تو ضروری ہے کہ اپنے اور غیر کے دور و نزدیک والوں کے ساتھ اچھے برتاؤ رکھے۔ اور لوگوں کے ساتھ بدمزاجی سے پیش نہ آئے، تاکہ مروت مٹ نہ جائے۔ اور بدخصلتی نہ کرے تاکہ خوش دلی میں فرق نہ آنے پائے۔ اور ہر وقت ہنس مکھ اور کم بولنے والا رہے۔ جس سے ملے پہلے خود سلام کرے۔ کیونکہ حضرت ﷺ کی ملاقات اصحاب کے ساتھ اگر ایک دن میں سومرتبہ بھی ہوتی تو آپ ﷺ ہر بار سب کو سلام کرتے تھے۔ اور جو کچھ اس کو میسر ہے اسی میں سخاوت کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی عمر میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ رات تک آپ کے پاس ایک درم یا ایک دینار باقی بچا ہو۔ اگر اتفاق سے کچھ رہ جاتا تو جب تک کسی کو دے نہ دیتے آپ ﷺ حجرے

میں تشریف نہ لے جاتے۔ کسی کی غیبت، گالی اور جھوٹ زبان سے نہ نکالے۔ اور اپنے کاموں میں زیادہ تکلف اور بڑھاؤ چڑھاؤ کرنے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اچھے اخلاق کی صفت بے تکلفی اور سادگی ہے۔ اپنے احوال اعمال اور گفتگو میں سچائی کے دامن کو نہ چھوڑے اور شریعت کی اتباع میں کھانا، سونا، پہننا اور بولنا کم کردے اور ہر حال میں ہمت بلند رکھے اور بخل وخست کی وجہ سے کسی لالچ کے ساتھ اپنے کو آلودہ نہ کرے اور شک وشبہ اور برباد کردینے والے خیالات سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اس کی کوشش کرتا رہے کہ ہر حال میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق کی پیروی ہو۔ اور جہاں تک ہوسکے برے اخلاق سے پرہیز کرے۔ بلکہ اسے اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دے تاکہ اس کی نسبت شیطان سے نہ ملنے پائے اور کسی وقت شیطان کی طرح بدکردار اور بدزبان نہ ہو۔ حضور ﷺ سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا جو تجھ سے کٹ جانا چاہے اس سے مل اور جو تجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کردے۔ اور جو تجھ کو کچھ نہ دے اس کو دے۔ آپ ﷺ کو خدا کا یہ فرمان تھا کہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لانے کے لئے حکمت کے ساتھ نرم الفاظ میں نصیحت فرمائیں جو بہت اچھے ہوں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تو ان سے کہا گیا فقولا لہ قولا لینا (اس سے نرم گفتگو میں باتیں کرنا)۔ حضرت انس مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس برس تک حضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت کی۔ اتنے دنوں میں کسی کام پر مجھ کو نہیں کہا کہ تو نے کیوں کیا؟ یا برا کیا۔ جب میں اچھے کام کرتا تو آپ دعا دیتے تھے اور جب کوئی کام خراب ہوجاتا تو فرماتے تھے وکان امر اللہ قدر مقدورا (اللہ کا حکم اس کی قدرت میں پوشیدہ تھا)۔ وہ کہتے تھے کہ آپ اپنے گھوڑے کا دانہ گھاس خود دیتے، اپنے ہاتھ سے کپڑے سیتے اور پیوند لگاتے، گھر کے کاموں میں خادموں کے ساتھ شریک ہوجاتے، جوتے کے بند ٹوٹ جاتے تو اپنے دست مبارک سے ٹانکتے، خود جھاڑو دیتے اور چراغ جلاتے تھے۔ اگر کسی کو آپ ﷺ کوئی کام کرنے کے لئے کہتے اور وہ اپنی حماقت اور نادانی کی وجہ سے نہ کرتا، اور دوسرے لوگ اس پر

لعن طعن کرتے اور تکلیف پہنچاتے تو آپ ﷺ گوارا نہ فرماتے اور اس کی اجازت نہیں دیتے۔
حضور ﷺ کی تمام عمر میں گالی گلوچ، طعن و تشنیع کے الفاظ زبان پر نہیں لائے۔ آپ کا چہرہ مبارک ہمیشہ ہنستا ہوا ہوتا اور اگر کوئی مسلمان آپ ﷺ کے پاس پہنچ جاتا تو آپ ہی سلام کے لئے سبقت فرماتے اور اصحاب کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھتے تھے کہ کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اجنبی کو پہچاننے میں شبہ ہوتا تھا کہ حضور ﷺ کون ہیں؟ اور صحابہ کی عزت و تکریم کی وجہ سے ان کے نام نہ لیتے بلکہ ان کی کنیت وغیرہ سے پکارتے تھے۔ اگر کسی کی کنیت نہیں ہوتی تو اس کی ایک کنیت آپ ﷺ خود رکھ دیتے تھے۔ اور اگر صحابہ میں سے یا کوئی دوسرا شخص آپ کو پکارتا تو آپ لبیک فرمایا کرتے تھے۔ اگر بچوں کی منڈلی کی طرف سے گزرتے تو ان کو سلام کرتے۔ اور مسلمانوں کا عیب ہمیشہ چھپایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک چور کو آپ ﷺ نے فرمایا اسرقت قل لا (تو نے چوری کی؟ کہہ دے نہیں)۔ بال بچوں اور غلاموں کا حق برابری کے ساتھ جس طرح شریعت میں ہے لحاظ رکھتے۔ اور دین کی تبلیغ کرنے میں کفار کی گالیاں، لعن طعن اور مار تک برداشت کرتے۔ کبھی کسی سائل کو محروم واپس نہ کرتے۔ اگر کچھ موجود ہوتا تو دیتے ورنہ فرماتے اگر خدا نے چاہا ہم دینگے۔ اپنے کام کے لئے کسی پر غصہ نہ کرتے اور دین حق کے اعلان میں خوف سستی اور تغافل نہ فرماتے تھے۔ پریشانی اور بیماری کی حالت میں اپنے دوستوں کی مدد کرتے۔ اگر کسی وقت انکو نہ دیکھتے تو ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کا غلام بیمار پڑ جاتا تو اس کی جگہ آپ خود اس کا کام انجام دیتے تھے۔ بازار سے سودا لادیتے تھے آزاد اور غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور تحفہ لے لیتے تھے، اگرچہ ایک گھونٹ دودھ ہی کیوں نہ ہوتا۔ آپ ﷺ کے یار دوست جو کھانا بھی، اگر جائز ہوتا جیسے خرگوش وغیرہ، پیش کرتے تو شوق سے کھالیتے۔ کبھی کھانے میں عیب نہ نکالتے۔ اور جو کپڑا جن کا پہننا مباح ہے جب کبھی مل جاتا تھا پہن لیتے تھے۔ کبھی کمبل، کبھی یمن کی چادر، کبھی کھدر، کبھی سفید کپڑا پہنا کرتے تھے۔ اور جو سواری مل جاتی تھی اس پر سوار ہوتے تھے۔ کبھی گھوڑا، کبھی

اونٹ، کبھی گدھا، کبھی پیدل، کبھی ننگے پاؤں، کبھی بغیر کسی چادر کے اور کبھی بغیر پگڑی اور ٹوپی کے راستہ چلتے تھے۔ جیسا موقع ہوتا۔ اور اس چٹائی پر جس پر کوئی بستر نہ ہوتا آرام فرماتے تھے۔ کوئی شخص آزاد یا غلام یا لونڈی باندیوں میں سے اپنی ضرورت کے لئے بلاتا تو کبھی ایسا نہ ہوا کہ حضور نے ان کے کاموں کو قبول نہ کیا ہو۔ اگر کوئی شخص کسی ضرورت سے آپ کے پاس آتا اور آپ نماز میں مشغول ہوتے تو آہستگی کے ساتھ جلد نماز پوری کر کے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اور اس کی ضرورت پوری کر کے پھر نماز پڑھنے لگتے۔ اور جو کوئی آپ ﷺ کے پاس آتا تھا اس کی تعظیم فرماتے تھے۔ اور اس کے بیٹھنے کو اپنی چادر بچھا دیتے تھے۔ اور اپنا تکیہ اس کو دے دیتے تھے۔ اگر وہ آپ کے آداب واحترام کا لحاظ کر کے انکار کرتا تو آپ اس کو قسمیں دیتے اور لے لینے پر مجبور کرتے۔ حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے لئے آپ سواری بن جاتے اور وہ دونوں لاڈلے آپ ﷺ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے اور کہتے اے گھوڑے ادھر آ، ادھر جا۔ جس جس طرح وہ کہتے ویسا ہی کرتے تھے۔ ان سب باتوں کی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ نے کی ہے، اور حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس طرح کے اخلاق آپ ﷺ میں تھے جو بیان کئے گئے اور اسی طرح کے بے شمار اخلاق آپ ﷺ سے مروی ہیں"۔

یہی وہ اخلاق ہیں جو علم والوں نے طریقت کے راستہ میں اختیار کئے ہیں۔ ہر حالت میں یہ لوگ شریعت کی پیروی کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اپنے اخلاق کو سنت نبوی ﷺ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ پچھلے صفحات میں بعنوان ذات ستودہ صفات، حضرت مخدوم جہاںؒ کے اتباع سنت کے کچھ گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جس سے آپ کا کمال شغف پاسداری سنت مطہرہ واضح ہوتا ہے۔ یہاں پر روزمرہ کی معاشرتی زندگی کے چند مزید گوشوں پر گفتگو ہوگی بشمول ان مباح باتوں کے جو امتداد زمانہ سے اور دوسری قوموں کے اختلاط سے روزمرہ کی زندگی میں راہ پا جاتے ہیں جن کو اباحت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور ان کے حسن وقبح کے پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے علمائے دین اختیار کرنے یا نہ کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ امتداد زمانہ سے پیدا ہونے والی صورت سے زندگی کے تمام گوشے متاثر ہوتے ہیں مثلاً اشیائے خوردونوش، لباس، گھر، سواری،

روزگار، کاروبار وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جب دوسری قوموں سے اختلاط ہوتا ہے تو کچھ لوگ جو حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں وہ اپنے پرانے رسم ورواج بھی ساتھ لاتے ہیں اور علمائے دین ان کو مطلقاً رد نہیں کرتے بلکہ استحباب کا پہلو نکال کر اس کو اس حد تک قبول کر لیتے ہیں جن میں دین کے اصول سے اعراض نہیں ہوتا۔ اسی لئے حضرت مخدوم جہاںؒ کے زمانہ کے معاشرہ میں رائج بہت سے روزمرہ کے امور میں حضرت مخدوم جہاںؒ سے استفسار ہوتا تھا اور آپ اظہار خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بھی آپ کے عمل یا قول کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس زمانہ کی معاشرتی زندگی میں آپ کی رہنمائی کا انداز کیا تھا۔

اذان بوقتِ ولادت: ایک عزیز نے سوال کیا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان (بنگ صلواۃ، جسے عام طور پر کہتے ہیں) دیتے ہیں اس کی اصل کیا ہے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ سنت ہے[۲]۔ طریقہ یہ ہے کہ ایک کان میں تکبیر کہیں اور دوسرے کان میں اذان کہیں (داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت یعنی تکبیر کہیں) تاکہ دیو اور اجنا اسے نہ ڈرائیں۔ روایت ہے کہ چھوٹے بچے جو روتے ہیں وہ اسی سبب سے روتے ہیں کہ دیو انہیں ڈراتے ہیں اور فرمایا کہ دیو یعنی شیاطین اجنا عالم میں اتنے زیادہ ہیں کہ جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا اگر فرشتے آدمیوں کی حفاظت نہ کریں تو ایک ہی دن میں سب کو ختم کر دیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ہر شخص پر ننانوے فرشتے مقرر ہیں، آنکھ پر، ناک اور اسی طرح پورے بدن پر۔

بچوں کی مکتب[۳]: ایک مجلس میں قاضی اشرف الدین اپنے خواہرزادہ (بھانجے) کو بھی ساتھ لائے۔ عرض کی کہ آج ان کی مکتب کا دن ہے اور دلی خواہش یہ ہے کہ حضور کے سامنے یہ لکھے وہ اس طرح کہ حضور اپنے دست مبارک سے اس تختی پر لکھ دیں اس کو دیکھ کر یہ لکھے۔ حضرت مخدوم نے یہ درخواست قبول فرمائی اور اپنے دست مبارک سے یہ چار حروف آپ نے لکھا۔ ا، ب، ت، ث۔ اس کے بعد اس بچہ کو

ان چار حرفوں کی تعلیم اس طرح فرمائی کے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھایا۔ اس نے پڑھا، پھر چاروں حروف پڑھائے جس طرح آپ نے پڑھایا بچہ نے اسی طرح پڑھا۔ اس کے بعد کہا الحمدللہ پھر یہ دعا دی کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ تجھ کو عالم بنائے بعد اس کے فرمایا کہ الف با تا سے آدمی کہاں سے کہاں تک پہنچتا ہے۔ اس خوشی میں اس وقت کچھ کھانا بھی لائے تھے۔ دستر خوان چنا گیا، ایک کاک، تھوڑی شیرینی، حضرت مخدوم نے اٹھایا اور اس بچہ کو کھلانا شروع کیا اور فرمایا کہ جو کام تم اپنے ہاتھ سے کرتے اس کو ہم کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ لڑکا جس وقت بسم اللہ پڑھتا ہے اس وقت تین آدمی بخشے جاتے ہیں، ماں، باپ اور معلم۔

شادی بیاہ کے رسم ورواج: حضرت مخدوم جہاںؒ سے دریافت کیا گیا کہ آج کل (دور مخدوم میں) شادی بیاہ میں جو رسم ورواج ہیں مثلاً عورتوں مردوں کا اجتماع ہوتا ہے وغیرہ کیا یہ رسم ورواج حضرت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے وقت میں بھی تھے یا نہیں؟ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا[4] یہ سب تو تھا لیکن اس طرح پر نہیں جیسا اس زمانہ میں ہے۔ اجتماع ہوتا جو کچھ موجود ہوتا وہ پیش کیا جاتا۔ کچھ دیر نشست وبرخواست ہوتی پھر فرصت ہو جاتی لیکن آج کل جس درجہ بڑھا ہوا ہے ایسا نہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو آخرت کا غم گھیرے ہوئے تھا اگر ان کے یہاں کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کی محبت کی خوشی ان پر غالب نہیں ہوتی۔ ان حضرات کو ہر لمحہ موت، قبر اور قیامت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اس زمانہ کی عورتوں کو بھی آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی تھی۔ آج کل دلوں میں آخرت کا وہ غم نہیں ہے اسی لئے شادی بیاہ کے رسوم میں تکلفات اور مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔

دنیاوی ذمہ داری کی ادائیگی: حضرت مخدوم کی تعلیمات میں دنیا تج کرنے کی بات نہیں۔ قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کی منصبی ذمہ داری میں کوتاہی سے بچنے کے لئے ہی حضرت مخدوم نے ان کی تعلیمات کے لئے ان کی استدعا پر 'مکتوبات صدی' تحریر فرمایا۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں لوگوں کی حاجت پوری کرنے کی اہمیت واضح کرنے کے لئے ایک بزرگ کا قصہ سنایا۔ فرمایا[5] ایک دفعہ ایک بزرگ

سے کسی نے کہا اس ملک کا بادشاہ شب بیداری کرتا ہے اور رات بھر نفل نمازیں پڑھا کرتا ہے۔ بزرگ نے فرمایا بیچارہ نے اپنی راہ کھودی ہے اور دوسروں کے کام کی راہ اختیار کی ہے۔ اس بادشاہ کے لئے خدا تک پہنچنے کی راہ یہ ہے کہ وہ اپنی دولت اور انواع واقسام کی نعمتوں سے بھوکوں کو کھانا کھلائے ننگوں کو طرح طرح کے کپڑے پہنائے، برباد و پریشان دلوں کو شاد و آباد کرے، حاجت مندوں کی حاجت برآری کرے۔ نفل نمازوں کی مشغولی اور شب بیداری درویشوں، فقیروں کا کام ہے، ہر شخص کو اپنے مناسب کام کرنا چاہئے الغرض دنیا کے کام بھی کرنے ہیں، اس ذمہ داری کو بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے احسن طریقہ سے سرانجام دے۔

حاجت براری ۶: کسی نے حضرت مخدوم جہاںؒ سے ذکر کیا کہ آج کل خواجہ ممن ملتانی مسلمانوں کے بہت کام آتے ہیں اور ان کے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ یہ بہت اچھا کام ہے اور بہت بڑی دولت ہے۔ سیکڑوں نماز اور روزے ایک طرف اور مومن کی حاجت روائی ایک طرف۔ مسلمانوں کے کاموں کو انجام دینا اور مخلوق کے کاموں کے لئے کوشش بڑی دولت ہے۔ یہ پیغمبروں کی سنت ہے اس کے بعد حضرت مخدوم نے اپنا واقعہ سنایا کہ جب میں حجرہ قدیم میں تھا اس زمانہ میں یہاں ایک حاکم تھا جس کا سلوک لوگوں کے ساتھ بہتر نہیں تھا۔ اکثر لوگ میرے پاس آتے کہ میرا کام کرا دیجئے۔ اور میرے لئے سفارش کر دیجئے۔ میں ہر ایک کے لئے سفارش کرتا اور سفارشی خط لکھ دیتا یہاں تک کہ اس کام کے لئے لوگوں کا ہجوم اُمڈ آیا۔ کبھی کبھی بشریت کی وجہ سے میں تنگ آ جاتا۔ شیخ زادہ چشتی سلمہ اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں یہیں تھے۔ جس وقت لوگوں کا ہجوم اُمڈ آیا اتفاق سے وہ میرے پاس ہی تھے۔ جب انہوں نے دیکھا یہ کام میرے لئے مشکل ہو جاتا ہے اور میں تنگ آ جاتا ہوں تو آپ نے برداشت کرنے کا مشورہ دیا اور اس سلسلہ میں حضرت خواجہ مودود حق چشتیؒ کا ایک واقعہ سنایا کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس کو کسی آدمی سے ایک ضرورت پھنس گئی تھی اس نے بہتیرا کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوا تھا۔ حضرت خواجہ سے اپنا حال بتایا اور کہنے لگا کہ حضرت اگر اس کے پاس چلنے کی زحمت کریں تو میرا کام بن جائے گا۔ حضرت خواجہ فوراً تیار ہو گئے، مصلیٰ اٹھایا اور ساتھ ہو لئے۔ آپ کے رفقا بھی ساتھ ہو لئے۔ سفر لمبا تھا دن گزر گیا۔ بہر صورت اس

شخص کے پاس پہنچے اوراس سے سفارش کی مگراس نے نہ سنی۔آپ نے فرمایا ہم نے اپنا کام کردیا باقی اللہ کی مشیت۔حاجت مند نے کہا ٹھیک ہے واپس چلتے ہیں۔جب آپ واپس آچکے تو اس شخص کو جس سے حاجت پھنسی ہوئی تھی اس کے لوگوں نے سمجھایا کہ دیکھو حضرت نے تم کو نہ کسی سے کہلوایا نہ خط لکھا بلکہ بہ نفس نفیس خود تشریف لائے اور تم نے ان کی بات نہ سنی۔اب اس کو احساس ہوا، کہنے لگا کہ ٹھیک ہے اب پھر آئیں گے تو مان لوں گا۔حاجت مند کو خبر ہوئی، پھر حضرت خواجہ کے پاس آیا اور بتایا کہ اگر آپ پھر زحمت کریں تو کام بن جائے گا۔آپ پھر تیار ہو گئے اور اس شخص کے پاس پہنچے۔حاجت مند کی حاجت پوری ہوگئی۔مریدوں نے کہا حضرت آپ کے خود تشریف لے جانے کی کیا ضرورت تھی، آپ نے اگر خط لکھ دیا ہوتا تو کام ہو جاتا۔خواجہ نے فرمایا اس نے خط کے لئے تو نہیں کہا، چلنے کے لئے ہی کہا تھا اسی لئے چلا گیا۔اس واقعہ کو بیان کر کے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مسلمان بھائیوں کے کاموں کو انجام دینا بڑی خدمت ہے۔

عوام الناس کی تعلیم: ایک معاشرہ کی روزمرہ کی زندگی کا ترجمان تو عام اور متوسط طبقہ ہوتا ہے جس کو علوم کی دقیق نکتہ سنجیوں سے بحث نہیں ہوتی۔حضرت مخدوم جہاںؒ نے اس طبقہ کے لئے ضروری ہدایتوں کو سہل انداز میں بیان فرمایا تا کہ یہ طبقہ بھی مستفیض ہو اور معاشرہ پر مجموعی حیثیت سے اعلیٰ اخلاق کی چھاپ نظر آئے جو اسلامی معاشرہ کی پہچان بن جائے۔ان تعلیمات پر مبنی ملفوظات کا ایک بڑا مجموعہ فوائد المریدین ہے۔اس کتاب سے کچھ ماخوذ مضامین، حقوق العباد کے حوالہ سے، درج ذیل ہیں:

فرزندوں پر والدین کے حقوق ۷: ماں کا حق باپ سے بڑا ہے، ماں کے حق میں رعایت کرنی واجب ہے۔حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بہشت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ماں باپ کی خوشنودی اولاد کے لئے بڑی دولت ہے۔حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس مومن سے ماں باپ خوش ہیں اس کو جنت کی بشارت ہے اگر چہ گنہگار بھی ہو۔مگر اگر والدین خوش نہیں ہیں تو دوزخ کی وعید بھی ہے۔اگر والدین زندہ ہیں اور ان کی اولاد صبح آکر ان کی خدمت کرتی ہے تو اس کو جنت کی بشارت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔والدین کی خدمت سے اولاد کو تنگ نہیں آنا چاہئے اگر چہ والدین کافر

ہوں، ان کے لئے اسلام لانے کی دعا کرنی چاہئے۔ کسی دوسرے کے والدین کو گالی دینا منع ہے، کیونکہ یہ ایک طرح سے اپنے والدین کو گالی دینے کے برابر ہے چونکہ سننے والا بولنے والے کے والدین کو جواباً گالی دے سکتا ہے۔ ماں باپ کے حقوق میں یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھے اگر مومن ہیں، ان کی مغفرت کی دعا کرے، ان کے کئے ہوئے وعدہ کو وفا کرے، ان کی وصیتوں کو پورا کرے، اور ان کے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھے، ان کے دوستوں سے ملاقات کیا کرے، اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ والدین کی زیارت نصیب ہوگی۔ تابعین میں سے بعض نے یہ فرمایا کہ اگر کوئی دن میں پانچ دفعہ والدین کے لئے دعا کرے تو اس سے والدین کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

اگر کسی کے والدین ناخوش انتقال کر گئے ہوں تو ان کو خوش اور راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل پارسائی اختیار کرے، دوئم ماں باپ کے قرابتمندوں کے ساتھ لگا رہے، اور ان کے دوستوں کے ساتھ دوستی بجالائے، سوئم یہ کہ ان کے لئے دعا کرتا رہے اور ان کے لئے صدقہ وخیرات کرتا رہے۔

ماں باپ پر اولاد کے حقوق ۸: باپ پر بھی اولاد کے حقوق ہیں اور وہ یہ کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا اچھا سا نام رکھیں، قرآن مجید کی تعلیم دیں تاکہ مسائل ضروریہ سے اس کو آگاہی ہو، اور جب بچہ بالغ ہو تو اس کی شادی کر دیں۔

حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک صاحب آئے اور اپنے بچہ کی شکایت کی کہ یہ نافرمانی کرتا ہے۔ امیر المومنین بچہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا باپ کی نافرمانی سے ڈر کیونکہ باپ کا حق بہت بڑا ہے۔ لڑکے نے کہا کہ اے امیر المومنین کیا باپ پر بیٹے کا بھی حق ہے؟ امیر المومنین نے فرمایا کہ ہاں ہے، پہلا یہ کہ کم ذات عورت کو بیوی نہ بنائے، اولاد کو لوگوں کے سامنے برا بھلا نہ کہے، لڑکے کا اچھا نام رکھے، اور اس کو قرآن مجید کی تعلیم دلوائے۔ لڑکے نے کہا کہ امیر المومنین میری ماں ہندوستانی ہے جو چار دینار میں خریدی گئی تھی، میرا نام جُعَل (بدہیئت جھگڑالو) رکھا گیا ہے، اور مجھے قرآن مجید کی ایک آیت بھی نہیں پڑھائی گئی۔ امیر المومنین نے باپ کو کہا کہ اوّل نافرمانی تو تم نے کی ہے۔

والدین بچوں کے ساتھ بچپن میں جو برا سلوک کرتے ہیں بعد میں بچے ان کے ساتھ وہی برا سلوک کرتے ہیں۔ جب بچہ بولنے لگے تو پہلے اس سے کلمہ طیبہ کہلوایا جائے، اس کو سات بار تلقین کریں، پھر فتعال اللہ الملك الحق المبین لا الہ الا ھو رب العرش الکریم پڑھائیں پھر آیت الکرسی سکھائیں اور اس کے بعد آخر سورہ حشر ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو تا آخر سورہ یاد کرائیں۔ جب بچہ داہنے اور بائیں ہاتھ کی تمیز کرنے لگے تو داہنے ہاتھ سے اچھے کام کرنے کی عادت لگائیں۔ جب بچہ سات سال کا ہو تو نماز پڑھنے کی تاکید کریں اور جب دس سال کا ہو تو نماز کے لئے تنبیہ کریں اور اس کا بستر ہ الگ رکھیں اور تمام اولاد کے درمیان میوہ، پھل، ہدیہ اور سلوک کی بہتری اور مہربانی میں مساوات کا خیال رکھیں۔ بازار سے یا باہر سے خواہ پھل یا کوئی کھانے کی چیز لائیں تو پہلے لڑکیوں سے دینا شروع کریں اور اولاد کے لئے ہمیشہ اچھی دعا کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اولاد کے حق میں باپ کی دعا ایسی ہے جیسی پیغمبر کی دعا امت کے لئے۔ کسی وقت بھی اولاد کے لئے بددعا نہ کریں کیونکہ اگر یہ قبول ہوگئی تو اولاد کی بربادی کا سبب ہو جائے گی۔ دوسروں کی اولاد کو بھی بددعا نہ دیں کیونکہ اس کا اثر اس کی اپنی اولاد پر پلٹتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر رحمت فرماتا ہے کہ جو اپنی اولاد کی مدد اور ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ ایک بزرگ اپنی اولاد کو کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے اس خیال سے کہ اگر اس سے تعمیل نہ ہوسکی تو وہ گنہگار ہوگا اور دوزخ کا مستحق ہوگا اور مجھے یہ گوارا نہیں ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق ۹: رشتہ داروں سے رشتہ داری منقطع کرنا گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ رحمت روک لیتے ہیں اور اس شخص سے بھی جو اس کی صحبت میں رہتا ہو۔ رشتہ داروں سے سلوک و محبت قائم رکھنا واجب ہے، رشتہ داروں میں وہ لوگ شامل ہیں جن سے نکاح جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ رشتہ داروں سے برتاؤ اور سلوک کرتے رہو اگرچہ سلام کے ذریعہ ہی ہو، حدیث میں یہ بھی ہے کہ رشتہ داروں سے سلوک و محبت کرنا عمر کو دراز کرتا ہے اور تقدیر اگر بدل سکتی ہے تو دعا سے۔ روایت

ہے کہ عرفہ کی رات صحابہ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کی شب رشتہ داری ترک کرنے والے کی بخشائش نہیں یعنی ثواب نہیں۔ ایک صحابی اٹھے اور باہر گئے، تھوڑی دیر کے بعد لوٹے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہاں گئے تھے، فرمانے لگے میری خالہ مجھ سے رنجیدہ تھیں۔ آپ ﷺ نے جو فرمایا تو میں ان کے پاس گیا تھا اور ان سے اپنی صفائی کرلی۔ خالہ خوش ہوئیں اور دعا دی، میں نے بھی ان کے لئے دعا کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہت اچھا کیا۔

ترک رشتہ داری سے وہ جماعت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتی ہے جس میں ترک کرنے والا رہتا ہے، اور انسانوں کو روزی سے محروم نہیں کیا جاتا مگر ان گناہوں کی وجہ سے کہ رشتہ داروں سے ملاقات کو نہ جائے، ان پر مال صرف نہ کرے اور ان سے قطع تعلق کرلے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، بندہ کا قدم جو وہ زمین پر رکھتا ہے ان قدموں سے زیادہ افضل نہیں جو وہ فرض کی ادائیگی کے لئے اٹھاتا ہے یا پھر رشتہ داروں کی زیارت اور ملاقات کے لئے۔

پڑوسیوں کے حقوق ۱۰: حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ پڑوسی تین ہیں، ایک وہ پڑوسی جس کا ایک حق ہے اور وہ ایسا پڑوسی ہے جو غیر مسلم ہے، دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں اور وہ مسلمان غیر رشتہ دار ہے اور تیسرا وہ پڑوسی جس کے تین حق ہیں اور وہ ایسا ہمسایہ کہ جو مسلمان بھی ہے اور رشتہ دار بھی۔ اس کے تین حق یوں ہیں کہ یہ ہمسایہ بھی ہے، مسلم بھی ہے، اور رشتہ دار بھی ہے۔ حق ہمسائیگی چالیس گھر تک ہے اسی بنا پر بعض بزرگوں نے اپنے داہنی طرف چالیس گھروں پر ایثار فرمایا ہے اور بائیں طرف کے چالیس گھروں پر نفقہ فرمایا ہے۔

خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ پڑوسی کا حق یہ ہے کہ جب وہ قرض مانگیں تو ان کی مدد کی جائے، جب مدد کو پکاریں تو مدد کی جائے، بیمار ہوں تو مزاج پرسی کی جائے، اگر ان کو قوت نہ ہو اور مدد مانگیں تو سہارا دیا جائے، جب ان کو کوئی حادثہ پیش آئے تو تعزیت کی جائے، جب ان کے یہاں خوشی کا موقع ہو تو مبارکباد پیش کی جائے، جب وہ انتقال کرجائیں تو جنازہ میں شرکت کی جائے، گھر پر موجود نہ ہوں تو گھر

والوں کا خیال رکھا جائے، پکے ہوئے کھانے سے ان کو کچھ دیا جائے اور کسی طرح بھی ان کو رنج اور تکلیف نہ پہونچائی جائے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے مجھے تین چیزیں بتائیں، اوّل یہ کہ کچھ سالن پکاؤ تو اس میں تھوڑا پانی زیادہ دے دو اور ہمسایوں کو پہنچاؤ اور اگر ہمسایہ ضرورت مند ہو تو ضرور دو، دوسرا یہ کہ بادشاہ کی فرمانبرداری کرو اگرچہ عیب دار ہو، اور تیسرے یہ کہ ہمسایہ جو بھی ہو جب وہ مرے اس کے جنازہ پر آؤ اگر مسلمان ہے، اس کے لئے غم کرو اگر اچھا آدمی تھا، اور اس سے خوشدل ہو جاؤ تا کہ اللہ پاک اس کو بخش دیں۔

ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے پڑوسی کو ناحق رنج و تکلیف پہنچائی تو حق تعالیٰ بہشت کی بو اس پر حرام فرما دے گا اور اس کی جگہ دوزخ میں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمسایوں کے متعلق سوال کرینگے۔ حق ہمسائیگی یہ ہے کہ اگر وہ کوئی دیوار اٹھائے تو کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے اور اگر وہ کوئی معمولی چیز پانی یا برتن وغیرہ مانگے تو انکار نہ کرے۔

بیوی پر شوہر کے حقوق !!: حدیث شریف میں ہے کہ یقیناً ایسی عورت جو پانچوں وقت نماز پڑھتی ہو، رمضان کے روزے رکھتی ہو، اپنے خواہشات کو برے کاموں سے روکتی ہو اور شوہر کی فرمانبرداری کرتی ہو جس دروازہ سے چاہے بہشت میں داخل ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا تو عورتوں کو شوہروں کو سجدہ کرنے کا حکم ہوتا۔ بیوی پر شوہر کے حق کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیوی پر شوہر کا یہ حق ہے کہ اپنے شوہر سے باز نہ رکھے اگرچہ وہ اونٹ کے پالان پر کیوں نہ ہو، بغیر اجازت شوہر کے نفلی روزے نہ رکھے اور نہ گھر سے باہر نکلے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بیوی پر شوہر کا حق اس طرح جیسا میرا حق تم لوگوں پر، جس نے شوہر کا حق ضائع کیا اس نے خدائے عزوجل کا حق ضائع کیا۔ عورتوں کو چاہئے کہ اگر ان کا مال شوہر پر خرچ ہوا ہو تو اس کا احسان نہ جتائیں اور شوہر سے طلاق کی درخواست نہ کریں۔ فاقہ، تنگ دستی، بدحالی میں شوہر کے سامنے منہ

میلا نہ کریں، اپنی پریشانیاں، دشواریاں شوہر کے سامنے زیادہ بیان نہ کریں، شوہر کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں، محبت سے پیش آئیں، شوہر کے لئے بناؤ سنگھار کریں، شوہر سے چیخ کر نہ بولیں، اور بلا اجازت شوہر کے ماں باپ اور رشتہ داروں کے گھر نہ جائیں۔

شوہر پر بیوی کے حقوق ۱۲: شوہروں کو چاہیے کہ جو خود کھائیں وہ اپنی بیویوں کو کھلائیں، جیسا خود پہنیں ویسا پہنائیں، ان کو نہ تو ڈرائیں نہ مار پیٹ کریں، اور جب اللہ رب العزت فراخی عطا فرمائیں تو اس سے بیوی کو متنفع کریں اور ہمیشہ ان کو اچھے کاموں کی وصیت کرتے رہیں۔ حضرت ام المومنین بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب گھر میں ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ہمیں لوگوں میں ہیں۔ ام المومنین کی دلجوئی کے لئے ان کی ہی سطح پر آ کر ان کی دلبستگی کا سامان فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ فرمایا، ایک دفعہ وہ جیت گئیں اور دوسری دفعہ آپ ﷺ جیت گئے، پھر فرمایا چلو ایک دفعہ تم جیت گئیں اور ایک دفعہ ہم جیت گئے، بازی برابر ہوگئی۔ امت کے مردوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عائشہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھ کو عورتوں کے بارے میں وصیت کی ہے یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ ان کو طلاق دینا حرام ہو۔ اے عائشہ جو مرد اپنی جانب سے اپنے اہل کا حق روکتا ہے یہ سچ اور صحیح ہے کہ اللہ رب العزت بہشت کی نعمتیں اس سے قیامت کے دن روک دے گا۔ اے عائشہ جس مرد کے پاس دو بیویاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان خرچ اور خوراک اور خواب گاہ، کپڑے اور کھانے میں مساوات و عدل نہ کرے اور وہ دو نظر سے دیکھے تو اس پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت ہوتی ہے۔

غلاموں اور خدمت گاروں کے حقوق ۱۳: پیغامبر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ کے اندر فرمایا کہ لوگو اللہ رب العزت سے ڈرو، غلاموں اور محتاجوں کو اچھی طرح

رکھو۔ جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو ان کو پہناؤ اور ان کی طاقت اور بساط سے زیادہ کام کا ان کو حکم نہ دو کہ یہ لوگ بھی تمہارے طرح پیدا کیئے ہوئے بندے ہیں۔

روایت ہے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے غلام کی گوش مالی کی تھی، پشیمان ہوئے، غلام سے کہا کہ تو بھی میرا کان مل دے۔ اس نے کان نہ ملا، لیکن امیر المومنین نے اس وقت تک اس غلام کو نہیں چھوڑا جب تک کہ کان نہ ملوالیا۔

نقل ہے کہ ایک دن ابوذر غفاریؓ نے اپنے غلام کے چہرہ پر طمانچہ مارا، غلام حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور شکایت کی، پیغمبر ﷺ نے ابوذر غفاریؓ کو تنبیہ کی کہ نمازی کے منہ پر نہ مارا کرو اور فرمایا کہ جو خود کھاؤ وہ ان کو دو، جو خود پہنو ان کو پہناؤ اور اگر تم ان سے بدگمان ہو تو بیچ ڈالو (یعنی علیحدہ کردو)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو لوگ اپنے زیر دستوں (محتاجوں، کمزوروں، غلاموں) کو ستاتے ہیں اور ان کے ساتھ بھلائی نہیں کرتے وہ بہشت میں داخل نہیں ہونگے۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ ہم نے اپنے زیر دستوں، محتاجوں کے ساتھ جو گناہ کیئے ہیں اس کے لئے کتنی دفعہ توبہ کروں فرمایا روزانہ ستر بار توبہ کرو۔

اخوت بین المسلمین ۱۴: حضرت مخدوم جہاںؒ نے صحابہ کرام کی طرز زندگی کے حوالے سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں کہ صحابہ جب ایک دوسرے سے ملتے اور ایک دوسرے کا حال پوچھتے تو ان کی مراد یہ ہوتی کہ تمہارا معاملہ رب کے ساتھ کیسا ہے۔ اگر پوچھتے کہ سلامتی کے ساتھ ہو تو مراد ہوتی کہ تمہارا دین سلامت ہے؟ الغرض مقصد بس دین تھا۔ جذبہ ایثار بھی انوکھا تھا۔ ایک حکایت ہے کہ دو صحابی کی ملاقات ہوئی ایک خوب خندہ پیشانی سے ملے، دوسرے نے ذرہ برابر خندہ روئی نہیں دکھائی اور اسکی توجیہ میں نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کا ذکر کیا جس کے مطابق جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو اللہ کی سو رحمت ان پر نازل ہوتی ہے، نوے اس پر جو زیادہ خندہ پیشانی سے ملتا ہے اور دس دوسرے پر، چنانچہ میں نے چاہا کہ ساری رحمت تمہارے حصہ میں آئے۔ اسی طرح کی ایک حکایت ایک بزرگ کی بھی ہے کہ ایک دفعہ

وہ بیمار پڑے، ان کی عیادت کے لئے دوستوں نے دیر کی۔ وجہ معلوم کی تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ اُن بزرگ کے مقروض ہیں اوراس لئے شرمندہ ہیں کہ کیسے منہ دکھائیں۔ بزرگ نے فرمایا کہ ہلاک ہو وہ مال جو بھائی کو بھائی سے ملنے سے باز رکھے، اور آپ نے تمام قرض معاف کرنے کا اعلان کردیا۔ اسی طرح صحابہ مسلمان بھائی کی غیبت سے پرہیز کرتے تھے۔ جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن صحابہ کرام رسول اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے کہ یکا یک مردار کی بو آنے لگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بوان لوگوں کی ہے جولوگوں کی غیبت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے زمانے میں غیبت مردار کی بدبو سے ظاہر ہوجاتی تھی۔ البتہ بعد میں جب معاشرہ اس میں زیادہ ملوث ہوگیا تو یہ بدبو کا ہونا ختم ہوگیا۔

خوش خلقی: حضرت مخدوم جہاںؒ کی تعلیم وطرز زندگی میں خوش خلقی نمایاں نظر آتی ہے۔ زہد خشک نظرنہیں آتا۔ اگرچہ آپ کوگرسنگی پسند تھی مگر ایسا نہیں تھا کہ آپ کے حلقہ مریدان ومتوسلان وعقیدت مندوں کے لئے تواضع کا اہتمام نہیں تھا۔ ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب کے بعد آپ کے یہاں دسترخوان چنا جاتا تھا[15]۔ اسی طرح بعد نماز عید بھی آپ کے یہاں تواضع کا اہتمام ہوتا تھا۔ پھر آپ لوگوں کی دعوت بھی قبول فرماتے تھے۔

مباح رسم ورواج کو آپ جائز قرار دیتے تھے، اور زہد خشک کا انداز آپ کی تعلیم میں یا زندگی میں نظرنہیں آتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے قوت القلوب کا حوالہ (یہ کتاب عہد رسالت سے بہت قریب مرتب ہوئی اور معتبر کتاب ہے) دیا جس میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں کچھ ایسی رسمیں رائج ہوگئی ہیں جن کو اسلامی رسمیں کہتے ہیں [۱۶]۔ حضرت مخدوم سے سوال کیا گیا کہ عورتیں جو سیندور لگاتی ہیں یہ دوسری قوم کی مشابہت کے تحت گرفت میں تو نہیں آتا (حدیث من تشبة بقوم فھو منھم)۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ اگر سیندور لگانا کفر ہوتا تو کنزالمسائل میں وہ بزرگ ضرور بیان فرماتے۔ اس پر قاضی اشرف الدین نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں علماء نے بہت چھان بین کی ہے مگر کہیں سے یہ پتہ نہیں چلا کہ سیندور لگانا کافروں کے مذہب میں مخصوص ہے۔ یہاں پر حضرت مخدوم نے یہ کلیہ بتایا کہ اگر کافروں

کے مذہب میں کوئی چیز مخصوص ہو اور اس کے مشابہت میں کام کیا جائے تو کفر ہوگا ورنہ نہیں۔ اس کی وضاحت یوں کی کہ کافر کھاتے پیتے ہیں، سوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو ہمارا کھانا پینا، سونا وغیرہ تشبہ کے زمرے میں نہیں آتا۔ البتہ ابیر بازی کے سلسلہ میں حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ تشبہ کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ یہ ان کے مذہب میں آیا ہے۔

حضرت مخدوم نے مزاح کو جو درویشوں میں رائج ہے اس کی سند حضور اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کا طریقہ بتایا۔ ایک روایت ہے [17] کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں ام المومنین عائشہؓ اور سودہؓ بنت ربیعہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ حریرہ یا خربزہ کا برتن سامنے رکھا تھا۔ بی بی عائشہؓ نے بی بی سودہؓ سے فرمایا کہ حریرہ کھاؤ، بی بی سودہؓ نے انکار کیا۔ بی بی عائشہؓ نے چند دفعہ کہا مگر بی بی سودہؓ انکار کرتی رہیں۔ بی بی عائشہؓ نے فرمایا کہ کھاؤ اگر نہیں کھاؤ گی تو حریرہ تمہارے چہرہ پر مل دونگی۔ بی بی سودہؓ نے پھر بھی انکار کیا۔ اس پر بی بی عائشہؓ نے حریرہ بی بی سودہؓ کے چہرہ پر مل دیا۔ نبی کریم ﷺ اس پر ہنس پڑے۔ آپ ﷺ نے بی بی سودہؓ سے فرمایا کہ تم بھی لو اور بی بی عائشہؓ کے چہرہ پر مل دو۔ حضرت بی بی سودہؓ نے ایسا ہی کیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ پہلے سے زیادہ ہنسے۔ ٹھیک اسی موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لے آئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جلدی بھاگو اپنے چہروں کو دھو ڈالو۔ بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس پر مجھ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی جو چند دنوں تک باقی رہی یہ ہیبت حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی [18]۔ حضرت ابو بکر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ ایک دوسرے پر خربزہ کے چھلکے پھینکتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ چلو ہم دونوں پانی میں غوطہ لگاتے ہیں دیکھیں کون زیادہ دیر تک دم مارتا ہے۔

الغرض صحابہ سے مزاح ثابت ہے اور بزرگان دین اسی کی اتباع میں مزاح کرتے تھے (واضح رہے کہ طنز نہیں کرتے تھے) اور اعتدال کا لحاظ رکھتے تھے۔ مگر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ عوام الناس کا اعتدال سے تجاوز کر جانے کا احتمال رہتا ہے۔ چنانچہ عوارف میں یہ [19] مذکور ہے کہ سعید بن عاصؓ نے اپنے صاحبزادہ کو کہا کہ ہنسی مزاح میں کمی کیا کرو کیونکہ اس کی زیادتی خوبیوں کو ختم کر دیتی ہے اور اس پر دلیری حماقت اور برائی کو بڑھاتی ہے۔ اس کا بالکل ترک کرنا موانست یعنی انس و محبت رکھنے والوں کو ناخوش کرتا

ہے اور اہل محبت کو وحشت میں ڈالتا ہے۔ اسلئے ہنسی مزاح کا بالکل ترک کرنا بھی مذموم ہے اور اس میں حد سے تجاوز کرنا بھی مذموم ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ یہ بزرگوں نے کہا ہے کہ مزاح ہر شخص سے نہیں کرنا چاہئے، ہاں اس شخص سے جس سے تمہاری شناسائی ہو، آپس میں میل و محبت ہو اور اس کے اخلاق و کردار سے واقفیت ہو تو پھر درست ہے۔

تعبیر خواب ۲۰: ہر شخص خواب دیکھتا ہے اور اس کی تعبیر میں دلچسپی رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سچا خواب نبوت کا چھٹا حصہ ہے۔ خواب کی تعبیر بتانا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ تعبیر خواب بتانے میں ابن سیرینؒ کو کمال حاصل تھا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ بھی اپنے وقت کے ابن سیرین تھے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ سے لوگ اپنا خواب بیان کرتے تھے اور حضرت مخدوم اس کی تعبیر بیان فرماتے تھے۔ ملفوظات میں ایسے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ معدن المعانی میں تو ایک پورا باب خواب کی تعبیر پر موجود ہے۔ مختلف لوگوں کے خواب کی تعبیریں جو ملفوظات میں مذکور ہیں ان کا بیان تو یہاں پر کرنا ممکن نہیں، البتہ خواب کے بیان کرنے کے سلسلہ میں کچھ ہدایتیں اور تعبیر خواب کے کچھ اصول جو حضرت مخدوم نے بتائے ہیں ان کا بیان درج ذیل ہے۔

خواب دیکھنے والے کو ہر کسی سے خواب بیان نہیں کرنا چاہئے بلکہ کسی صالح اور متقی شخص کو بتانا چاہئے۔ اگر کوئی برا خواب نظر آئے تو بائیں طرف تین دفعہ تھوک دیں اور تین مرتبہ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھیں تو خواب کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ برا خواب بھی دوسرے سے بیان نہ کریں۔ کہتے ہیں کہ الفال علی ما جریٰ (جو فال کہی جاتی ہے وہ ہو جاتی ہے) کے پیش نظر اگر فال کی تعبیر اچھی کی جائے تو اچھی ہی تعبیر ہوگی۔ اسی لئے بعضوں نے کہا کہ اوّل تو ہر کسی کے سامنے خواب بیان نہ کیا جائے، مگر اگر کوئی بیان کر ہی دے تو سننے والا کہے کہ اس کی تعبیر اچھی ہے۔ ایک ہی خواب اگر دوبارہ دیکھے تو ضروری نہیں کہ تعبیر ایک ہی ہو۔ ایک عورت کا واقعہ ہے کہ اس نے ایک خواب دیکھا کہ ایک کڑی اس کے چھت کی گر کر ٹوٹ گئی ہے وہ عورت حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور

خواب بیان کیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا راہ میں تو نے خواب کسی سے بیان تو نہیں کیا؟ اس نے کہا جی نہیں، پھر حضور ﷺ نے پوچھا تیرا کوئی شخص تجھ سے جدا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا اس کا شوہر سفر میں گیا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ صحیح سلامت تیرے پاس آجائے گا۔ پھر اسی عورت نے دوبارہ یہی خواب دیکھا۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں تعبیر معلوم کرنے کے لئے چلی۔ راستہ میں صدیق اکبرؓ مل گئے۔ پوچھا کہاں جا رہی ہو، عورت نے خواب بیان کیا اور کہا اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں جا رہی ہوں۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا وہاں جانے کی ضرورت کیا ہے، تعبیر یہ ہے کہ تیرا شوہر مر جائے گا۔ عورت نے سوچا خواب وہی ہے مگر تعبیر الگ، چلیں حضور ﷺ سے ہی پوچھ لیں۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، خواب بیان کیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ راستہ میں تو نے کسی سے یہ خواب بیان تو نہیں کیا۔ عورت نے کہا کیا ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا تعبیر بتائی۔ عورت نے کہا کہ یہ بتایا کہ شوہر مر جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا الفال علی ماجری (جو فال کہی جاتی ہے وہ ہو جاتی ہے)۔ دو الگ الگ مرتبہ کے لوگ اگر ایک ہی قسم کا خواب دیکھیں تو تعبیر ایک ہی نہیں ہوتی۔ حضرت ابن سیرینؒ سے چند ایک حکایتیں ایسی مذکور ہیں کہ خواب دیکھنے والے نے کسی دوسرے کو ابن سیرین کے پاس اپنے خواب کی تعبیر کے لئے بھیجا مگر اسے ہدایت کی کہ خواب اپنی طرف سے بیان کرنا۔ حضرت ابن سیرینؒ نے فوراً کہا یہ خواب تیرا نہیں ہے، اگر ہے تو فلاں بزرگ کا ہے کہ ایسا خواب وہی دیکھ سکتے ہیں۔

خواب کی تعبیر گوئی کے چند اصول حضرت مخدوم نے بتائے ہیں۔ ایک تو ہے، تعبیر بہ فعل سائل، یعنی یہ کہ خواب بیان کرنے والے پر نظر رکھے کہ بیان کرنے کے وقت ہاتھ کی جنبش کدھر ہے۔ اگر داہنے طرف یا آسمان کی طرف ہے تو تعبیر اچھی ہے اگر بائیں طرف یا نیچے کی طرف ہوتی ہے تو تعبیر بری ہے۔ اس طرح کی تعبیر کا انحصار خواب دیکھنے والے کی حرکات پر ہے۔

دوسرا طریقہ تعبیر کرنے والے کی طرف سے ہے، مثلاً تعبیر برسمع، یعنی یہ کہ خواب بیان کرنے والا جب خواب بیان کر رہا ہو تو معبر کان لگائے رکھے کہ کیسی آواز سنائی دے رہی ہے، اگر کوئی ایسی چیز سنے جس کا سننا فال نیک و مبارک ہو جیسے اذان کی آواز یا تلاوت کلام پاک کی آواز یا ذکر خدا یا تذکرہ

انبیاء واولیاء تو ایسی صورت میں اچھی تعبیر بیان کرے اور اگر ایسی آواز سنے جس کا سننا نیک فال نہیں ہے جیسے گالی بکنے کی آواز یا رونے کی آواز تو تعبیر بری ہوگی۔ اسی طرح ’تعبیر بربصر‘ بھی ہے اور یہ بھی معبر کی جانب سے ہے یعنی خواب دیکھنے والے کے بیان کے وقت معبر غور سے دیکھے‘ اگر ایسی چیز دیکھے جس کا دیکھنا فال نیک ہو مثلاً کسی خوبصورت اور صاحب جمال پر نظر پڑے یا اسی طرح کی کوئی اور چیز دیکھے تو اس وقت تعبیر اچھی ہوگی اور اگر بری چیز دیکھے تو تعبیر بری ہوگی۔

مناسبت اور لگاؤ[۲۱]: روزمرہ کی زندگی میں ایسی باتوں کا ذکر یا مشاہدہ ہوتا ہے جس کے لئے کوئی عقلی دلیل سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کا واسطہ بھی معاشرہ میں بہت لوگوں کو پڑتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور فرماتے ہیں کہ ان کو مطلقاً رد نہیں کرنا چاہئے، اکثر ایسی باتوں کے پیچھے کوئی وجہ ہوتی ہے (وجہ سے مراد عقلی توجیہ نہیں ہے بلکہ دو چیزوں کا آپس کا تعلق جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے)۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مشہور ہے کہ ٹوٹی ہوئی کنگھی استعمال کرنے سے افلاس آتا ہے، یا ایک ہی کنگھی کو دو شخص استعمال کر رہے ہوں تو دونوں میں مفارقت پیدا ہوتی ہے۔ یا گھر میں پیاز اور لہسن کے چھلکے کے جلانے سے اور گھر کے دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھنے سے بھی نکبت آتی ہے۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ پہلے وہ بھی ان کو لائق اعتناء نہیں سمجھتے تھے، مگر بعد میں ان میں کی بعض چیزیں کہیں تحریر میں نظر آ گئیں۔ حضرت مخدوم کا ان امور کے متعلق مؤقف یہ ہے کہ وہ چیزیں جو مسلمانوں میں مشہور ہوگئی ہیں ان کو رد نہ کریں اور دوسروں کو منع نہ کریں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہو۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں[۲۲]:

’’چنانچہ میں نے خود مسلمانوں کے یہاں چند چیزیں ایسی دیکھیں جو پہلے تو مجھے مکروہ معلوم ہوئیں کہ یہ عمل کہاں سے کرتے ہیں بعد میں ان کے متعلق روایتیں مل گئیں۔ مثلاً عورتوں میں مشہور ہے کہ لہسن پیاز کے چھلکے کو گھر میں نہیں جلانا چاہئے پہلے تو مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اس کی سند کہاں سے ہے کہ نہیں جلانا چاہئے آخر جن کاموں کے کرنے سے افلاس اور غربت آتی ہے اس کے باب کو دیکھا تو وہاں یہ تحریر موجود تھی کہ لہسن پیاز کا چھلکا جلانا افلاس لاتا ہے۔ اسی طرح میں نے سنا کہ دروازہ کی چوکھٹ پر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ اس سے بھی

غربت آتی ہے تعجب ہوا کہ اس کی سند کیا ہے۔ آخرکار اسی باب میں دیکھا جس میں افلاس اور غربت کے اسباب کو بیان کیا ہے اس میں یہ موجود ہے کہ جو گھر کے دروازہ (چوکھٹ) پر بیٹھتا ہے وہ غربت کو دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح گھروں میں اور دوسری جگہوں میں سنتا تھا کہ رات کے وقت جھاڑو نہیں لگانا چاہئے یہ بھی اسی باب میں مرقوم ہے کہ جو رات کے وقت گھر میں جھاڑو لگاتا ہے وہ گھر میں غربت کو لاتا ہے"۔

اسی طرح سحر کا معاملہ ہے کہ چند قسم کے الفاظ اور طریقہ سے سحر کیا جاتا ہے اور اس کے اثرات ہوتے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ پر سحر کیا گیا تھا۔ اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے معوذتین نازل ہوئیں اور جیسا کہ روایت میں آتا ہے سحر کے عمل کے لئے جو گڑیا استعمال ہوئی تھی اس میں سات گرہیں تھیں اور ان میں سات سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں۔ جب ان گرہوں اور سوئیوں کو کھولا گیا اور معوذتین کی تلاوت کی گئی تب ہی آپ ﷺ کو کلی شفا ہوئی۔ غور طلب بات ہے کہ معوذتین کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس گڑیا کے دھاگے کی گرہیں اور سوئیاں بھی نکالی گئیں، صرف تلاوت سے ازالہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح سے بہت سے اعمال ہیں جن سے مخصوص فائدے ہوتے ہیں۔ حضرت مخدوم کے بیان کردہ ایسے دو اعمال یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلا عمل: حضرت مخدوم فرماتے ہیں [۲۳] "اس کی قدرت کے عجائبات کے سامنے اہل علم اور اہل عقل سرگرداں اور حیراں ہیں۔ چنانچہ یہ شکل نوشتہ میں آئی ہے کہ مٹی کے دو سفالی جو کوری ہو (یعنی استعمال شدہ نہ ہو) اس پر لکھا جائے اور ولادت کے وقت حاملہ کے ہاتھوں میں دیا جائے کہ دونوں آنکھوں سے اسے دیکھے پھر قدموں کے نیچے رکھ کر ذرا زور لگائے بہ آسانی ولادت ہو جائے گی☆۔

☆ تسہیل ولادت کے لئے ایک اور عمل یوں ہے کہ درج ذیل دعاء کاغذ پر لکھ کر کپڑے میں لپیٹ کر جب درد لاحق ہو تو بائیں ران پر باندھ دیں۔ ولادت ہو جائے تو تعویذ فوراً نکال لیں اور اسکو گھرے پانی میں ڈال دیں۔ اس دعاء کو گڑ پر دم کر کے بوقت ولادت کھلانے سے بھی فائدہ ہوگا۔ دعاء یہ ہے وَ اَلْقَتْ مَا فِيهَا وَ تَخَلَّتْ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ (یہ سورۃ الانشقاق کی آیۃ ۴-۵ ہے)

یہ شکل نو خانہ ہے اور حروف جمل بقاعدہ ابجد ہے جس طرف سے شمار کریں پندرہ آئے گا۔ جملہ علماء وحکماء اگر یہ چاہیں کہ معلوم کریں کہ یہ خاصیت کس سبب سے ہے اور اس کی خاصیت میں مناسبت کیا ہے تو نہیں جان سکتے اور وہ شکل یہ ہے:

مطبوع نسخہ میں

ب	ط	د
ز	ھ	ج
و	ا	ح

قلمی نسخہ میں

۲	۹	۴
۷	۵	۳
۶	۱	۸

(یہ نقش عسر ولادت کے لئے ہے اور مجرب ہے)

دوسرا عمل: حضرت مخدوم نے فرمایا[۲۴] "یہ روایت آئی ہے کہ اگر کسی کو سانپ کاٹ لے تو اس آیت کو پڑھ کر پانی پر تین دفعہ دم کر کے اس شخص کو پلا جائے اگر ایک قطرہ پانی بھی اس کے حلق میں چلا گیا تو وہ اچھا ہو جائے گا وہ آیتِ کریمہ یہ ہے: قال القہا یا موسی فالقہا فاذا ھی حیۃ تسعیٰ ٥ قال خذھا ولا تخف سنعید ھا سیر تہا الاولیٰ۔ (سورۃ طٰہٰ، آیات ۱۹ تا ۲۱)

سفر آخرت: ہر کسی کو اس کا سامنا ہے۔ قبر کی منزل کا نقشہ بڑا ہولناک ہے اور اسی لئے موت کو ہر لمحہ یاد کرنا چاہئے۔ علماء کرام اور بزرگان دین کا اس پر اتفاق ہے کہ کامیاب وہ ہے جس کا خاتمہ بخیر ہو یعنی جس کی موت ایمان پر ہو۔ حکم یہ ہے کہ مرنے والے کو کلمہ کی تلقین کریں اور اس کے سامنے آخرت کی خوش خبریوں کا ذکر کریں نہ کہ عذاب اور دشواریوں کا۔ ہر مسلمان کو اس کا غم لگا رہتا ہے کہ نکیرین سے کیسا معاملہ ہوگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگر ایمان کا معاملہ درست ہے یعنی 'ایمان اگر بہ گور بری صد کرامت است' کا معامہ ہے تو کامیابی ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ[۲۵] اہل سعادت کے حق میں ملک الموت کی نموداری دہشت وخوف کے ساتھ نہیں ہوتی، ان خوش نصیبوں کے حق میں فرشتہ کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں

کہ ان کو اس میں راحت، انس، خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ جس دن سے حضور ﷺ نے منکر نکیر کی خوفناک خبر دی ہے اور ضغطہ قبر بیان فرمایا ہے اس کے بعد مجھے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی ہے، پیغامبر ﷺ نے فرمایا اے عائشہ مومنوں کے کان میں منکر نکیر کی آواز ایسی معلوم ہوگی جیسے فرزند اپنی ماں سے کہے اے ماں میرے سر میں درد ہے پھر اس کی ماں شفقت سے اس کا سر آہستہ آہستہ دبائے۔ منکر نکیر جب مومن سے سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے، تمہارے پیغمبر کون ہیں اور تمہارا دین کیا ہے تو جب مومن ان کا صحیح جواب دے دیتا ہے تو منکر نکیر سن کر بہشت کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اپنی جگہ دیکھ لو پھر اس سے کہتے ہیں کہ سو جاؤ اس طرح جیسے ناز و نعمت کے ساتھ دلہن سوتی ہے۔ یہ تمام خوش خبریاں تو اسی کے لئے ہیں جنہیں ہر لمحہ دین کا غم لگا رہتا ہے، گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور عاقبت کی فکر رکھتے ہیں۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو زندہ ہیں وہ اپنے گزرے ہوؤں کو اگر یاد رکھتے ہیں تو یہ خود بھی فکر عاقبت کی دلیل ہے۔ چنانچہ چاہئے کہ زندہ لوگ گزرے ہوئے لوگوں کے لئے دعا کریں، دعائے مغفرت کریں، صدقہ وخیرات کریں، ایصال ثواب کریں کہ ان سے خود ان کا ہی فائدہ ہے اور جو لوگ گزر چکے ہیں ان کی مغفرت اور بلندی درجات کا یہ ذریعہ ہے۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ [26] مردہ کے لئے پہلی شب سب سے مشکل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے عزیزوں کو چاہئے کہ اس شب خوب صدقہ خیرات کریں اور دو رکعت نماز اس طریقہ سے پڑھیں کہ پہلی رکعت میں آیت الکرسی ایک بار اور دس بار سورہ تکاثر اور دس بار سورہ اخلاص اور اسی طرح دوسری رکعت میں پڑھیں اور اس نماز کا ثواب مردہ کو بخش دیں۔ عام دنوں میں ایصال ثواب کرتے رہیں، دس دفعہ سورہ اخلاص پڑھ کر بخشنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسی طرح بوقت تدفین قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے قرآنی آیت پڑھیں اور مردہ کی تلقین کے لئے اللہ تعالیٰ کی تحمید وتمجید کریں اور قرآنی آیتیں پڑھ کر ایصال ثواب کریں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ کے ملفوظات معدن المعانی کے پچپنواں (۵۵) باب اور مکتوبات صدی کے اکیسویں مکتوب کا مطالعہ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے مفید ہوگا۔

حوالہ جات:

۱۔مکتوبات صدی، مکتوب ۵۹، صفحہ ۳۸۵
۲۔معدن المعانی، صفحہ ۵۵۱
۳۔ایضاً، صفحہ ۵۹
۴۔خوان پر نعمت، صفحہ ۶۹
۵۔مکتوبات دو صدی، مترجمہ شاہ قسیم الدین، صفحہ ۳۰۹
۶۔خوان پر نعمت، صفحہ ۷۹
۷۔فوائد المریدین، صفحہ ۸۲
۸۔ایضاً، صفحہ ۸۶
۹۔ایضاً، صفحہ ۹۰
۱۰۔ایضاً، صفحہ ۹۴
۱۱۔ایضاً، صفحہ ۹۷
۱۲۔ایضاً، صفحہ ۱۰۰
۱۳۔ایضاً، صفحہ ۱۰۶
۱۴۔معدن المعانی، صفحہ ۴۴۹
۱۵۔خوان پر نعمت، صفحہ ۸۴
۱۶۔معدن المعانی، صفحہ ۴۴۹
۱۷۔ایضاً، صفحہ ۴۵۲
۱۸۔ایضاً، صفحہ ۴۵۳
۱۹۔ایضاً، صفحہ ۴۵۳
۲۰۔ایضاً، صفحہ ۴۸۷
۲۱۔ایضاً، صفحہ ۵۱۱

۲۲۔خوان پر نعمت، صفحہ ۱۷۰
۲۳۔معدن المعانی، صفحہ ۵۱۴
۲۴۔خوان پر نعمت، صفحہ ۹۷
۲۵۔معدن المعانی، صفحہ ۵۳۴
۲۶۔ایضاً، صفحہ ۵۲۶

تصوف وراہ سلوک

تصوف کی اصل: تصوف تو روح اسلام ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اس کی بنیاد آیتِ قرآنی ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون (اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں) ہے۔ اس آیت کے تحت 'احسان' روحانی ترقی کی اعلیٰ ترین منزل ہے۔ لفظ احسان کی وضاحت میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے جس کا ترجمہ ہے: احسان اس کا نام ہے کہ عبادت کرو اللہ کی اس طرح کے گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، پس اگر یہ مقام مشاہدہ حق کا تم کو حاصل نہ ہو تو پھر عبادت کرو اس طرح کہ یہ تصور رہے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ مقام احسان کے حصول کا علم تصوف ہے۔ جو شخص اس پر عامل ہے وہ سالک کہلاتا ہے، جس راہ سے چل کر جاتا ہے وہ راہ سلوک ہے اور جو طریقہ اپناتا ہے وہ طریقت ہے۔ کچھ لوگوں کو لفظ تصوف سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ اس کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ہے اس لئے یہ خارج از اسلام طریقہ ہے۔ لوگوں میں اس علم پر شک کرنے کی ایک وجہ بیشک یہ بھی رہی ہے کہ اس کے بہت سے مدعیوں نے اپنی روش سے بھی اس کو بدنام کیا ہے۔ مسلمانوں کی بدعملی سے جس طرح اسلام موردالزام نہیں قرار پاسکتا اسی طرح مدعیان تصوف کی غلط روش سے تصوف مذموم قرار نہیں پاسکتا۔ ذرا تامل کریں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فن اور علم کے لئے نام تجویز کرنا دنیائے علم کا معمول کا طریقہ ہے۔ مثلاً احادیث نبوی ﷺ سے استفادہ کرنے کے لئے اصول حدیث وضع ہوئے اور اس فن میں بے شمار اصطلاحات وضع ہوئیں مثلاً حدیث متواتر، مشہور، عزیز، غریب وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح احکام فقہ میں حرام حلال کے ماسوا واجب، مستحب، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی وغیرہ وغیرہ۔ تعلیم علم دین کے لئے درس نظامی فروغ پایا۔ یہ تمام باتیں چونکہ صرف علمی تھیں یعنی ان کا عمل سے تعلق نہیں تھا اس لئے ان اصطلاحات پر کوئی

اعتراض نہیں رہا۔ تصوف چونکہ حقیقت میں عملی علم ہے اس لئے اس کے مدعیان پر لوگوں کی ناقدانہ نظر رہتی ہے۔

بہر صورت اس علم یا طریقہ کے لئے لفظ تصوف کیوں اختیار کیا گیا اس پر بھی کچھ لوگوں نے روشنی ڈالی ہے اور ایک وجہ یہ بتائی ہے کہ اس لفظ کی اصل لفظ 'صوف' ہے جس کے معانی اون کے ہوتے ہیں، اونی لباس پہننے والا صوفی کہلایا اور اونی لباس (کملی) کا پہننا انبیاء کی روش رہی ہے اس لئے صوفی انبیاء کی روش پر چلنے والے قرار پائے۔ ایک وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ صوفی صفائے باطن میں کوشش بلیغ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو مقام اصطفا عطا فرمایا تو فرمایا: ان اللّٰہ اصطفی اٰدم یعنی بے شک اللہ نے آدم کو کمال تصفیہ عطا فرمایا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اصل تصوف پر اپنے ایک مکتوب میں ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ مگر یہ لفظ تصوف کی تحقیق کے حوالہ سے نہیں ہے، بلکہ اہل تصوف کے عمل کی جو تمثیل انبیاء کے اعمال میں پائی جاتی ہے اس بنا پر اسکے اسلامی تصور ہونے کے لئے دلیل قائم کی گئی ہے۔ حضرت مخدوم کی تحریر سے کچھ اقتباس درج ذیل ہے!۔

''سمجھو کہ تصوف کا ضابطہ اور قانون دیرینہ ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اس پر پیغمبروں اور صدیقوں کا عمل رہا ہے۔ بری عادتیں اور زمانے میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کی وجہ سے زمانے والوں کی آنکھوں میں صوفیوں کا حال برا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی پاک دامنی پر دھبے لگانے کا خاص سبب یہی ہے کہ خود صوفیوں نے اپنی روش بدل دی ہے اور خلاف اصول عادتوں میں مبتلا ہو کر تصوف کو بدنام کر دیا ہے۔ ورنہ تصوف تو دین وایمان کی جان ہے۔ اہل طریقت کے یہاں تصوف کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ صوفی ۲۔ متصوف ۳۔ متشبہ، صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی فنا کر چکا ہے اور اللہ کے ساتھ باقی ہے۔ خواہشات نفسانی کے قبضے سے باہر اور حقائق موجودات کا ماہر ہے۔ متصوف کی یہ شان ہے کہ ریاضت ومجاہدہ میں اس لئے مصروف اور سرگرم رہتا ہے کہ صوفیوں کے مراتب حاصل کر سکے اور قدم قدم ان کی راہ چل کر اپنے معاملات ان کے ساتھ درست کرنا چاہتا ہے۔ اور متشبہ کی یہ حالت ہے کہ اس میں صورۃً تو صوفیوں کے اکثر

عادات ہوں، مگر معنیٰ نہیں۔ روزہ نماز، وردو وظائف، ذکر اشغال یا کوئی عمل وہ اس غرض سے نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے ملے بلکہ ان تمام آرائشوں کا مقصد جاہ طلبی اور حظوظ نفسانی ہے۔ بدنام کنندہ نکونامے چند۔ نیک نام لوگوں کو بدنام کرنے والے ہیں۔ اس کے باوجود امید کی جاتی ہے کہ ان لوگوں میں سے ایک یہ بھی ہو جائے۔ اور ان کے سایہ دولت میں دو جہاں سے گزر جائے .... بہر صورت اگر تصوف کی ابتدا پر غور کرو گے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی پاؤ گے۔ اس عالم میں پہلے صوفی آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ نے خاک سے پیدا کیا پھر اجتباء اور اصطفاء کے مقام پر پہنچایا۔ خلافت عطا فرمائی۔ پھر صوفی بنایا۔ ان خاص معاملات کو اشارات کے طور پر سنو کہ کس طرح صوفی بنائے گئے۔ مرید کو آغاز ارادت میں چلہ کرنا پڑتا ہے۔ اوّل اوّل طائف و مکہ کے درمیان چلہ کیا۔ خمرت طِینَۃَ اٰدم بیدی اربعین صباحا۔ میں نے اپنے ہاتھ سے آدم کی مٹی کو چالیس دنوں میں خمیر کیا۔ جب یہ تجرید کا چلہ ختم ہو چکا تو حق سبحانہ اللہ نے اس میں روح عنایت کی۔ اور عقل و دانش کا چراغ اس کے دل میں روشن کر دیا۔ پھر کیا، دل سے زبان تک وہ باتیں آنے لگیں کہ منہ سے انوار و اسرار کے پھول جھڑنے لگے۔ جب آپ نے اپنا یہ رنگ دیکھا تو مستی میں جھوم گئے۔ خدا کا شکر و احسان بجالائے۔ حضرت سرکار دو عالم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے من اخلص اللہ اربعین صباحا اظھرہ اللّٰہ ینا بیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔ جس نے خلوص قلب کے ساتھ چالیس دن خدا کے لئے خاص کر دیئے اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور دل سے حکمت کے چشمے جاری فرمائے گا۔..... صوفیوں کا یہ بھی معمول ہے کہ کسی خاص جگہ پر بیٹھ کر آپس میں مل جل کر راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ صوفی صافی حضرت آدم علیہ السلام کی اس خلوت در انجمن کے لئے خانہ کعبہ کی بنیاد پڑی۔ یعنی دنیا میں پہلی خانقاہ کعبہ مکرم ہے۔ اس سے پہلے کسی خانقاہ کا وجود نہ تھا۔ خرقہ اور خانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے قائم ہوئی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں صرف ایک کمل پر اکتفا کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

خود ہمیشہ وہی ایک کمل رکھا جو پہلی ملاقات میں حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو عنایت فرمایا تھا۔طریقت میں پیر کے لئے بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مرید کو اپنا خرقہ پہنانے کے لائق بنادے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ جامہ صوف پہنا کرتے تھے........ پھر جب دور مبارک حضرت سیدنا ونبینا سلطان الاولیاء وانبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ کا آپہنچا حضور ﷺ نے اسی طرح کمل اختیار کیا۔ ملة ابیکم ابراھیم (تمہارے باپ ابراہیمؑ کا یہی طریقہ رہا اوران کی روش بھی یہی رہی) اوراسی خانقاہ کعبہ کا قصد کیا۔علاوہ اس کے خود مسجد نبوی میں ایک گوشہ معین کردیا۔اصحاب میں وہ گروہ جو سالکان راہ طریقت بعنوان خاص تھا، ان سے وہیں راز کی باتیں ہوا کرتیں۔ ....اس خاص جماعت صوفیہ کے لوگ قریب قریب ستر اشخاص تھے۔حضرت مہتر عالم ﷺ کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کسی صحابہ کی عزت وتکریم فرماتے توان کو ردائے مبارک یا اپنا پیراہن شریف عنایت فرماتے، صحابہ میں وہ شخص صوفی سمجھا جاتا تھا۔اب تم جان سکتے ہو کہ تصوف اور طریقت کی اوّل اوّل ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی اوراس کا تتمہ جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا۔

ابتدائے تصوف کا تاریخی پس منظر: جناب محمد معین الدین دردائی صاحب نے اپنی کتاب تاریخ سلسلہ فردوسیہ میں تصوف کی تاریخ کا مختصر مگر جامع جائزہ پیش کیا ہے۔یہاں اس کتاب سے تصوف کی ابتدا سے متعلق کچھ اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں تاکہ تصوف کی حقیقت اورافادیت کا قارئین کچھ ادراک کرسکیں[۲]:

حجتہ الوداع کے موقع پر سرکار دو عالم ﷺ نے جو خطبہ دیا تھا اس میں اسلامی سماج اور سیاست کے سب بنیادی اصول منضبط ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو توجہ سے سنو اور یاد رکھو ممکن ہے کہ آئندہ مجھے تم سے ملنے کا موقع نہ مل سکے۔ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور

اس مقام کی حرمت کرتے ہو اسی طرح ایک مسلمان کا خون مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام کا حساب لے گا۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی کرنا اور مہربانی سے پیش آنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ان کے حقوق کا لحاظ رکھنا۔ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا اور جو خود پہنو وہی ان کو پہنانا، ان سے کوئی خطا ہو تو درگذر کرنا یا ان کو جدا کر دینا، وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں ان پر سختی روا نہ رکھنا۔

نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ عجمی کو عربی پر، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خاک سے بنے تھے۔ تمہارے کسی بھائی کی کوئی چیز تمہارے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ رضامندی سے نہ بخش دے۔ دیکھو ناانصافی نہ کرنا۔ میں نے تمہارے درمیان ایک چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم مضبوط پکڑو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے یاد رکھو وہ قرآن ہے۔ لوگو عمل میں خلوص مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے (خاندان کا خون) ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا باطل کئے دیتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں''۔

سرکار دو عالم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین بھی اسی راستہ پر چلے اور اسی چراغ سے روشنی لی جس کو ان کے محبوب ہادی نے جلایا تھا لیکن اس کے بعد خلافت ملوکیت میں بدل گئی اور بنو امیہ حکمرانوں کے زمانہ میں سیاسی اور سماجی نظام میں نمایاں تبدیلی آگئی۔ بیت المال جو غریبوں کے لئے تھا سلاطین بنو امیہ کی ذاتی ملکیت ہوگئی، اور اس کو وہ بے دریغ اپنے عیش

وعشرت کے لئے خرچ کرنے لگے۔ مسلمان عوام کے خون اور پسینے سے ان کے عالیشان محلات اور قصر تعمیر کئے جانے لگے۔ دروازوں پر سنتریوں کا پہرہ پڑنے لگا۔ اور مظلومین کی فریاد کے درمیان حاجب حائل ہو گئے۔ اسلامی زندگی کی اجتماعیت اور سادگی قصہ ماضی بن گئی۔.........

اس تبدیلی کے نتائج بڑے افسوسناک نکلے۔ مسلمانوں کا دینی طبقہ حکومت کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کو دینی خدمت نہ سمجھنے لگا۔ بلکہ اس سے قطع تعلق کرنے میں ہی اپنی پاکیزگی اور بھلائی سمجھنے لگا۔ یہاں تک کہ پہلی ہی صدی ہجری میں حکومت اسلامی، مذہبی، مخلص اور عظیم المرتبت ہستیوں کی خدمات سے محروم ہوگئی۔ ابن الوقت اور خوشامدی امیروں سے بنوامیہ کا دربار بھر گیا۔ جن کی قابل اعتراض اور جابرانہ حکومت سے مسلمانوں کے دل ودماغ کو سخت دھکا لگا۔ جن آنکھوں نے ہادی برحق اور ان کے خلفائے راشدین کا دور خلافت دیکھا تھا وہ اس جابرانہ اور شاہانہ انداز حکومت پر خون کے آنسو رونے لگیں۔ اور جن کانوں نے اپنے پیارے نبی (روحی فداہ) کے وہ الفاظ جو انہوں نے معاذ بن جبل کو یمن کی گورنری پر مامور کرنے سے پہلے فرمائے تھے کہ **یسر ولا تعسر وبشر ولا تنفر** (یعنی آسانی پیدا کرنا، دشواری پیدا نہ کرنا، لوگوں کو بشارت دینا اور ان کو وحشت زدہ نہ کرنا) سنے تھے اموی دور کے سفاک گورنروں مغیرہ بن شعبہ اور حجاج کے ظلم وستم کے واقعات سن کر سن ہو گئے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ جیسے بزرگوں نے گیارہ سال تک اپنے کو خلوت میں بند کر لیا۔ واقعہ کربلا، محاصرہ مکہ اور واقعہ حرہ جیسے شرمناک اور دل کو ہلا دینے والے فتنوں نے ان کا دل دنیا ہی سے اچاٹ کر دیا۔ اور ان ہی حالات کے پس منظر میں صوفیہ کا پہلا طبقہ عالم وجود میں آیا۔ جو دنیا سے منہ موڑ کر یاد الٰہی اور خشیت خداوندی میں غرق ہو گیا۔

طبقات صوفیہ: پہلی صدی ہجری کے وسط سے ہی مسلم معاشرہ میں جو اخلاقی وروحانی انحطاط کا سلسلہ شروع ہوا اور زمام حکومت ایسے ہاتھوں میں چلی گئی جنہوں نے ملوکی اور استبدادی طرز حکومت اپنائی، وہ سلسلہ مائل بہ اصلاح نہ ہو سکا۔ چنانچہ دین کی فکر رکھنے والوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی

چارہ نہ رہا کہ روح اسلام کی پاسداری میں سد سکندری بن جائیں اور پہلے اپنے کو اس فتنہ سے محفوظ کریں اور پھر عامتہ المسلمین کے لئے عملی نمونہ بن کر اصلاح احوال کی کوششیں کریں۔ قارئین اگر مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ الوالعزم اکابرین نے جو مسلم معاشرہ کی اصلاح احوال کی کوششیں کیں وہی تصوف کی تاریخ ہے۔ اور یہ وہ تاریخ ہے کہ جس کے متعلق ایک فاضل مستشرق پروفیسر ایچ، اے، آر۔ گبس نے ایک موقع پر آکسفورڈ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا[3]۔

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع نظر سے گزرتے ہیں جس میں اسلام کے کلچر کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن وہ مغلوب نہ ہوسکا کیونکہ ٹھیک اسی دم صوفیا کا گروہ اس کی مدد کو آجاتا اور اپنے انداز فکر سے اس ''تن بیمار'' میں اتنی توانائی اور قوت بخش دیتا تھا کہ ساری طاقتیں اس کے سامنے عاجز آجاتی تھیں''۔

مؤلف تاریخ سلسلہ فردوسیہ نے تاریخ تصوف کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے اور قدرے تفصیل سے اس کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس فاضلانہ تحریر سے ماخذ اس تاریخ کا مختصر أجائزہ پیش کیا جارہا ہے جو اصل میں اس تحریر کا ملخص ہے[4]۔

پہلے طبقہ کے صوفیا کا دور ۶۶۱ء سے ۸۵۰ء تک متعین کیا جاسکتا ہے۔ اس طبقہ کے چند اہم صوفیا کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت اویس قرنیؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت مالک دینارؒ، حضرت محمد واسعؒ، حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ۔ ان صوفیا کا پہلا مرکز بصرہ اور کوفہ بنا جہاں کے اموی گورنروں نے ظلم وستم ڈھائے تھے۔ اور اپنے شرمناک رویوں سے انسانیت کو ذلیل کیا تھا۔ اس دور کے صوفیا کی چار بڑی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ خشیت الٰہی، حکمرانوں سے گریز، تصنیف وتالیف سے بے توجہی، گوشہ نشینی ومصروف بہ یاد الٰہی۔ خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ ایک واقعہ حضرت حسن بصریؒ کا مشہور ہے کہ ایک شب زار زار رو رہے تھے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں خوف خدا سے ڈرتا ہوں کہ شاید ناواقفیت میں اور بلا ارادہ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو باری تعالیٰ کی ناخوشنودی کا سبب ہو تو پھر میرا کیا انجام ہوگا۔

حکمرانوں سے گریز اور بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ ان کو دیکھنا بھی پسند نہیں فرماتے تھے اور اگر اتفاقاً کہیں آمنا سامنا ہو جاتا تو بڑی بے باکی سے ان کی بے راہ رویوں پر ان کو متنبہ کرتے تھے اور غیر اسلامی طرز حکومت پر کڑی تنقید کرتے تھے۔ حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کا ایک واقعہ تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید اپنے وزیر فضل کے ساتھ آپ کے گھر حاضر ہوا۔ وزیر نے دستک دی، خواجہ نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے۔ وزیر نے کہا کہ امیر المومنین آپ سے ملنے آئے ہیں۔ خواجہ نے فرمایا ان کو مجھ فقیر سے کیا کام اور میرا ان سے کیا واسطہ! وزیر نے کہا امیر کی اطاعت واجب ہے، اندر آنے کی اجازت دیجئے ورنہ ہم حکماً داخل ہو جائیں گے۔ خواجہ نے فرمایا اجازت تو میں نہیں دے سکتا البتہ تم حکماً آسکتے ہو۔ چنانچہ وزیر اور ہارون الرشید اندر داخل ہو گئے۔ خواجہ نے چراغ بجھا دیا اندھیرے میں خواجہ کا ہاتھ ہارون الرشید کے ہاتھ سے مس ہو گیا۔ خواجہ نے فرمایا کیسا ہی نرم ہاتھ ہے، اے کاش کہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے۔ ہارون الرشید پر اس بات کا بہت اثر ہوا۔ فرمایا کچھ نصیحت فرمائیں۔ خواجہ نے فرمایا تمہارا باپ رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے کسی صوبہ کی گورنری کی درخواست کی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یا عم بك نفسك (یعنی اے چچا جان میں نے آپ کو آپ کے نفس کا امیر کیا)۔ ہارون الرشید نے کہا کچھ اور ہدایت فرمائیے۔ فرمایا: "یہ ملک تیرا گھر ہے اور خلقت تیری اولاد۔ ماں باپ کے ساتھ نرمی، بہن بھائیوں کے ساتھ مہربانی، بچے بچیوں سے نیک سلوک کر۔ اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی تو قیامت کے دن وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی تیرے ساتھ جھگڑے گی"۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے اس زمانہ کے صوفیا کا جرأت مندانہ انداز حق گوئی و بیباکی، نزد امراء و ملوک، کا پتہ چلتا ہے۔

تیسری خصوصیت اس طبقہ کے صوفیا کی یہ نظر آتی ہے کہ انہوں نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں دی، اس لئے اس زمانہ کی تصنیفات کم نظر آتی ہیں۔

چوتھی خصوصیت ان صوفیا کی یہ تھی کہ مشغولی یاد الٰہی میں ان کا انہماک تھا اور اپنے گرد حلقہ تلامذہ و مریدان کا اجتماع ان کو پسند نہ تھا۔ دنیا سے ان کی طبیعت چھوٹ گئی تھی اسی لئے گوشہ گیر ہو کر یاد الٰہی

میں مصروف رہنا پسند کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ موتو قبل ان تموتو کی مکمل تفسیر تھے۔

صوفیا کا دوسرا طبقہ عقلیت و وضعیت سے بیزاری کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ اس دور کے مشہور صوفیا کے کچھ اسمائے گرامی میں حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ، حضرت ذوالنون مصریؒ، اور خواجہ جنید بغدادی کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ خلفائے عباسیہ اور بالخصوص مامون الرشید کو فلسفہ یونان سے صرف شغف ہی نہیں بلکہ گرویدگی کی حدتک سر میں سودا پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ دنیا کے چپہ چپہ سے فلسفہ وحکمت کی کتابیں جمع کی گئیں اور ان کا ترجمہ کرایا گیا۔ ہارون الرشید کی بیت الحکمت نے اس سلسلہ میں نمایاں کام سرانجام دیا، اور مامون الرشید ان کتابوں کا شیدائی اور بالخصوص ارسطو کی کتابوں کا عاشق زار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری سرپرستی میں اور اس سے متاثر ہو کر صاحبان علم نے از خود بھی یونانی فلسفہ وحکمت کی بے شمار کتابوں کو عربی میں منتقل کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں عقلیت کی ایسی آندھی اٹھی کہ عقائد اسلامی کے حوالہ سے بھی ذہنی خلفشار جنم لینے لگے۔ عقلیت کے ساتھ وضعیت کا بھی سیلاب اُمڈ آیا، اور بقول مولانا آزاد مرحومؒ ''فطرت سے جب بعد ہو جاتا ہے اور وضعیت کا استغراق طارق ہو جاتا ہے تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں، سادگی کے ساتھ حسن و عظمت کا تصور کر ہی نہیں سکتیں وہ جب کسی بات کو بلند اور عظیم دکھانا چاہتی ہیں تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور ضاعیت کے پیچ وخم پیدا کریں''۔ اس عقلیت و وضعیت کے سیلاب نے مذہب کے تمام گوشوں کو متاثر کیا، ذات وصفات باری تعالیٰ، خلق قرآن، دوزخ، جنت، معجزات، معراج سب ہی زیر بحث آنے لگے اور قرآنی آیات کی تاویلیں کی جانے لگیں۔ اس دور فتن میں اس دور کے صوفیائے کرام کے ماسوا شاید ہی کوئی اپنا دامن بچا سکا۔ ان صوفیا نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور محکمات عقائد واعمال اسلامی جو سلف سے چلے آرہے تھے اس پر صرف ڈٹے ہی نہیں رہے بلکہ ان افکار باطلہ کے مقابلے کے لئے ''عشق الٰہی'' کے تصور کو عام کیا۔

سپاہ تازہ برانگیزم از ولائت عشق

کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

(ترجمہ: عشق کی سلطنت سے تازہ دم فوج تیار کریں، چونکہ حرم کو عقل کی بغاوت سے خطرہ ہو گیا ہے)

اس طبقہ صوفیا نے عشق الٰہی سے عقلیت اور وضعیت کا علاج کیا کیونکہ یہی اس کا مناسب علاج تھا۔

سفالم را مئے او جام جم کرد | درون قطرہ ام پوشیدہ یم کرد

خرد اندر سرم بت خانہ ریخت | خلیل عشق دیرم را حرم کرد

(ترجمہ: میرے مٹی کے پیالہ کو ان کی شراب نے جام جم بنا دیا، اور میرے ایک قطرہ میں سمندر سمو دیا، عقل نے تو میرے سر میں ایک بت خانہ بنا لیا تھا مگر خلیل اللہ کے انداز والے عشق نے بت خانہ کو کعبہ بنا دیا)

اس دور کی دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ فلسفہ وحکمت کے پیدا کردہ ذہنی انتشار و لامرکزیت کو قلب کی طاقت سے دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس سلسلہ میں حضرت معروف کرخیؒ نے "استغراق" پر زور دیا۔ حضرت سری سقطیؒ نے توحید پر زور دیا اور حضرت ذوالنون مصریؒ نے اپنی تصنیف میں "حال ومقام" پر بحث کر کے اس فتنہ پر قابو پانے کی کوشش کی۔

صوفیا کا تیسرا طبقہ دسویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے جب کہ اسلامی فتوحات کی وسعت نے نئے نئے مسائل سے لوگوں کو دوچار کیا جس کے نتیجہ میں استنباط واجتہاد کی ضرورت لاحق ہوگئی۔ اس سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے فقہ کی تدوین کا کام اپنی پوری دینی بصیرت کے ساتھ سرانجام دیا اور اس طرح چار فقہی مسلک کی بنیاد ڈالی جس پر امت کا ایک طرح سے اجماع ہوگیا۔ اگرچہ یہ کام نہایت اخلاص کے ساتھ سرانجام پایا لیکن فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ بھی ایسا کھل گیا کہ عوام اور امراء طرح طرح کے حیلے تراشنے لگے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اس صورت حال کا خوب نقشہ کھینچا ہے، لکھتے ہیں:

"کتاب وسنت کی تقدیم وحفظ کا بند تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا اور بنیاد فقاہت محض اٹکل اور ظن ووہم پر قرار پا چکی تھی، پھر کیا تھا ہر ذہن نے تیزی دکھائی اور ہر قیاس نے بلند پروازی، نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت الٰہی جو عدل وصداقت کے قیام کے لئے آئی تھی اسی کے نام سے مکر وفریب اور ظلم وغضب ونہب وسلب کے تمام کاروبار جاری ہوگئے۔ اور دنیا کی تباہی کے لئے اس سے بدتر وقت اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ خدا کا پاک نام لیکر اس کی دنیا میں برائی پھیلائی جائے۔ کتنی ہی

زنا کاریاں ہیں جو حیلے نکال کر نکاح شرعی بنائی گئیں۔ کتنے ہی غصب وظلم واکل اموال بالباطل کے معائب ہیں جن کو ایک شرعی معاملہ بنا کر جائز کیا گیا۔ کتنے ہی حج ہیں جو ساقط ہوئے۔ کتنی ہی زکاتیں ہیں جو کبھی ادا نہیں کی گئیں، کتنے ہی شارب الخمر اور زانی محض ہیں جو حدود شریعہ سے صاف بچالئے گئے''۔

ان حیلہ بازیوں نے مذہب کی صورت ہی مسخ کر ڈالی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہ فتنہ تقدس مذہب اور روح اسلام کو فنا کر کے ہی دم لے گا کہ پھر صوفیا کا گروہ سامنے آ گیا اور اس فتنہ کی بیخ کنی کے لئے سرگرم ہو گیا۔ اس تیسرے دور کے صوفیا میں قابل ذکر اسمائے گرامی یہ ہیں۔ شیخ ابوسعید ابن العربیؒ (المتوفی ۹۵۲ء)، شیخ ابو محمد الخلدی (المتوفی ۹۵۹ء)، شیخ ابونصر السراج (المتوفی ۹۸۸ء)، شیخ ابو طالب مکیؒ (المتوفی ۹۹۶ء)، شیخ ابوبکر (المتوفی ۱۰۰۰ء) اور شیخ ابوعبدالرحمٰن اسلمیؒ (المتوفی ۱۰۲۱ء)۔ اس دور کے صوفیا کی خصوصیت تزکیہ قلب اور اصلاح باطنی کی طرف زور دینا تھا اور عملی اقدام کر کے لوگوں کو صحیح راہ دکھانا تھی۔

در کنز و ہدایہ نہ تواں دید خدارا

آئینہ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

(ترجمہ: کنز وہدایہ (فقہ کی کتابیں ہیں) میں تو خدا کو نہیں دیکھ سکتا، دل کے آئینہ کو دیکھ کہ اس سے بہتر کتاب کوئی نہیں ہے)۔

ان صوفیا نے صوفیائے متقدمین کی تعلیم وسوانح حیات کو احاطہ تحریر میں لا کر تصنیف کی شکل میں پیش کیا، شیخ ابوسعید ابن العربیؒ کی تصنیف ''طبقات''، شیخ ابو محمد الخلدیؒ کی ''حکایت الاولیاء'' ابوعبدالرحمٰن اسلمیؒ کی ''طبقات الصوفین'' اس سلسلہ کی اہم تصنیفات ہیں۔ ان صوفیائے کرام نے شریعت اور طریقت میں پوری مطابقت قائم کی اور ایک دوسرے کو لازم وملزوم قرار دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شیخ ابو طالب مکیؒ کی ''قوت القلوب'' اور شیخ ابوبکر کی کتاب ''التعارف لمذہب اہل التصوف'' بہت اہم کتابیں لکھی گئیں جن میں شریعت وطریقت کی ہم آہنگی پر بہت مدلل بحثیں کی گئی ہیں۔ اس دور کی دو اہم باتیں یہ ہیں، ایک یہ کہ تصوف کی اصطلاحات وضع ہوئیں اور دوسرا یہ کہ صوفیا کے گروہ اور حلقے کا ذکر تحریری شکل میں بھی منظر عام پر

آ گیا۔ حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنی تصنیف کشف المحجوب میں گیارہ گروہوں کا ذکر کیا ہے جن میں دو، حلولی اور حلاجی تو اپنے برے عقائد تناسخ کی بنیاد پر مردود قرار پائے، باقی نو گروہ اپنے اپنے بانیوں کے ذوق ومزاج کی بنا پر اپنے الگ الگ رنگ سے ممیز ہوئے مثلاً طیفوریہ جس کی نسبت حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سے ہے ان کے یہاں ذوق ومستی کا غلبہ تھا اور یہ سکر کو ''صحو'' پر ترجیح دیتے تھے۔ نوریہ جس کے بانی شیخ ابوالحسن بن نوریؒ تھے، ان کے یہاں تصوف کو فقر پر ترجیح دی جاتی تھی اور صحبت کو عزلت سے بہتر سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے گروہ تھے جیسے قصاریہ، محاسبیہ، تستریہ، حکمیہ، خرازیہ، خفیفہ، سیاریہ اور ان کے بانیوں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ شیخ حمدون قصار، شیخ حارث بن اسد محاسبی، شیخ سہل بن عبداللہ تستری، حضرت ابی عبداللہ بن علی الحکیم الترمذیؒ، شیخ ابوسعید خرازیؒ، شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیفؒ، شیخ ابوالعباس سیاریؒ۔ کچھ اصطلاحات جو اس دور میں رواج پائیں وہ یہ ہیں صحو، سکر، فقر، مقام، حال، ولایت، فنا، حضور، غیبت، جمع، تفریق۔

دسویں صدی کے بعد تصوف نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ یہ باقاعدہ ایک علم بن چکا تھا اس علم پر تصانیف وجود میں آچکی تھیں اور اصطلاحات بھی وضع ہو چکے تھے اور صوفیوں کے گروہ بھی بن چکے تھے۔ اس گروہ سے مراد کوئی متنازع گروہ بندی نہیں، مقصد تو سب کا ایک تھا مگر طریقہ تعلیم میں کچھ تفوق وترجیح میں فرق پایا جاتا تھا۔ گویا دسویں صدی عیسوی میں تصوف باقاعدہ ایک علمی اور عملی فن بن چکا تھا۔ اگلے تین سو سال ان بنیادوں کو مزید مستحکم کرنے میں لگے اب یہ ایک مکمل شکل اختیار کر گیا اور مسلمانوں کی دینی زندگی کا ایک اہم جزو بن گیا۔

گیارہویں صدی عیسوی کے صاحب تصنیف بزرگوں میں چند یہ ہیں۔ شیخ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن اسحٰق اصبہانیؒ (المتوفی ؟) جنہوں نے حلیۃ الاولیاء تصنیف کی جو ہزاروں اولیاء کی سوانح حیات پر مشتمل تھی، شیخ ابوالقاسم قشیری (المتوفی ۱۰۷۲ء) نے چند کتابیں تصنیف کیں جن میں ''رسالہ قشیریہ'' بہت اہم ہے جس میں اس وقت تک جتنی اصطلاحات وضع ہو چکی تھیں ان کا ذکر موجود ہے اور اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ تصوف شریعت وسنت کا ہی دوسرا نام ہے۔ شیخ سید علی ہجویریؒ کی تصنیف ''کشف المحجوب''، تصوف

کی اہم کتاب ہے اور بزرگوں نے اس کے مطالعہ پر زور دیا ہے خاص کر اس کو جس کا کوئی مرشد نہ ہو۔ شیخ عبداللہ انصاری ہرویؒ (المتوفی ۱۰۸۸ء) کی چار تصانیف ۱۔ منازل السائرین، ۲۔ طبقات الصوفیہ، ۳۔ کتاب جامع الکلام ۴۔ مناجات صوفیوں میں بہت مقبول ہیں۔ شیخ ابوسعید ابی الخیر (المتوفی ۱۰۴۹ء) کی مناجات و رباعیاں صوفیوں میں بہت مقبول ہیں، منظوم طرز تحریر چونکہ زیادہ پر اثر ہوتی ہیں اس لئے تصوف کی ترویج میں یہ نظمیں بہت مددگار ثابت ہوئیں۔

بارہویں صدی عیسوی کے ممتاز مشائخ میں حضرت امام غزالیؒ (المتوفی ۱۱۱۱ء)، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۱۱۶۶ء)، شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ، حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ (المتوفی ۱۲۴۰ء)، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی ۱۲۳۴ء)، حضرت نجم الدین کبریٰ فردوسیؒ (المتوفی ۶۱۸ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے اپنی تصانیف و مواعظ و پند و ہدایت سے تصوف کی بڑی خدمات انجام دیں۔ حضرت امام غزالیؒ کی احیاء العلوم والدین ایک معرکتہ الآراء تصنیف ہے جسے آپ نے تصوف کی راہ اختیار کرنے اور صحرا نوردی اور ریاضت شاقہ کی بھٹی سے گزرنے کے بعد عزلت نشینی اختیار کرنے کی بجائے اصلاح احوال معاشرہ کے لئے تحریر فرمائی اور اس کتاب میں اس وقت تک جو اہم تصانیف تصوف پر لکھی جا چکی تھیں ان کا احاطہ کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی گئی۔ چونکہ آپ نے خود ایک عمر فلسفہ و حکمت کی شناوری میں گزاری تھی اس لئے ان کی بے چارگی اور لاحاصلیت کو بھی واضح کر دیا۔ آپ نے امام قشیریؒ کے مصطلحات تصوف کو اور آگے بڑھایا اور اب اس علم کو جواب تک ایک عملی طریقہ ریاضت پر مشتمل تھا اسے ایک باقاعدہ علم کا مقام حاصل ہو گیا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فن شیخی کو کمال تک پہنچا دیا اور اپنے وعظ کی مجلسوں سے احیائے دین وملت کا کام لیا۔ نہ جانے کتنے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور نہ جانے کتنے قلوب مومنین ایمان راسخ سے منور ہو گئے۔ آپ کی تصانیف میں ''غنیۃ الطالبین'' اور ''الفیوضات الربانیہ'' مشہور ہیں۔ ان کے ماسوا مواعظ حسنہ کے دو مجموعے ''فتوح الغیب'' اور ''فتح ربانی'' بھی مشہور ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب ''عوارف المعارف'' مشہور ہے اور اس میں تصوف کے بنیادی اعتقادات اور تنظیم خانقاہی

پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، تصوف کی اصطلاحات کے معنی بھی اس میں بیان ہوئے ہیں۔ اس کی افادیت اسی سے واضح ہے کہ اس کی تعلیم اکثر خانقاہوں میں باقاعدہ ہوتی ہے۔

شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ علوم ظاہر و باطن دونوں کے معلم تھے۔ آپ کی کتاب ''آداب المریدین'' ایک اہم کتاب ہے جس کا ترجمہ حضرت مخدوم جہاںؒ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ نے کیا ہے اور ''شرح آداب المریدین'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فارسی میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف کی تعداد بہت بتائی جاتی ہے مگر دو کو بڑی شہرت حاصل ہوئی یعنی ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحات مکیہ'' کو۔

حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی تصانیف میں ''تبصرہ'' اور ''رسالہ'' مشہور ہیں۔ پچھلے صفحات میں رسالہ سے کچھ اقتباسات پیش کئے جا چکے ہیں۔

بارہویں صدی عیسوی میں نثری تصانیف کے ماسوا تصوف پر منظوم تصانیف بھی منظر عام پر آئیں۔ اس دور کے مشہور شعراء حکیم سنائیؒ، نظامی گنجویؒ اور خواجہ فرید الدین عطارؒ ہیں۔ حکیم سنائیؒ شیخ ابو یوسف ہمدانیؒ کے مرید تھے۔ آپ کی سات مثنویاں مشہور ہیں جن میں ''حدیقہ'' کے ماسوا سب ناپید ہیں۔ اس مثنوی میں گیارہ ہزار اشعار ہیں جو دس باب پر مشتمل ہیں۔ اس میں تصوف کے اکثر مقامات کی وضاحت کی گئی ہے۔ بقول مولانا شبلی نعمانی حکیم سنائی نے اخلاقی شاعری کی بنیاد قائم کی۔ خواجہ فرید الدین عطار نے اس فن کو اور جلا بخشی اور آپ نے شاعری کی مختلف اصناف مثلاً قصائد، رباعی، غزل تمام اصناف کو تصوف سے مالا مال کر دیا۔ مولانا روم آپ کی عظمت کے قائل تھے اور آپ کے بڑے مداح تھے۔ آپ کی تئیں تصانیف بتائی جاتی ہیں اور آپ کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ خواجہ صاحب شیخ صنعاں کے مرید تھے اور خرقہ فقر مجد الدین بغدادی سے حاصل کیا تھا۔ وحدت الوجود کے مضمون پر خواجہ صاحب نے بہت زور دیا ہے۔ حضرت نظامی گجوی اگرچہ درباری شاعر تھے مگر آپ نے بھی تصوف کی بڑی خدمت کی اور متعدد مثنویاں لکھیں جن میں اخلاق اور تصوف کے مسئلہ پر روشنی ڈالی، ''مخزن الاسرار'' میں

خالص اخلاقی شاعری پیش کی۔ الغرض ان شعرائے کرام نے بھی تصوف کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

تیرہویں صدی عیسوی مسلمانوں کی تاریخ کا پر آشوب دور تھا۔ فتنہ تاتار نے مسلم حکومت اور معاشرہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور مسلمانوں میں ایک مایوسی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس وقت بھی امت کو اسی تصوف نے نئی زندگی بخشی۔ ان حالات میں صوفیا نے مسلم معاشرہ کو تین اصولوں پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ ۱۔ خدا پر بھروسہ ۲۔ انفرادی زندگی پر اجتماعی زندگی کو ترجیح ۳۔ اخلاقی اقدار کو زندہ کرنے کا عزم۔

تیرہویں صدی عیسوی کے قابل ذکر شیوخ میں حضرت سیف الدین باخرزیؒ، حضرت بدر الدین سمرقندیؒ، شیخ رضی الدین علی لالہ، بابا کمال جنید، حضرات خواجہ معین الدین چشتیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور اس دور کے صوفی شعرا میں عراقی، اوحدی، شیخ سعدی اور مولانا روم بہت ممتاز ہیں۔ شیخ عراقی حضرت بہاء الدین ذکریاؒ ملتانی کے مرید تھے۔ قصہ یوں مشہور ہے کہ آپ اپنی غزلوں میں کھوئے رہتے تھے کہ ایک دفعہ آپ کے پیر بھائیوں نے حضرت بہاء الدین ذکریاؒ سے شکایت کی کہ عراقی ذکر و فکر میں مشغولی کی بجائے اپنے شعر و شاعری میں ہی مستغرق رہتے ہیں اور شیخ کو عراقی کی ایک غزل سنائی جس کا مقطع تھا۔

چوں خود کردند راز خویشتن فاش عراقی را چرا بدنام کردند

شیخ نے فرمایا "وہ تو منزل کو پہنچ گیا"۔ عراقی کو بلایا چند سوالات کئے اور اپنا خرقہ پہنایا اور اپنی صاحبزادی کو ان کی زوجیت میں دے دیا۔ عراقی اپنے شیخ کے وصال کے بعد سیاحت کرتے ہوئے قونیہ پہنچے اور شیخ صدر الدین کے خطبات میں پابندی سے شریک ہو کر مستفیض ہوتے رہے۔ آخر میں آپ شام چلے گئے اور دمشق میں ۱۲۸۹ء میں وفات پائی اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ آپ نے ایک مثنوی "عشاق نامہ" بھی لکھی تھی جو اب نایاب ہے۔ آپ کی سب سے مشہور تصنیف "لمعات" ہے جو نثر میں ہے اور تصوف و اخلاق پر ایک بے مثل کتاب ہے۔ مولانا جامی نے "اشعۃ اللمعات" کے نام سے ایک کتاب لکھ کر اس پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ آپ کی ایک رباعی جو عشق و سرمستی میں ڈوبی ہوئی ہے درج ذیل ہے۔

مراجز عشق تو جانے نمی بینم نمی بینم دلم راجز تو جانانے نمی بینم نمی بینم

عراقی رابدر گاہت رہے بنما کہ در عالم چواوسر گشتہ حیرانے نمی بینم نمی بینم

اوحدی کی مشہور نظم ''جام جم'' ہے جو بہت ہی مقبول ہوئی اور بقول دولت شاہ اس کے لکھے جانے کے ایک مہینہ کے اندر ہی اس کی چار سو نقلیں کی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ سات ہزار اشعار پر مشتمل آپ کا دیوان بھی تھا آپ کا ایک شعر ہے۔

خاک ساراں جہاں رابہ حقارت منگر توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(ترجمہ: دنیا کے خاکساروں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو، تمہیں کیا معلوم کہ اس گرد میں کوئی شہسوار چھپا ہے)

شیخ سعدی کے ''پند نامہ'' و ''گلستان'' و ''بوستان'' سے تو ایک دنیائے علم وادب واقف ہے۔ آپ کی زندگی کے تین ادوار نظر آتے ہیں پہلا تعلیم، دوسرا سیر وسیاحت، تیسرا عبادت وریاضت۔ علوم باطنی میں آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا دامن تھاما اور علوم ظاہر کی تکمیل ابوالفرح ابن جوزی سے کی تھی۔ بقول شبلی نعمانی اخلاقی شاعری میں آپ کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ آپ کا ایک شعر ہے۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند سعدی از دست خویشتن فریاد

(ترجمہ: ہر کوئی تو کسی دوسرے کی شکایت کرتا ہے اور سعدی کو اپنے سے ہی شکایت ہے)۔

مولانا روم ابتدأ میں ایک جید عالم تھے مگر حضرت شمش تبریزی کی ایک تنبیہ سے ہی بالکل بدل گئے۔ اپنے وقت کے مشاہیر اولیاء جیسے محی الدین ابن عربیؒ، مولانا صدر الدین قونویؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے فیض حاصل کیا۔ کسب وریاضت سے بلند مقام حاصل کیا۔ آپ کی مشہور تصنیف مثنوی ہے جس کے متعلق مشہور ہے۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی

الغرض تیرہویں صدی عیسوی میں جہاں منگولوں کی سفا کی اور بربریت سے عالم اسلام لرزہ براندام ہو رہا تھا وہاں ان صوفی شعراء نے اور اکابر مشائخ نے مسلمانوں کی ذہنی اور قلبی انتشار کا مداوا

ڈھونڈھا اور اپنے طرز فکر وعمل سے لوگوں کے فکر وعمل کو ترتیب نو عطا کیا اور منظم ومنضبط کیا اور اس طرح امت میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس دور میں جو روحانی نظام قائم ہوئے ان کے چودہ سلاسل ہندوستان میں مشہور ہوئے جن کے نام ابوالفضل نے آئین اکبری میں بیان کئے ہیں، مگر بقول پروفیسر خلیق احمد حقیقت میں ہندوستان میں جن سلاسل نے نمایاں کام کئے ہیں وہ چھ ہیں۔ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، شطاریہ، نقشبندیہ اور فردوسیہ۔ حضرت مخدوم جہاںؒ شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ سلسلہ فردوسیہ کے ممتاز بزرگ ہیں اور آپ کا زمانہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری پر محیط ہے۔ آپ کا سلسلہ رشد وہدایت کا دور آٹھویں صدی ہجری کا ہے یعنی چودہویں صدی عیسوی کا ہے۔ گزشتہ صفحات میں جو تاریخ تصوف کے مختلف ادوار کا ذکر ہوا ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فنی اعتبار سے تصوف کا علم تیرہویں صدی عیسوی میں مکمل ہو چکا تھا اور بعد کے ادوار میں ان میں استحکام پیدا ہوا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اسی زمانے میں کام کیا جب فنی اعتبار سے علم تصوف اپنے ارتقائی منازل طے کر چکا تھا، چنانچہ حضرت مخدوم جہاںؒ کا سلسلہ رشد وہدایت اسی علم کے علمی اور عملی تعلیم وتربیت پر مرکوز رہا۔ ذیل میں ان کی تعلیمات سے اخذ کچھ راہ سلوک کی باتوں کا ذکر ہوگا۔

طلب راہ سلوک: مومن کی طبع سلیم ہمیشہ طلب حق میں سرگرداں رہتی ہے۔ تاریخ تصوف پر، جیسا کہ پچھلے اوراق میں بیان ہوا، ذرا نظر ڈالئے۔ جب پہلی صدی ہجری میں ہی خلافت پر ملوکیت کی چھاپ ہوگئی اور امراء وملوک نے جبر واستبداد کا طریقہ اختیار کیا تو اسی طبع سلیم نے طلب حق کے لئے راستے تلاش کئے اور اکابرین صوفیا نے، مثلاً حضرت حسن بصریؒ نے، خشیت الٰہی کے ذریعہ معاشرہ کے فتنہ سے بچنے کا راستہ متعین کیا۔ پھر جب تدوین فقہ کے بعد چار مذاہب نے اجتہاد کی مدد سے نت نئے مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کی تو نفس کی سرکشی نے نئے نئے حیلے بنا کر روح شریعت کو پامال کرنا شروع کردیا (جس کا بہت صحیح نقشہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے کھینچا جس کا پچھلے اوراق میں ذکر کیا گیا)، اور جب فتنہ عقلیت نے یونانی فلسفہ کے زیر اثر اسلام کے اعتقادات تک کو متزلزل کرنا شروع کردیا تو یہی طبع

سلیم نے اس سے نجات کے لئے ''عشق الٰہی'' کا جذبہ پیدا کیا۔ جب فتنہ تاتار نے اسلامی حکومت کو تاراج کر دیا اور عامۃ المسلمین میں ایسا انتشار پیدا کیا کہ اندیشہ ہونے لگا کہ مسلم تہذیب پھر پنپ سکے گی بھی کہ نہیں تو اسی طبع سلیم نے صُوفیا کے سایہ عاطفت میں پناہ لی اور توکل علی اللہ، اجتماعیت اور تخلقو باخلاق اللّٰہ سے اپنے قلوب کو سنوارا۔ یہ طبع سلیم کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر انسان کی فطرت ہے کہ وہ برائی سے منغض ہوتا ہے اور نیکی کی راہ کا متلاشی رہتا ہے۔ مگر جب نفس امارہ سے مغلوب ہو جاتا ہے تو یہی انسان شیطانی سوچ کا حامل ہو جاتا ہے۔ مسلم معاشرہ کے جن فتنوں کا ذکر کیا گیا ان کے فتنہ سامان بھی اکثر مسلمان ہی تھے، اور بہت حد تک شریعت ظاہر پر عامل بھی تھے، ان میں علمائے سوء بھی تھے۔ مگر فکر کی کجی نے ان کے ذریعہ سے ایسے فتنہ پیدا کئے کہ بس ندامت ہی ندامت کا سامان رہے۔ مگر معاشرہ کا معتد بہ طبقہ ان حالات سے متنفر ہی رہا اور حق کی راہ کا متلاشی رہا۔ ایسے ہی حالات میں طبقہ صوفیا پیدا ہوا اور لوگوں کی رہنمائی میں صوفیائے کرام نے ہر دور میں اپنا کردار ادا کیا اور اسلام کی روح کو علمی، فکری اور عملی طور پر زندہ و تابناک رکھا۔ تصوف کی حقانیت کے لئے اور کیا دلیل چاہئے؟ ہر طبع سلیم رکھنے والا مومن راہ سلوک کا متلاشی رہا ہے۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنی تعلیمات میں طبع سلیم کی اس ضرورت کو بہت پر اثر طریقہ سے پورا کیا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے اپنے مکتوبات اور ملفوظات میں بالتفصیل اس علم کے مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی ہے جو آج بھی مشعل راہ ہے۔

شریعت وطریقت: جب توفیق الٰہی سے انسان ایمان کی دولت سے مشرف ہو گیا اور کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو اب اس کے لئے ضروری ہے کہ عقیدہ توحید پر پختہ یقین رکھے اور اس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راہ نہیں ہے کہ اتباع رسول ﷺ سے کامل شغف اختیار کرے کہ ایمان ہو یا عمل تمام امور میں بس آپ ﷺ کی تعلیم سے ہی راہ ہدایت متعین ہوتی ہے۔ جس کسی نے اپنی عقل کو فوقیت دی وہ ایمان سے بھی گیا۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اوامر و نواہی، عقیدہ و عمل، طرز زندگی، معاشرت وغیرہ کے سلسلہ میں جو تعلیم دی وہ شریعت ہے۔ ان کے آگے سر تسلیم خم کرنا اسلام ہے اور ان پر ثابت قدم رہنا دین ہے۔ چنانچہ شریعت پر عمل کرنا ہر مومن و مومنہ و مسلم و مسلمہ کے لئے ضروری ہے۔ اس شریعت کے دو پہلو ہیں، ایک پہلو

کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے، اور دوسرے کا اس کی روح سے۔ یہ دوسرا پہلو پہلے پہلو کو محیط ہے اس لئے شریعت تو اصل میں ظاہر و باطن دونوں کا مجموعہ ہے مگر پھر بھی شریعت ظاہر کو شریعت اور شریعت باطن کو طریقت کہتے ہیں۔ اور یہ فرق کرنا بھی شاید امت پر احسان کا ہی عنوان ہے تا کہ وہ مومن جو روح شریعت سے غافل ہے اور ظاہری اعمال بہر صورت انجام دیتا ہے اسے بھی آخرت سے مایوسی نہ ہو اور جنت کی بشارت اس کے لئے بھی موجود رہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے شریعت و طریقت کی وضاحت یوں کی ہے[5]۔

''کل نبیوں کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ خلق اللہ کو انہوں نے پہلے توحید کی طرف بلایا۔ اس دعوت میں سب انبیاء برابر ہیں۔ سب ہی کی ایک پکار ہے۔ ایک دین ہے، ایک معبود ہے۔ بالا اتفاق ایک زباں ہو کر سبھوں نے اپنی اپنی امت کو یہی کہا والٰھکم الہ واحد (اللہ ایک اور اکیلا ہے)، اور یہی فرمایا فاتقو اللّٰہ واطیعون (اللہ سے ڈرو اور اس کی بندگی کرو)۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت مصطفیٰ ﷺ کے عہد مبارک تک کل نبیوں کی خدائی باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ وحی الٰہی کے موافق دعوت خلق ہوا کرتی تھی۔ وحی الٰہی کے الفاظ و معانی بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبیوں نے سنا سمجھا اور ان کو دل میں جگہ دی۔ ان کی سماعت اس سے بہرہ اندوز ہوتی رہی۔ ان کی عقل اس سے انوار کا اقتباس کرتی رہی۔ سب نبی اصل دعوت میں ہم خیال ہیں۔ ہاں لغات و عبارات واستعارات وارکان شرائع میں البتہ اختلافات ہیں۔ دعوت توحید کے علاوہ دوسری دعوت عبودیت کی ہوتی ہے چونکہ انبیا علیہم السلام خلائق کے طبیب ہیں۔ ہر زمانے میں وحی الٰہی کے موافق اپنی امت کے لئے حسب مصلحت وقت قاعدہ ملت وضع فرماتے ہیں۔ پس خدائی باتیں جو نبیوں تک پہنچیں اور آپ حضرات نے ان کو قبول کیا ان کا نام وحی دعوت ہے۔ اور جو لوگ سنتے ہیں اور اتباع کرتے ہیں ان کو امت کہتے ہیں۔ اور اوامر و نواہی و اصول و فروع دعوت کو شریعت کہتے ہیں۔ اور اس راہ میں چلنے کو اطاعت کہتے ہیں۔ جملہ احکام پر گردن رکھنے کو اسلام کہتے ہیں۔ اسلام پر ثابت قدم رہنے کو دین

کہتے ہیں۔اب تم غالباً اس کو سمجھ گئے ہو گے کہ شریعت دین کی ایک راہ کا نام ہے جو پیغمبروں کے ذریعہ سے قائم ہوتی ہے۔لغت میں کشادہ راہ کو شارع کہتے ہیں۔راہ شریعت کو بھی خدا نے ایسا کشادہ بنایا ہے کہ اس سے ہزاروں راستے نکلتے ہیں۔آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے۔ستفرق امتی علی ثلث وسبعین فرقة کلها هالکة الا واحدة فانها ناجیة۔میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جس میں بہتر گمراہ ہیں اور ایک نجات پانے والا ہے۔ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت کا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ صوفیائے کرام، محدثین فرخندہ جام، وفقہائے عظام، طریقت کی راہ بھی شریعت سے ہی نکلتی ہے۔شریعت اور طریقت میں جو فرق ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں۔تم اسی سے سمجھتے جاؤ۔ شریعت میں توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، جہاد، زکوٰۃ اور دوسرے احکام شرائع و معاملات ضروری کا بیان ہے۔طریقت کہتی ہے کہ ان معاملات کی حقیقت دریافت کرو۔ان مشروعات کی تہہ تک پہنچو، اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو۔اخلاق کو نفسانی کدورتوں سے پاک کرو جیسے ریاکاری ہے، ہوائے نفسانی ہے، ظلم و جفا ہے، شرک و کفر ہے وغیرہ وغیرہ۔اچھا، یوں نہ سمجھے ہو تو یوں سمجھو۔ظاہری طہارت، ظاہری تہذیب سے جس امر کو تعلق ہے وہ شریعت ہے۔ تزکیہ باطن تصفیہ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔کپڑے کو دھو کر ایسا پاک بنالینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکیں، یہ فعل شریعت ہے۔اور دل کو پاک رکھنا کدورت بشری سے یہ فعل طریقت ہے۔ہر نماز کے لئے وضو کرنے کو شریعت کا ایک کام سمجھو اور ہمیشہ باوضو رہنے کو طریقت کا دستور العمل تصور کرو۔نماز میں قبلہ رو کھڑا ہونا شریعت ہے۔اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا طریقت ہے، حواس ظاہری سے جن معاملات دینی کا تعلق ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا شریعت ہے۔اور جن معاملات دینی کو قلب و روح سے تعلق ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔......سنو، شریعت میں اگر صحیح عذر ہو تو رخصت ہو جاتی ہے، جیسے بجائے وضو اور غسل تیمم کی اجازت ہے۔سفر میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے وغیرہ وغیرہ۔مگر طریقت کہتی ہے کہ

رخصت ضعیف حالوں کے لئے ہے۔...... چنانچہ ارباب طریقت قوت وہمت جدّ ومبالغت سے کام لیتے ہیں۔ رخصت ومباح کی راہ سے اپنے کو باز رکھتے ہیں۔ حلال چیزوں کو بھی ڈر ڈر کے استعمال کرتے ہیں۔ حرص وطمع سے کنارے رہتے ہیں۔ شریعت میں ☆ راحت و آسائش کی ڈیوڑھی پر روک تھام ہے خصوصاً نفس امارہ سے بہت بچاؤ ہے دیکھو، اگر مرید اپنے کو مباحات کی اجازت دے گا تو اس کا نفس دلیر ہو جائے گا۔ رفتہ رفتہ وہ مشتبہات کو بھی مباحات کے سلسلے میں لے آئے گا۔ پھر اس پر قناعت نہ کرے گا آگے بڑھ کر محرمات میں مبتلا کر دے گا۔ یہاں تک کہ دین بھی برباد ہو جائے گا''۔

مندرجہ بالا تفصیل سے تو یہ ظاہر ہوا کہ طریقت اختیاری چیز ہے اور اس کے لئے شریعت نے کچھ ہدایت نہیں دی۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ طریقت کے لئے بھی شریعت میں ہدایت پائی جاتی ہے مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں[6]۔

''تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ارکان طریقت بے اصل نہیں ہیں بلکہ ان کی ایک زبردست اصل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا اجبته کنت له سمعا وبصرا اویدا ولسانا۔ الی آخره۔ بندہ مومن کو نوافل سے خدا کے ساتھ اتنا تقرب اور ایسی مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اللہ اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہے۔ پھر اس کی خودی اس طرح دور ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کانوں سے سنتا، اور اس کی آنکھوں سے دیکھتا اور اسی کے ہاتھوں سے سارے کام انجام دیا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی زبان سے بولتا ہے۔........... تم کو یقین کر لینا چاہئے کہ قرب نوافل کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں ہے۔ ایسا شخص مورد الطاف ربانی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی کل مہمات کو سر کر دیتا ہے۔ وہ خلق اللہ کے لئے قبلہ حاجات ہو جاتا ہے اس کی خاکِ قدم آنکھوں کا سرمہ بنتی

☆ ترجمہ میں کتابت کی غلطی رہ گئی ہے، اصل عبارت یوں ہے: شریعت میں راحت کا باب کھلا ہے مگر طریقت میں..........

ہے اس کی ران سواری کو گرد و غبار کو عبیر راہ بنا دیتے ہیں ☆"۔

اہل طریقت کا راستہ تو یہی ہے کہ نوافل سے تقرب الٰہی حاصل کرتے ہیں اور اس راہ سے ان کو ایسی زندگی حاصل ہو جاتی ہے کہ بقول مخدوم جہاں" [7] جو بات ان کی زبان سے نکلتی ہے وہ مردہ دلوں کو زندہ بنا دیتی ہے۔ یہ لوگ رحمتہ اللعالمین کی امت خاص ہیں۔ رحمتہ اللعالمین کے شیدا ہیں۔ ان کی رحمت وشفقت کی روشنی بھی تمام پھیلی رہتی ہے خود نہ کھائیں گے خلق اللہ کو ضرور کھلائیں گے۔ خود اچھا کپڑا نہ پہنیں گے حاجت مندوں کو پہنائیں گے۔ تیکھی تیکھی باتیں سنیں گے مگر اس نشتر کو برداشت کریں گے۔ ظلم سہیں گے، مگر ظالم سے بدلہ نہ لیں گے، بلکہ اس کی شفاعت کرنے کو تیار رہیں گے۔ جفا کے عوض وفا کریں گے۔ دشنام کے مقابلہ کو دعا و ثنا سے آمادہ ہونگے۔ اس بے نفسی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں محفوظ بنالیا ہے۔ معصوم تو بے شک انبیاء کی ذات ہے۔ یہ تمام صفتیں اگر اہل طریقت کو حاصل نہ ہوں تو سمجھو کہ اس نے طریقت میں قدم ہی نہیں رکھا۔

اب یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ راہ طریقت پر چلنے والوں کی دو قسمیں ہیں [8]۔ ایک سالک اور دوسرا مجذوب۔ مجذوب وہ ہیں جو مرتبہ ولایت پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں مگر غلبہ شوق میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ راہ کا حال معلوم نہیں، کس کس مقام سے گزرے ہیں کچھ خبر نہیں، راستہ کے خیر و شر، نفع و ضرر کسی کی خبر نہیں، اسی لئے یہ کسی دوسرے کی تربیت کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ برخلاف اس کے سالک جذبہ شوق کے ساتھ راہ طے کرتے ہیں، مگر نہایت سکوں و آہستگی سے، چنانچہ اس راہ کے ہر مقام سے آگاہ ہوتے ہیں۔ خیر و شر، صلاح و فساد سب کی خبر رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی راہ پر چلتے ہوئے بے راہ بھی ہو جاتے ہیں تاکہ راہ راست اور بے راہی سے پوری واقفیت ہو جائے۔ ان تمام مراحل سے گزرتے ہیں تو دوسروں کی راہبری کے لائق ہوتے ہیں۔ اب یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ سلوک کی راہ میں قدم رکھنے کے آداب کیا ہیں اور طریقہ کیا ہے۔

☆ شاید کتابت میں سہو ہو گیا ہے۔ اصل فارسی متن یوں ہے: غبار اقدام مرکب اوراعطریات سالکان راہ گرداند (ترجمہ: انکی سواری کے قدموں سے اُڑی ہوئی گرد کو سالکان راہ کیلئے عطریات بنا دیتے ہیں۔)

طلب پیر: ایمان کے بعد توبہ ضروری ہے۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ سالک اوصاف حمیدہ سے متصف ہو جائے، تمام اوصاف ذمیمہ اوصاف حمیدہ سے بدل جائیں۔ صوفیوں کی اصطلاح میں اس کو گردش کہتے ہیں جس درجہ میں درگاہ توبہ وسیع ہوگا' اسی قدر آفتاب ایمان کی روشنی ہوگی۔ تکمیل توبہ کے بعد مبتدی پر فرض ہے کہ ایسا پیر پختہ تلاش کرے کہ جو نشیب و فراز راہ سے واقف ہو۔ صاحب حال و مقام ہو۔ صفات جلالی کے قہر و غضب اور صفات جمالی کے لطف و کرم کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ ایسا طبیب حاذق ہو کہ مرید کے تمام عوارض باطن کا علاج جانتا ہو اور سب کی دوا کر سکتا ہو۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے طلب پیر کے لئے کیا حجت ہے اس کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں[9]:

"اب سنو کلام اللہ کا حکم ہے۔ کونو مع الصادقین۔ صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ مرتبہ اوّل درجہ میں پیغمبروں کو حاصل ہے۔ صلوٰۃ اللہ علیہم۔ بعد ان کے ان کے خلفاء کا درجہ ہے۔ یعنی مشائخ کرام کا کیونکہ العلماء ورثۃ الانبیاء اور العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل انہیں کے فرمان کا سرنامہ ہے۔ اور قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشیخ فی قومہ کانبی فی امتہ۔ شیخ اپنی قوم میں خدا کی راہ اسی طرح دکھلانے والا ہے جس طرح اپنی امت میں پیغمبر اور یہ ظاہر ہے کہ امت کو راہ طلب میں بغیر پیغمبر کے چارہ نہیں تو قوم کو بھی بغیر شیخ یعنی خلیفہ پیغمبر کے چارہ نہیں۔ اسی وجہ سے حضرات مشائخ کا قول ہے لا دین لمن لا شیخ لہ (جس کا کوئی پیر و مرشد نہیں اس کا مذہب ہی نہیں)............ یہ بات مسلم ہے کہ ابتدائے ہدایت میں نہ پیغمبر کی حاجت ہوتی ہے اور نہ شیخ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ پہلی ہدایت کا بیج محض اللہ تعالیٰ کے دست عنایت و کرم پر موقوف ہے۔ جس دل کی زمین میں چاہے بودے۔ ولکن اللہ یھدی من یشاء (جس کی چاہتا ہے اللہ ہی ہدایت کرتا ہے)۔ مگر جہاں وہ بیج اگ چلا اس کی پرورش کے لئے پیغمبر کی حاجت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اللہ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ انک لتھدی الیٰ صراط مستقیم (بے شک تم سیدھا راستہ

دکھاتے ہو)۔ یا شیخ کی ضرورت پڑتی ہے کہ ان کی ذات بابرکات پیغمبروں کی نائب ہے۔

وممن خلقنا امة یھدون بالحق (اور میں نے جن کو پیدا کیا وہ اپنی امت کو حق اور راستی کی طرف لے جاتے ہیں)''۔

حضرت مخدوم جہاںؒ نے ان کے ماسوا چند عقلی دلیل بھی دی ہے۔ اس میں ایک یہ ہے کہ راہ طریقت میں قدم پھسلتے ہیں سیکڑوں فلسفی، دہری، ملاحدہ، معتزلہ، اباحتی اور اکثر بندہ نفس و ہوا بغیر امداد شیخ کامل اور مقتدائے واصل کے محض اپنی عقل کے بھروسے پر اس راہ پر چلے پس فوراً ہی بھٹک کر دشت پر خار میں ایسے الجھے کہ نکل نہ سکے۔ دین وایمان سب برباد ہو کر رہ گئے۔ ایک اور دلیل یہ دی ہے کہ اس راہ کے چلنے والوں کو مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ طرح طرح کے امتحان کی نوبت آتی ہے، یہاں تک کہ دل چھوٹا اور پست ہو جاتا ہے۔ اگر شیخ کامل صاحب تصرف نہ ہو تو دل اور بھی بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں شیخ کامل کی ہمت افزائی اور بروقت رہبری مرید کے حوصلہ کو بڑھانے میں مددگار ہوتی ہے۔ اور ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ سالک کا گزر ایسے مقامات سے بھی ہوتا ہے جہاں روح اس جسم خاکی سے مجرد ہو کر نور حق کے پرتو میں ڈوب جاتی ہے اور ذوق سبحانی وانا الحق سے لبریز ہو جاتی ہے اور سمجھتی ہے کہ جو پانا تھا پالیا۔ عقل وفہم یہاں کام نہیں کرتے، پیر کامل کا سایہ ہی اس کو توحید خالص اور ایمان کے رستہ پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ ایک اور اہم دلیل یہ ہے کہ اثنائے سلوک مبتدی کو غیب کے عجائب نظر آتے ہیں، عجب عجب مہیب خبریں ملتی ہیں اور شیطانی، نفسانی، نیز رحمانی احوال وکیفیات رنگ بدل بدل کر سامنے آتے ہیں۔ یہاں پر بھی پیر کامل کی دستگیری ہی مرید کو کام آتی ہے اور اس کی ترقی کی راہ کھلی رہتی ہے۔

یہاں تک تو ہوئیں طلب پیر کی ضرورت اور اس کے لئے عقلی اور نقلی دلائل۔ مگر دو اہم سوالات اور بھی ہیں، اوّل یہ کہ خود مرید کی طلب کیسی ہونی چاہئے اور دوئم یہ کہ اہلیت شیخی کے کیا شرائط ہیں۔

ارادت مرید۱۰: ارادت دل کے میلان کا نام ہے جو خیال کو کسی خاص چیز کی طرف

جمادے اور ایسی تحریک پیدا کردے جس سے قصد طلب ظاہر ہو۔ یہ ارادت مستحسن جب ہے جبکہ مقصود مستحسن ہو۔ حقیقی ارادت تو وہ ہے جس میں مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس ارادت کا تقاضہ یہ ہے کہ مقصود میں کسی اور چیز کی آمیزش یا ملاوٹ نہ ہو، ہر طرف سے منہ موڑ کر بس اللہ تعالیٰ کی ہی طلب ہو، اسی طرف متوجہ ہو۔ حق تعالیٰ کی ارادت معمولی چیز نہیں۔ یہاں تو کسی اور کی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ انسان بہرصورت انسان ہے، اس کو ہزار طرح کے تعلقات نے گھیر رکھا ہے۔ چنانچہ بعض آدمی ایسے ہیں جن میں ارادت پیدا ہی نہیں ہوتی، بعض ایسے ہیں کہ ارادت میں تو ضعف پیدا نہیں ہوتا مگر کلی طور پر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے، ہر شائبہ سے اس کو پاک صاف نہیں کر سکتے۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ درستی ارادت کے بعد مراد کو دور پا کر تھک کر بیٹھ جاتے ہیں اور دل ہار دیتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ریا اور عجب صاحب ارادت کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ادھر مریدی کی شان آئی اور تمنا ہونے لگی کہ دنیا ان کو غوث قطب اور ولی کہنے لگے۔ تو بات یہ ہے کہ صحیح مرید وہ ہے جس کی ارادت ہر آمیزش سے پاک ہو۔ اس میں نہ دنیا طلبی ہو نہ درجات عقبیٰ کی تمنا ہو۔ صرف اور صرف اللہ کی ارادت ہو۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں [۱۰]:

''اب سنو طریقت میں ارادت کا وہی درجہ ہے جو درجہ نیت کا شریعت میں ہے جس طرح شریعت کی عبادت بے نیت کی قدر نہیں رکھتی۔ اسی طرح طریقت میں جو حرکت بغیر ارادت کے ہوگی اس کا کچھ وزن نہ ہوگا۔ تم اس کو جانتے ہو کہ ارادت کی کتنی قسمیں ہیں۔ ارادت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ **ارادت دنیا**۔ یعنی دن رات دنیا طلبی میں آدمی مستغرق رہے۔ یہ ارادت سراسر آفت اور مرض مہلک ہے۔ جہاں مبتدی کے دل پر اس ارادت کا غلبہ ہوا نہ اس سے کوئی نیکی ہو سکتی ہے نہ کوئی دین کا کام ہو سکتا ہے۔ ساری عمر اسی دنیا طلبی میں ضائع کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن سعادت وراحت جاودانی سے محروم رہے گا۔......

۲۔ **ارادت آخرت**۔ یعنی آدمی دنیا کو ہیچ سمجھ کر درجات آخرت وسعادت ابدی کا

خواہاں ہو اور یہ اس کو اس قدر مرغوب و محبوب ہو جائے کہ اس کے لئے مجاہدہ و ریاضت اختیار کرے اور اپنی زندگی کو اسی میں وقف کر دے تا کہ قیامت کے دن مراد حاصل ہو۔ یہ ارادت زہاد و عباد کا حق ہے۔ اس کا نام رغبت و رہبت ہے۔...... سبحان اللہ ارادت آخرت کا کیا کہنا وہ کہیں افضل و بہتر ہے۔ ...... ان دونوں طلب سے نتیجہ یہ نکلا کہ طامعان ناعاقبت اندیش مریدان دنیا ہیں اور متقیان خیر طلب مریدان عقبیٰ ہیں۔

۳۔ارادت حق۔ جب دیدہ بصیرت کھل جاتا ہے اور نظر دور بین ہو جاتی ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ جتنی چیزیں کُن کے تحت میں ہیں مخلوق و فانی و ذلیل ہیں اور ذلیل و مخلوق کا اتنی سرزنش کے بعد حاصل کرنا سوائے ذلت کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔...... آمدم برسر مطلب جو شخص مرید حق ہے وہ دنیا کو ترک کر دیتا ہے۔ اور آخرت پر قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ سوائے مراد و مقصود کے جو کچھ اس کے آگے آتا ہے سب کو زنا روبت اپنی راہ کا سمجھتا ہے۔ مرید کو چاہئے کہ کمر ہمت جان جی دھو کر باندھے اور مردانہ وار دین کی راہ میں قدم رکھے۔ اور کسی پیر مشفق کی اقتدا کرے تا کہ وہ پیر سلوک راہِ طریقت میں اس کی مدد کرتا رہے۔ اور اس کو منزل کی آفت سے خبر دیتا رہے، اس میں خوبی یہ ہے کہ مرید کی منزل کہیں کھوٹی نہیں ہوتی ہے۔ اور قصور و فتور میں مرید نہیں پڑتا۔ سچ پوچھو تو مرید کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مہم نہیں ہے کہ پیر مشفق کو یہ ڈھونڈ کر نکالے۔ بغیر پیر کام نہیں چلتا"۔

اہلیت شیخی !!: اہلیت شیخی و مقتدائی کیلئے پانچ خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ اس کو مقام عبدیت حاصل ہو، ۲۔ صفات بشریت سے نکل گیا ہو اور بے واسطہ قبول حقائق کی استعداد ہو، ۳۔ تخلقو باخلاق اللہ سے آراستہ ہو، یعنی رحمت و شفقت وغیرہ خلق اللہ پر ایسی ہو کہ انہیں اپنا عیال سمجھنے لگے، ۴۔ دل کی تختی سے عقلی، سمعی اور حسی علوم دھل گئے ہوں، اور ۵۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات وافعال کی معرفت حاصل ہو یعنی علم لدنی حاصل ہو۔

یہ پانچوں صفتیں آیتِ قرآنی فوجدا عبدا من عبادنا اٰتیناہ رحمتہ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما سے استخراج کی گئی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مبتدی ایسے شیخ کو کہاں سے ڈھونڈھ نکالے۔ مبتدی کو اس کا حق بھی نہیں کہ اپنی کوتاہ چشم سے مردان خدا میں تمیز کرے اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ہر مدعی کا مقلد بن جائے۔ پھر چارہ کار کیا ہے؟ مختصر سا جواب یہ ہے کہ جب مبتدی صدق دل سے راہ طلب میں قدم رکھتا ہے اور عنایت ربانی سے اس میں حرص وہوا، اور لذت وخواہشات نفسانی سے رغبت ختم ہو جاتی ہے اور حضرت صمدیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو بمصداق لنہدینہم سبلنا اس کے لئے راستہ نکل جاتا ہے اور عنایت الٰہی سے ایک شیخ واصل اس کو مل جاتا ہے۔ بے شک شیخ کو سالک ہونا چاہئے، مجذوب نہیں۔

ممکن ہے کہ یہ خیال گزرے کہ ایسے شیخ آج کل کہاں ملیں گے۔ حضرت مخدوم فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے بندے ہیں کہ بہ متابعت رسول اللہ ﷺ کل کائنات سے ترقی کر چکے ہیں اور تجلیات صفات جمالی وجلالی میں ان کی ہستی گم ہو چکی ہے۔ یہ حضرات اس مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں کہ جن کے لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ ''جب اس کو دوست بناتے ہیں تو ہم اس کے کان آنکھ ہاتھ اور زبان بن جاتے ہیں''۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہمت وشفقت کی نظر کریں تو بیگانہ یگانہ ہو جائے، عاصی مطیع ہو جائے اور تخت ولایت پر اس کو جگہ مل جائے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ کوئی بقعہ اور مقام ایسا نہیں ہے جہاں ایک صاحب ولایت نہیں ہے۔ جتنے بے دولت ہوتے ہیں سب اسی کے سایہ دولت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ہمیشہ ہماری امت میں تین سو چھپن ولی موجود رہتے ہیں۔ انہیں کے دم قدم کی بدولت عالم قائم رہتا ہے۔ راحت ورحمت اہل زمین پر انہیں کی برکت سے نازل ہوا کرتی ہے۔ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ ان کی صفت کیا ہے۔ ارشاد ہوا الزاھدون فی الدنیا والرغبون فی الاٰخرہ والراضون بقضاء اللہ وقدرہ (وہ لوگ دنیا سے کنارہ کش ہیں اور عقبیٰ کی طرف متوجہ ہیں، اور خدا کی مشیت اور قدرت کے ساتھ راضی ہیں)۔

مرید کے تدریجی مدارج[12]: مرید کا پہلا مرتبہ شریعت پر اپنے کو استوار کرنا ہے۔ جب مرید شریعت کے احکام کو پوری طور پر ادا کر کے چلتا ہے تو پھر اس کے لئے طریقت کی راہ کھلتی ہے۔ مرید کو شریعت کے مرتبہ سے طریقت کے مرتبہ میں داخل ہونے کے لئے ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ طریقت دل کا راستہ ہے۔ جب طریقت کی شرطیں کما حقہ ادا ہو جائیں تو مرید کو چاہئے کہ اپنی ہمت اور بلند کرے۔ ہمت کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مرید کے دل کے پردوں کو اٹھا دیتا ہے اور حقیقت کے معانی جو سالکوں، طالبوں اور صادقوں کے اعلیٰ مقاصد ہیں اس کو دکھائی دینے لگتے ہیں۔ شریعت، طریقت اور حقیقت کا ایک دوسرے سے ایسا تعلق ہے کہ کوئی شخص ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا۔ مشائخ طریقت نے خدا کے راستے میں مریدوں اور سالکوں کے لئے اجمالی طور پر چار مقامات بنائے ہیں[13] اور کہا ہے کہ جب تک مرید اِن چار راستوں سے نہیں گزرے گا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

پہلی منزل عالم ناسوت (دنیا) کی ہے، دوسری منزل عالم ملکوت (عالم فرشتگان) کی ہے، تیسری منزل عالم جبروت (عالم ارواح) کی ہے اور چوتھی منزل عالم لاہوت کی ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے ان چار عالموں کی مزید وضاحت یوں فرمائی: ''ناسوت حیوانات کا عالم ہے یہاں پانچوں حواس سے کام لیا جاتا ہے یعنی سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا۔ جب مرید مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ ان حواس کو پاکیزہ بنا لیتا ہے اور صرف شریعت کے مطابق استعمال کرتا ہے تو عالم ملکوت میں پہنچ جاتا ہے اور جس طرح فرشتوں سے گناہ نہیں ہوتا وہ بھی گناہوں سے محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے۔ وہ فرشتوں کی طرح تسبیح وتہلیل رکوع وسجود اور قیام وقعود میں مشغول رہتا ہے اور جب ان عبادات کی نسبت کو اپنے سے منقطع کر لیتا ہے یعنی معبود اور اس کی عبادت کے درمیان اپنے کو نہیں دیکھتا اور صرف لذت عبادت بن کر رہ جاتا ہے تو عالم جبروت میں پہنچ جاتا ہے اور یہ ارواح کا عالم ہے۔ اور روح کی حقیقت کو چند خاص لوگوں کے سوا کوئی دوسرا نہیں پہچان سکتا۔ اس منزل کی عبادات عشق ومحبت، ذوق وشوق، طلب وجذب اور تواجد ومستی ہیں۔ جب سالک ان عبادات میں فنا ہو جاتا ہے تو عالم لاہوت میں پہنچ جاتا ہے۔ یہی مقام وان الیٰ ربك المنتھیٰ (البتہ تیرے رب تک تیری منزل کی انتہا ہے) کا مظہر ہے۔ عالم لاہوت کا نام عالم لامکان ہے۔ اس عالم میں نطق وگویائی نہیں

ہے"۔

صدق ارادت کی شرائط: سالک کے لئے کسی شیخ پختہ کار کا مرید ہونا اوّل شرط ہے۔ پھر یہ کہ پیر سے حسن عقیدت میں کمال ہونا چاہئے اور اس کے فرمان کا کامل تابعدار ہونا چاہئے بلکہ اس کے ہاتھوں ایسا ہو جیسا کہ مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ اپنے پیر کی موجودگی میں کسی اور کی طرف بغیر پیر کی اجازت کے رجوع نہیں کرسکتا۔ پیر کی تعلیم پر ہی مکمل کاربندر ہے اور اپنے تمام احوال سے پیر کو باخبر کرتا رہے۔ سنت نبی ﷺ پر پورے طور پر عمل کرے اور شریعت ظاہر پر کاربندر ہے۔ اعمال کی درستگی کے لئے حضرت مخدوم جہاںؒ نے نیت اور طہارت پر بھی بہت زور دیا ہے۔ نیت کے سلسلہ میں حضرت مخدوم فرماتے ہیں[14]:

"مرید کے افعال، مرید کے اعمال کی قدر نیت کی درستی سے ہوتی ہے۔ نیت کا درجہ اعمال و افعال کے لئے ایسا ہے جیسے جان قالب کے واسطے ضروری ہے۔ اور نور آنکھ کی بینائی کے لئے لابدی ہے۔ جو قالب کہ بے جان ہو، یا جو آنکھ کہ بے نور ہو ظاہر ہے کہ وہ کس شمار میں ہے۔ اسی طرح اعمال وافعال مرید کے ہیں۔ اگر نیت کی درستگی ان میں نہیں ہے تو وہ رسم وعادات میں داخل ہیں...... جانتے ہو صدق نیت کی کلی کہاں سے ظاہر ہوتی ہے؟ اخلاص کی شاخ سے پھوٹتی ہے۔ جس طرح شعاع آفتاب سے اور ضو آگ سے نمایاں ہوتی ہے۔ نیت جب دنیا کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے تو اس گروہ کے لوگ یعنی اہل تصوف اس کو اخلاص زاہدانہ کہتے ہیں۔ اور جب آخرت کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کو اخلاص عارفانہ کہتے ہیں۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس شخص میں جتنا علم ہوگا اور جیسی اس کی معرفت ہوگی نیت کی درستگی اسی مرتبہ پر ہوگی۔......... مرید کو دن رات اسی کی فکر ہونی چاہئے کہ رسم وعادت کو کس طرح چھوڑے تاکہ نیت درست ہو جائے، اور اس کے اعمال وافعال رسم وعادت سے اس وقت جدا ہوں گے جب کسی شیخ کے جوتوں کی خدمت کرے گا۔ اور جو کچھ بھی کرے کسی بزرگ کے حکم سے کرے، یعنی

ایسی صورت میں اگرچہ اس کے کام مکرونفاق اور عادات سے ملے جلے ہوں مگر چونکہ ایک بزرگ کے فرمان کے اندر ہے اس لئے اس کا انجام خلوص ہی ہوگا......... خیر، جتنی باتیں کہی گئی ہیں بغیر صحبت شیخ حاصل نہیں ہوسکتیں۔ اب جب ایسا ہے کہ اہل دل کی صحبت ہی مفقود ہے تو مریدوں کو کیا کرنا چاہئے۔ وان لم یصیبھا وابل فطل (اگر اس کو بارش کا پانی نہ پہنچ سکے تو شبنم ہی سہی)۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر دولت صحبت کسی صاحب دل کی میسر نہ ہو تو کم سے کم اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ روزانہ ایک جزو ان کی کتاب کا یا ان کا تذکرہ یا ان کے اقوال آدمی پڑھ لے"۔

حضرت مخدوم جہاںؒ طہارت کے ضمن میں فرماتے ہیں[15]:

"تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ دونوں جہان میں آدمی کی قدر طہارت سے ہوتی ہے ہر قسم کی دولت ہر طرح کی سعادت کا زینہ یہی طہارت و پاکی ہے۔......... بہر کیف اس راہ کا دستور العمل یہ ہے کہ بدن کپڑا پاک صاف، کھانا پینا حلال ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ حواس خمسہ کا گناہ معصیت وخلاف شرع سے پاک ومصفا رہنا ضروری ہے۔ پھر دل بھی اوصاف ذمیمہ جیسے بخل ہے، حسد ہے، حقد، ان کے علاوہ جتنی بھی بری صفات ہیں سبھوں سے پاک اور صاف ہونا لازمی ہے۔ خیر اجمالاً تین قسم کی طہارت ہوئی۔ تن، جامہ، لقمہ جب وہ حلال ہو گیا تو مرید نے ایک قدم دین کی راہ طے کرلی۔ ۲۔ حواس خمسہ جب خلاف ومعصیت سے پاک ہو گئے تو مرید نے دو قدم دین کی راہ طے کرلی۔ ۳۔ جب دل اوصاف ذمیمہ سے پاک ہو گیا تو مرید نے تین قدم دین کی راہ طے کی۔ توبہ کی حقیقت یہاں پر کھلتی ہے۔ اور مرید حقیقتہً اس مقام پر پہنچ کر تائب ہو جاتا ہے۔ اصطلاح تصوف میں گردش اسی کو کہتے ہیں۔......... اب مرید کا کیا کہنا ہے۔ اس مقام میں پہنچ کر مرید کے آسمان دل پر آفتاب ایمان طلوع ہوتا ہے اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے۔ دربار معرفت میں مرید کی رسائی ہوتی ہے۔ مگر بغیر ان طہارتوں کے جن کا ذکر اوپر گزرا، مرید اگر قائم اللیل ہے تو ہوا کرے، یا صائم الدہر ہے تو ہوا کرے، یا عابد وزاہد

وقت ہے تو ہوا کرے۔ سارا عمل رسم وعادات، یا ماں باپ کی تقلید پر محمول ہوگا۔ اسلام یعنی ایمان حقیقی کی شان ہی کچھ اور ہے۔........... یہاں پر ایک شبہ بھی واقع ہوتا ہے۔ آخر اتنے لاکھ آدمی جو ایمان واسلام کے مدعی ہیں اور طہارت کے درجہ سے گرے ہوئے ہیں کیا یہ مسلمان نہیں ہیں؟ یا ان کو مسلمان ہی کہنا نہ چاہئے؟ جواب۔ خبردار، کبھی زبان پر نہ لانا کہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ بحکم ظاہر شریعت سب مسلمان ہیں۔ اور اعتقاد کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ ہاں، جہاں پر راہ کی بات کا بیان ہوگا تو صاف صاف کہنا ہی پڑے گا۔ اس عالم کے احکام ہی کچھ اور ہیں۔ کیونکہ یہ عالم باطن ہے۔ جس طرح علم کی دو قسمیں ہیں وہبی اور کسبی۔ اسی طرح طہارت و پاکی کی دو صورتیں ہیں ا۔ خود بخود دل میں ایسی بات پیدا ہو کہ جوارح اور حواس خمسہ طہارت سے آراستہ ہو جائے۔ اس کو فضل محض اور کفایت کہتے ہیں۔ خواص اس کے لئے مخصوص ہیں ۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مجاہدہ وریاضت کے لئے جامہ وبدن کی طہارت سے شروع کرتے ہیں اور پھر دل کو انوار کی منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔ صرف پڑھ لینے اور جان لینے سے تو کوئی بات حاصل نہیں ہوتی۔ عمل صالح، عبادت وریاضت کرنا ہی پڑتا ہے۔ برادر عزیز! تم کو لازم ہے کہ طہارت میں ثابت قدم ہو جاؤ اور بقدر وسع وطاقت اپنے دو تین وقت تجدید وضو کی عادت کر لو۔ ایک بعد طلوع آفتاب، دوسرے بعد نماز عصر، تیسرے بعد نماز عشاء۔ اور شب جمعہ کو رات بھر اس طرح جاگتے رہو کہ بعد نماز عشاء تجدید وضو کرو پھر دوگانہ ادا کرو۔ نماز تسبیح پڑھ لو، پھر متواتر وضو کرو۔ دس مرتبہ پندرہ مرتبہ یا بیس مرتبہ۔ سبحان اللہ، اگر بیس بار ہو تو کیا بات ہے نہیں تو جس قدر ممکن ہو۔ ہر وضو کے بعد دوگانہ ضروری ہے۔ جن دعاؤں کے بارے میں لکھا ہے مریدان کو پڑھے۔ جب تھوڑی رات باقی رہے غسل کرے۔ اس کام کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے۔ یہ عمل کوئی معمولی عمل نہیں۔ انشاء اللہ یہ عمل کرو گے تو خداوند کریم طرح طرح کی پاکیوں سے تمہیں آراستہ کرے گا اور ظاہر وباطن کی آلائش کو دور کر دے گا''۔

مرید کے لئے غور وفکر بھی کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت رسالتمآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک

ساعت (گھنٹہ) کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور حکم ہے کہ غور وفکر خدا کی کائنات اور مصنوعات میں کرنا چاہئے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں جو تفکر کرے گا اندیشہ ہے کہ کفر میں مبتلا ہو جائے گا۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں[16]:

''تو فکر اس کی (اللہ تعالیٰ کی) مخلوقات میں کرنا چاہئے تا کہ وہ مخلوق کے ردّ و بدل، قائم و ثابت رہنا، رنگ بدلنا، کبھی ہونا کبھی نہ ہونا دیکھ سکے۔ اور مخلوقات کو اس کے وجود کے مرتبوں میں پہچانے۔ یہیں سے خدا کی پہچان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر طالب کو چاہئے کہ جب اپنے ظاہری اعمال کو پورا کر چکے تو وظیفہ، سنتوں اور فرض کے ادا کرنے کے بعد کسی کسی وقت تفکر بھی کرے۔ اور جہاں کے پیدا ہونے کے متعلق غور کرے کہ خدا کی اس میں کیا حکمت ہے۔ اور جو غور وفکر عالم آفرینش کے لئے کرے وہی اپنے نفس، دل اور جسم کے لئے بھی کرے اور اپنے مرتبے میں پیدائش سے لے کر اس وقت تک تلاش و جستجو کرے۔ اور طور و طریقے کو غور سے دیکھے۔.......... دوسرے لوگ جو برسوں کی عبادت و ریاضت سے حاصل کرتے ہیں' سچے تفکر سے تھوڑی ہی مدت میں حاصل ہو جاتا ہے۔.......... کوئی مرید تفکر کے راستوں اور طریقوں کو گننا اور جاننا چاہئے کہ کن کن طریقوں سے تفکر ہوتا ہے تو شمار نہ کر سکے۔ کیونکہ فکر کرنے کے طریقے بے انتہا ہیں۔ اور اس کے پھل بھی بہت ہیں اور تفکر کے متعلق بزرگوں کے بہت قصے ہیں۔.......... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرے کا ایک آدمی ان کی والدہ کے پاس گیا اور پوچھا۔ وہ کس طرح عبادت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ دن رات گھر کے ایک کونے میں پڑے رہتے تفکر میں غرق۔.......... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر دو رکعت نماز تفکر کے ساتھ ادا کی جائے تو وہ رات بھر کی اس نماز سے جو بے دلی کے ساتھ پڑھی گئی ہو کہیں بہتر ہے''۔

حق کی طلب اور محبت: حضرت مخدوم جہاںؒ سالک راہ کو ہمت بلند کرنے کی ترغیب

دینے اور عشق الٰہی کا جذبہ پیدا کرنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ [17] سالک کے لئے خدا کی طلب سے بڑھ کر اور کوئی فرض نہیں ہے۔ ہر جگہ اور ہر آن بس اللہ کی ہی طلب ہونی چاہئے۔ یہ کام عظیم ہے۔ طلب کے راستہ کی پہلی منزل نیاز مندی اور انکساری ہے اور بزرگوں نے کہا ہے کہ نیاز خدا کا قاصد ہے، جو بندہ پر مقرر کیا گیا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں:

''جب نیاز اس کے (طالب کے) سینہ میں رکھا گیا، اس کی توجہ خدا کی طرف ہونے لگی۔ اس راہ کے مبتدیوں کو نیاز کی محبت عطا کرتے ہیں۔ کچھ دنوں نیاز کے راستہ میں چلنے کے بعد نیاز ہمت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور پیران راہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مریدوں کی ہمت کے حجرے کے سوا محبت کہیں قیام نہیں کرتی۔ ایک زمانہ تک مرید ہمت کے راستہ میں چل چکا تو ہمت طلب بن جاتی ہے۔ اس طلب کو لا الہ الا اللہ کے حقائق کی شاہراہ میں کھینچ لیتے ہیں۔ اور اس کی درگاہ اس طلب کا نقارہ بجاتے ہیں کہ من طلبنی وجدنی (جس نے مجھ کو ڈھونڈھا اس نے مجھ کو پالیا)۔ اس وقت پکارتے ہیں کہ اے بلندی و پستی، اے بہشت و دوزخ، اے عرش و کرسی ہماری جستجو کرنے والوں کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ یہ ہماری طلب میں نکلے ہیں اور ہم ہی ان کے مطلوب و مقصود ہیں۔ اگر ایسا تمہارے سامنے کیا جائے تو تمہاری ہستی کی کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اور یہ مرتبہ جو کہا گیا اس راستہ میں بندے کی معراج ہے''۔

حضرت مخدوم ایک اور جگہ فرماتے ہیں [18] ''کل مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب بندہ مقامات کے سنگ راہ کو طے کر کے آگے بڑھ گیا اور جملہ اوصاف محمودہ اس کی ذات میں آگئے اور غیر حق کے دیکھنے سے وہ بری ہو گیا تو اس کا حاصل عقل و فہم اور ادراک سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے رہن سہن تک میں وہم و گمان کی رسائی ناممکن ہو جاتی ہے اس وقت وہ اولیائی تحت قبانی کے پردہ میں چھپ جاتا ہے۔ یہ دل جلوں کی باتیں ہیں۔ خودی میں رہنے والوں کے قصے نہیں۔ یہ جوانمردوں کی راہ ہے بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ع رو بازی کن کہ عاشقی کار تو نیست (جاؤ جاؤ عاشقی تمہارا کام نہیں ہے)۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں [19]: ''قیامت کے بعد ہر ایک شریعت مٹا دی جائے گی لیکن یہ دو چیزیں ہمیشہ ہمیشہ قائم

رہیں گی الحب للہ والحمد للہ (خدا کے لئے محبت اور خدا کی حمد وثنا)۔''

شریعت وحقیقت ۲۰: حضرت مخدوم جہاںؒ نے فرمایا کہ کلمہ کا پہلا جز لا الہ الا اللہ حقیقت ہے اور دوسرا جز ومحمد رسول اللہ ﷺ شریعت ہے۔ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم ﷺ تک سبھوں نے اس سلسلہ میں ایک ہی تعلیم دی، البتہ شریعت میں فرق آتا رہا۔ کلمہ کے یہ دو جز مل کر ہی ایمان کی تکمیل کرتے ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے صرف ایک کو مانے اور دوسرا دوسرے کو تو دونوں ایمان سے گئے۔ چنانچہ شریعت وطریقت لازم وملزوم ہیں بعض علمائے ظاہر نے جو یہ کہا ہے کہ شریعت عین حقیقت ہے اور حقیقت عین شریعت ہے تو یہ مغالطہ ہے۔ اس عقیدے کا نقصان یہ ہے کہ انسان باطنی ترقی سے محروم رہ جاتا ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں: ''اور سنو، علم حقیقت کے تین رکن ہیں ا۔ خدا کی ذات کا علم وحدانیت کے ساتھ اور اس کو بے شبیہ و بے نظیر جاننا۔ ۲۔ خدا کی صفات کا علم مع احکام خداوندی۔ ۳۔ خدا کے افعال وحکمت کا علم۔ اسی طرح علم شریعت کے تین رکن ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت۔ اب ہم صاف صاف یہ کہیں گے کہ بغیر شریعت ورزی اہل حقیقت ہونے کا دعویٰ کرنا سراسر زندیقیت ہے۔ اور حقیقت سے بے خبر رہ کر صاحب شریعت بن جانا شان منافقانہ ہے۔ دراصل دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اسی لئے اولیاء اللہ کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ علم درسی، یعنی علم شریعت سے آراستہ، مجاہدہ وریاضت میں صدق واخلاص کا گہرا رنگ، عمل خالص کی نورانیت، رفتہ رفتہ یہی عمل صالح ان کو علم وراثت کا مخزن بنا دیتا ہے۔ جس کو علم حقیقت کہتے ہیں۔.......... اسی علم وراثت یعنی علم کی حقیقت کی بدولت ان بزرگان دین کے اعمال واقوال وافعال واحوال میں ایسا نمایاں تغیر نظر آتا ہے کہ علمائے ظاہر دنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔.......... اور بول اٹھتے ہیں کہ یہ بات خلاف روایت ہے۔.......... سنو! اللہ تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اپنے دوستوں کو مقام سری میں پہنچا کر غلط الہام اور غلط مکاشفات میں ان کو مبتلا کر دے۔ کیونکہ ان بزرگوں کا دل جب انوار سری سے متجلی ہو جاتا ہے تو اس پر جو بات ظاہر ہوتی ہے سب حق کی طرف سے ظاہر ہوتی ہے''۔

معرفت الٰہی: راہ سلوک میں سالک کو یہ حکم ہے کہ کسی مقام پر ٹھہر نہ جائے، اس کی منزل تو تقرب الٰہی میں کمال حاصل کرنا ہے اور اس کا زادِ راہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان کیا ہے۔ کیونکہ اگر پہچان نہیں ہے تو محبت کیسے پیدا ہوگی۔ اور اگر محبت پیدا نہ ہوئی تو راہ سلوک طے کیسے ہوگا۔ اور تقرب الٰہی کا کمال کیسے حاصل ہوگا۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ معرفت (یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان) مومن کی روح کا جوہر ہے اور پیدا کرنے والے کی معرفت پیدا ہونے والوں کی معرفت سے ظاہر ہوتی ہے اور پیدا کرنے والے کی معرفت سے عارفوں کو بقا اور نجات حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں [۲۱]: ''اور معرفت کی حقیقت معبود کی پہچان ہے جبکہ وہ اپنی ذات اور صفات اور فعل میں بغیر اس کے کہ کوئی غلطی اور خطا اور کوئی کیفیت اس میں داخل ہو۔ اور معرفت کے طلبگار کو خدا کے ساتھ ایسا لگاؤ ہونا چاہئے جیسا کہ خدا کو اپنی ذات وصفات کے ساتھ ہے۔ اور اس بات کو اپنے کلام میں خود ہی فرمایا ہے ☆۔ لیکن معرفت کے کمال کے متعلق دو باتیں ہیں۔ بعض متکلموں کا قول یہ ہے کہ بندہ خدا کو جانے جیسا کہ خود خدا اپنے کو جانتا ہے۔ اگر پوری طرح نہیں جان سکتا تو بعض کو جانے اور بعض کو نہ جانے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات میں تجزی محال ہے۔ تو سب معرفت کی تلاش کرنے والے اس معرفت میں برابر ہیں۔ سب خدا کو ایسا جانتے ہیں جیسا کہ خدا اپنے کو جانتا ہے۔ اس گروہ کو معرفت کے کمال کا دعویٰ ہے۔ اور دوسرا قول بعض عقلا اور متکلموں کی ایک جماعت اور صوفیوں کا مسلک وہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کو کمال کے درجے تک کوئی نہیں جان سکتا۔ اور سب اس کو اتنا جانتے ہیں جیسا کہ وہ ہے (یعنی اپنی عقل نہیں لگاتے) اور اسی قدر جانتے ہیں کہ نجات پاسکیں۔ لیکن کمال کا دعویٰ نہیں کرتے۔ جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''العجز عن درك الادراك ادراك یعنی خدا کی معرفت کی دریافت سے عقل کو عاجز سمجھنا بھی ایک

☆ ترجمہ کی عبارت ذرا گنجلک ہے۔ زیادہ سلیس ترجمہ یہ ہے: اور معرفت کی حقیقتِ معبود کی پہچان ہے جیسا کہ وہ اپنی ذات اور صفات میں ہے اور جسمیں کسی غلطی، خطا، یا کیفیت کا امکان بھی متصور نہ ہو۔ عارف کو چاہئے کہ اللہ کا عرفان اسطرح کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کا بیان کلام اللہ میں کیا ہے۔

ادراک ہے"۔ معرفت کے حصول کی راہ کی سواری تو عشق الٰہی ہے۔ اس عشق میں جو جتنا کامل ہوتا گیا وہ اپنے سے بے خبر ہوتا گیا۔ اسے سوا محبوب اور محبت کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کسی نے اس مقام کو وحدت الوجود سے تعبیر کیا تو کسی نے وجود شہودی سے مگر صورتحال صحیح تو یہی ہے کہ جیسا کہ اس رباعی میں کہا گیا ہے۔

گفتم کہ کرائی تو بدیں زیبائی   گفتا خود را کہ خود منم یکتائی

ہم عاشق وہم عشقم وہم معشوق   ہم آئینہ ہم جمال ہم بینائی

(ترجمہ: میں نے کہا تو اس حسن و جمال کے ساتھ کس کے لئے ہے؟ اس نے کہا اپنے لئے کیونکہ میں یکتا اور بے مثل ہوں میں خود عاشق، خود عشق و خود معشوق ہوں۔ خود ہی آئینہ ہوں خود ہی حسن اور خود ہی نگاہ)

اولیاء اللہ: اب مناسب ہے کہ کچھ ان کا تذکرہ ہو جنہوں نے سلوک کی راہ میں قدم رکھا اور کامیاب رہے۔ یہ اولیاء اللہ ہیں حضرت ابراہیم ادہمؒ نے ایک مرید سے پوچھا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ولی اللہ ہو جاؤ، مرید نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تو پھر دنیا اور عقبیٰ کی طرف رغبت نہ کرو۔ اور خداوند تعالیٰ کی دوستی کے لئے اپنے نفس کو جملہ علائق سے فارغ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ جس وقت تم میں یہ اوصاف پیدا ہو گئے تم ولی ہو گئے[۲۲]۔

یوں تو ولایت عام ایمان کو کہتے ہیں۔ جو شخص ایمان لایا وہ اولیاء اللہ سے ہوا۔ لیکن یہ ولایت عام ہے۔ ایمان لانے والوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں [۲۳] پہلی قسم عام مسلمانوں کی ہے جو ایمان تو لائے مگر اوامر ونواہی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان کی ہے جو اوامر ونواہی میں شریعت کے پابند ہوتے ہیں۔ تیسری قسم خاص الخاص کی ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ اوامر ونواہی میں شریعت کے پابند ہوتے ہیں بلکہ اپنی جملہ مراد سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ عام اصطلاح میں اسی تیسری قسم کو اولیاء اللہ کہتے ہیں، ویسے پہلی اور دوسری قسم کے مومنین کو بھی ولی کا ایک درجہ حاصل ہے اور ان دونوں میں بھی فرق ہے کہ دوسری قسم کو پہلی پر فوقیت حاصل ہے۔

اولیاء اللہ کی شان کے بارے میں حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں [۲۴]: "اب سنو، خداوند

تعالیٰ نے بارگاہ نبوت کے دلائل کو آج بھی باقی رکھا ہے۔اوران دلائل کے اظہار کے لئے اولیاء ہی کی ذات بابرکات کو سبب ٹھہرایا ہے۔اوران کو اس عالم کا حکمران بنایا ہے۔آسمان سے بارش انہیں کے قدم کی برکت سے ہوتی ہے انہیں کے احوال پاکیزہ کا فیض ہے کہ نباتات زمین سے اگتے ہیں۔کفار پر فتح ونصرت مسلمانوں کو انہیں کی بدولت ہوتی ہے۔.........سنو،ان ولیوں میں سے چار ہزار ولی ایسے مستور و پوشیدہ ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی قدر و منزلت کو نہیں جانتے پہچانتے، بلکہ اپنے احوال و جمال کی بھی خبر نہیں رکھتے۔ان کے کل احوال اپنے اور خلق کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔احادیث میں بھی ہے۔اور بزرگانِ دین نے بھی ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ان کے علاوہ تین سو ولی اہل خدمت ہیں جو اس عالم میں صاحب حل وعقد ہیں۔ان کا لقب اخیار ہے اور چالیس وہ ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں اور ستر وہ ہیں جنکو ابرار کہتے ہیں اور پانچ نجبا اور چار نقبا اور ایک قطب ہیں غوث کا لقب ہے۔ان کے علاوہ چار وہ ہیں جن کو اوتاد کہتے ہیں۔اور تین وہ ہیں جن کو نقبا کہتے ہیں۔اور دو وہ ہیں جن کو نجیب کہتے ہیں۔ان سب کے علاوہ ایک ذات وہ ہے جن کو قطب یا غوث کا لقب ہے۔یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں اور دنیا کے کاروبار میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔احادیث میں ان کا ذکر ہے۔اور اجماع اہل سنت اس پر ہے"۔

نوازشات ربی درراہ سلوک: راہ سلوک میں سالک کو ایسے مشاہدات ہوتے ہیں کہ جن کی لذت جن کو نصیب ہوتی ہے وہی جانتے ہیں۔ان مشاہدات میں انوار، مکاشفات اور تجلیات کا ذکر حضرت مخدوم نے بڑی وضاحت سے کیا ہے۔

انوار: حضرت مخدوم فرماتے ہیں [۲۵]: " آئینہ دل جب صاف ہو جاتا ہے اور طبعی زنگار جب مٹ جاتا ہے اور صفات بشریت کی سیاہیاں جب دور ہو جاتی ہیں تو یہی دل ظہور انوار غیبی کے لائق ہو جاتا ہے۔ابتدائے حال میں وہ نور اکثر برق یا تیز روشنی یا صاف روشنی کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔اس آئینہ

دل میں جتنا اچھا صیقل ہوگا یہ انوار اپنا رنگ وروغن زیادہ دکھائیں گے۔اس کے بعد وہی نور جو برق کی طرح چمک جاتا تھا اس میں ایک ثبات وقیام چراغ یا شمع یا مشعل یا ایک روشن آگ کی طرح پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر علوی نور پیدا ہوتے ہیں۔ ابتداءً یہ نور علوی چھوٹے بڑے ستاروں جیسے ہوتے ہیں پھر چاند کی طرح دکھائی دیتے ہیں پھر آفتاب کی مثل نظر آتے ہیں۔ پس تم ہوشیار ہو جاؤ کہ جو نور برق یا تیز روشنی یا صاف روشنی کی طرح ظاہر ہوتا ہے اکثر و بیشتر وضو اور نماز کی برکت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ روحہ کے ایک مرید صاحب وضو کر کے حجرے میں داخل ہوئے ناگاہ ایک نور دیکھا۔ دیکھنا تھا کہ چیخ اٹھے۔ دھوکہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ خداوند تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا۔ یہ نعرہ اس مستی میں تھا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ اس حال سے واقف ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ناتجربہ کار تو کہاں ہے اس نور کو تو سمجھا کیا ہے؟ ارے، یہ نور تیرے وضو کا ہے۔ تیری بساط اور وہ درگاہ، چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ دیکھو اس وقت اس مرید کے سر پر اگر پیر کا سایہ نہ ہوتا تو بے چارہ ہلاک ہو چکا تھا۔ خیر، جو نور چراغ یا شمع یا مشعل کے مانند دکھائی دے وہ نور شیخ کی ولایت و فیضان کا ہوتا ہے یا فیضان بارگاہ نبوت ﷺ کی بدولت ہے۔ اس فیضان کی وجہ سے دل گویا چراغ و شمع کی مانند منور و تاباں ہو رہا ہے۔ اگر قندیل یا فانوس کی صورت میں دیکھو تو اسے بھی یہی سمجھو، جیسا کہ کہا گیا۔ اگر علویات کی صورت میں دیکھو، یعنی ستارہ، ماہتاب، آفتاب کی مانند تو وہ انوار روحانی ہیں جو آسمان دل پر بقدر صفائے دل ظاہر ہوتے ہیں۔ .... اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انوار صفات خداوند عزوجل کا پرتو بھی بمقتضائے من تقر الی شبراً تقربت الیہ ذراعا (جو کوئی ہم سے ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے، ہم اس سے ایک گز قریب ہو جاتے ہیں) پیش قدمی کرتا ہے۔ .... اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو نور نظر آیا یہ نور صفات خداوند کا پرتو ہے۔ تو بزرگوں نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ انوار صفات حق کا مشاہدہ جب ہوتا ہے تو وہی نور اپنی تعریف آپ کرتا ہے اور خود اپنے کو پہچنوا دیتا ہے۔ .... خیر، جب نور روح پر حق تعالیٰ کے نور کا عکس پڑے گا تو اس کے مشاہدہ میں لذت و ذوق کی آمیزش ہوگی۔ اور نور حق تعالیٰ بے حجابِ روحی و دلی مشاہدہ میں آئے گا بے رنگی بے کیفی بے جسدی بے مثلی بے ضدی ظاہر ہوگی۔ اس صورت میں وقار و تمکنت سالک کے لوازمات میں سے ہے۔ اس مقام میں نہ

طلوع ہے نہ غروب ہے، نہ یمین ہے نہ یسار، نہ بلندی ہے نہ پستی، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بعد ہے، نہ دن ہے نہ رات ہے، اس مقام میں نہ عرش ہے نہ فرش ہے، نہ دنیا ہے نہ آخرت''۔

کشف ۲۶: حجاب کے اٹھ جانے کو کشف کہتے ہیں۔ صاحب کشف ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جو جو چیزیں پہلے اسے معلوم نہ تھیں۔ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں: ''خیر، جب سالک صادق جذبات ارادت کے اثر سے طبعی عادات ونفسانی خواہشات کے تحت الثری سے نکل کر اعلیٰ علیین شریعت پر پہنچتا ہے اور نہایت سچائی سے قدم راہ طریقت میں رکھتا ہے اور اس کے پوری قوانین وضوابط کی پابندی کے ساتھ کسی پیر کی پناہ میں آجاتا ہے تو اسّی ہزار حجابوں میں سے جیسے جیسے حجاب اٹھتا جاتا ہے ہر مقام کے اعتبار سے مرید کو ایک نئی آنکھ ملتی جاتی ہے۔ اور ہر ہر مقام کے احوال اس کی نظر کے سامنے ہوتے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے مقام عقل میں اس کو بینائی حاصل ہوتی ہے۔ جتنا حجاب اٹھتا ہے معقولات کے معانی منکشف ہوتے ہیں اور اسرار ورموز معقولات کھلتے ہیں۔ اسی کو کشف نظری کہتے ہیں، اور ترقی کر جاتا ہے تو اس کو مکاشفات دلی حاصل ہوتے ہیں اور اسی کو کشف شہودی کہتے ہیں۔ اس مقام میں مختلف قسم کے انوار کشف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مکاشفات سری پیدا ہوتے ہیں، اسی کو کشف الہامی کہتے ہیں۔ تخلیق عالم کے اسرار اور ہر چیز کے وجود کی حکمت، سالک پر تمام ہوتی ہے۔ .... بعدہٗ مکاشفات روحی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کو کشف روحانی کہتے ہیں۔ اس مقام میں بہشت ودوزخ اور ملائکہ کا دیکھنا، ان لوگوں کی باتیں سننا، ان سے باتیں کرنا ان معاملات کا سامنا ہوتا ہے۔ اور جب روح کو بالکل صفائی حاصل ہوگئی، جسمانی کدورتیں سب زائل ہوگئیں، تو عالم لامتناہی ظاہر ہوتا ہے۔ ازل اور ابد کا دائرہ سالک کے پیش نظر ہوتا ہے۔ اس مرتبہ میں حجاب زمان ومکان کا اٹھ جاتا ہے۔ .... پس جب حجاب زمان ومکان دنیاوی اُٹھ جاتے ہیں اور آخرت کے زمان ومکان کشف ہو جاتے ہیں تو اس مقام میں جہت کا حجاب باقی نہیں رہتا''۔

تجلی ۲۷: حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں کہ اصل میں تجلی کا تعلق ظہور ذات وصفات خداوندی سے ہے، مگر روح کی بھی تجلی ہوتی ہے۔ بہت سے سالک کو اس کی تمیز نہیں ہوتی ہے اور تجلی روح کو سمجھتے ہیں کہ حق کی تجلی ہے اور غرور و پندار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شیخ کامل کا سایہ اگر سر پر نہ ہو تو اس منجدھار سے سالک کا نکلنا مشکل ہے۔ تجلی ذاتی وصفاتی کے مشاہدہ کے لائق سالک اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کا آئینہ دل ماسویٰ کی کدورتوں سے مصفیٰ اور مجلاّ ہو جاتا ہے اور کمال درجہ کی صفائی ہو جاتی ہے۔ اس وقت سالک کا دل حضرت عزت کے آفتاب کی جلوہ ریزی کے لائق ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ضروری بھی نہیں کہ جس کا دل صاف ہو جائے اسے تجلی ذاتی وصفاتی کا مشاہدہ بھی ہو جائے کیونکہ اس کا انحصار محض فضل خداوندی پر ہے۔ تجلی روح کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دل کی صفائی کے بعد اتنی ترقی سالک کو ہوتی ہے کہ انوار روح بہ شان تجلی ظاہر ہوتے ہیں اور اس وقت سالک سے صفات بشریت بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ تجلی ربانی اور تجلی روحانی کے فرق کی وضاحت میں حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں: ''پہلی بات یہی ہے کہ تجلی روحانی پر حدوث کا دھیان لگا ہوا ہے۔ اس کو فنا کرنے کی صلاحیت اور قوت نہیں ہے۔ اگرچہ جس وقت اس تجلی کا ظہور ہوتا ہے صفات بشری بالکل زائل ہو جاتے ہیں، لیکن ہمہ تن فنا نہیں ہوتے لیکن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتی صفاتی تجلی ان آفتوں سے بری ہے۔ کیونکہ اس کا خاصہ ہے کہ نفس کو مغلوب کر دے اور صفت باطل کو جلا دے۔ .... دوسری بات یہ ہے کہ روحانی تجلی جس وقت ہوگی دل میں ظلمانیت بھی ظاہر ہوگی اور شائبہ شک وشبہ سے دل کو چھٹکارا نہ ہوگا۔ اور معرفت کا پورا پورا ذوق حاصل نہ ہوگا۔ اور حق جلالہ کی تجلی بالکل اس کے برعکس ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ تجلی روحانی سے غرور پیدا ہوتا ہے اور عجب وخودی بڑھتی ہے۔ طلب میں نقصان پیدا ہوتا ہے اور خوف وعجز کم ہو جاتا ہے۔ حق سبحانہ کی تجلی کی بات ہی دوسری ہے۔ ہستی نیستی سے بدل جاتی ہے اور درد طلب بڑھ جاتا ہے اور پیاس زیادہ ہو جاتی ہے۔ اب تم ان باتوں کا لب لباب اور نچوڑ سن لو کہ انسان ذات وصفات باری تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ جب انسان کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے اس وقت حضرت خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے تجلی کرتا ہے۔ اگر حیات کی صفت میں تجلی ہوگی خضر والیاس علیہما السلام کی طرح حیات جاودانی ملے گی۔ اور اگر بہ صفت کلام تجلی ہوگی موسیٰؑ کی

طرح متکلم ہوگا۔..........جس شخص میں امانت کی شان آتی ہے وہ ہمت جس شخص کے ساتھ صرف کرے گا فوراً ہلاک ہو جائے گا۔ اور صفات کو بھی اسی پر قیاس کرو۔'' حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مشاہدہ، مکاشفہ، اور تجلی میں نہایت باریک فرق ہے، بغیر بصیرت اور کافی تامل کے سمجھنا مشکل ہے۔ پھر حضرت مخدوم تجلی اور استتار کا فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لغوی معانی کے اعتبار سے تجلی کے معنی کشادہ ہونا اور استتار کے معنی پوشیدہ ہونا ہے۔ جب سالک کا دیدہ سر اپنی طرف مشغول رہے گا غیب کا دیدار پوشیدہ رہے گا، اس کو استتار کہتے ہیں اور جب حق کی طرف سے دیکھے گا اور اس کی ملک جانے گا، گویا اس نے بشریت سامنے سے ہٹادی اور غیب کا مشاہدہ کیا اسی کو تجلی کہتے ہیں۔

سماع ۲۸: سماع کی حلت وحرمت پر علماء نے بحثیں کی ہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ سماع اہل حقیقت ومعرفت کے لئے مستحب ہے اور اہل ورع یعنی زاہد اور پرہیز گار کے لئے مباح ہے اور اہل نفس وشہوت کے لئے مکروہ ہے۔ قصائد واشعار کے متعلق جب حضرت رسالت مآب ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کلام ہے، اگر اچھا ہے تو اچھا ہے اور برا ہے تو برا ہے۔ اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ اگر کلام میں پند ونصائح ہوں، خدا کی مہربانیوں کا ذکر ہو، متقیوں اور صلحا کا ذکر ہو یا اسی طرح کا اور کلام ہو تو چاہے نظم میں ہو یا نثر میں وہ مستحب ہے۔ وہ کلام جس میں کسی کی ہجو کی گئی، یا کلمات کفر ہوں تو حرام ہیں۔ ایسے اشعار جن میں شہروں، مقامات ومنازل، ایام گزشتہ یا امم ماضی کا ذکر ہو مباح ہیں۔ اور ایسے اشعار جن میں خال وخط، زلف ولب، قد وقامت وابرو کا ذکر ہو جنہیں عام لوگوں کا مذاق پسند کرے یہ مکروہ ہیں۔ الغرض، اصل میں تو اشعار اور ان کا سننا مباح ہے، اگر ان سے نیکی کی طرف رغبت ہوتی ہے تو مستحب ہے، اگر برائی کی طرف رغبت ہوتی ہے تو مکروہ ہے (بعض صورتوں میں حرام بھی ہو سکتی ہے)، اور اگر نہ نیکی کی طرف نہ برائی کی طرف رغبت ہوتی ہو تو مباح ہے۔ اسی بنا پر سماع کے لئے تین شرائط بتائی گئی ہیں مکان، زمان اور اخوان کیونکہ اگر ان کی صحیح پاسداری کی جائے گی تو کلام اور اس کا سماع مستحسن ہوگا۔ ان کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ مکان یا تو مشائخ کی خانقاہ ہو یا کوئی پاک وصاف کشادہ اور روشن مقام ہو۔ اخوان کے لئے شرط ہے کہ فقراء ودرویش ہوں یا یاران باتمیز صحبت یافتہ اور ریاضت کشیدہ ہوں۔ اور زمان

یہ ہے کہ تمام اشغال سے فارغ اور خالی ہو۔ بہر صورت، سوال یہ ہے کہ سماع سے مشائخ کو شغف کیوں ہوتا ہے؟ حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں ۲۹: ''معلوم کرو (ہو) کہ دل اور دماغ اسرار خداوندی کے خزانے اور جواہر معانی کی کانیں ہیں۔ اور ان اسرار و معانی کا دل میں پوشیدہ ہونا اس طرح ہے جیسے پتھر اور لوہے میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے، اور سماع اس آگ کا پیدا کرنے والا ہے جو اس لوہے اور پتھر میں پوشیدہ ہے۔ پس سماع سے وہی چیز ظاہر ہوتی ہے جو اس دل میں چھپی ہوئی ہے، جس طرح گھڑے اور صراحی سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہوتی ہے۔ پس یہاں سمجھنا چاہئے کہ جس دل میں خداوند عز و جل کی محبت زیادہ ہوگی اور وہ اس کے دیدار کا مشتاق ہوگا اس کے حق میں سماع شوق کا بھڑکانے والا اور عشق و محبت کو ابھارنے والا ہے۔ اور اس آگ کو ظاہر کرتا ہے کہ جو سینے کے نہاں خانے میں دبی ہوئی ہے۔ اور مکاشفات و ملاطفات کے ذریعہ وہ احوال شریفہ ظاہر ہو جائینگے جن کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس جانو کہ جس کو یہ دولت نصیب ہے اور اس نعمت کا لطف حاصل کرنے والا ہے تو اس کے احوال شریفہ کو صوفیوں کی زبان میں وجد کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں سماع کا سننا حلال ہی نہیں بلکہ مستحب ہے اور واجب ہو جاتا ہے۔ یہ وہ قدم ہے کہ اٹھتا تو عالم ہزل (لہو ولعب) میں ہے مگر جب اس مقام کے سالک کے سماع میں پہنچتا ہے تو جد (بزرگی) ہو جاتا ہے کیونکہ وہ صاحب سماع اپنی فطرت بشری سے بدل چکا ہے جو چیز اس کو ملتی ہے وہ بھی بدل جاتی ہے۔ اسی لئے پیران طریقت نے فرمایا ہے کہ ان کے سامنے رندانہ اشعار شراب و کباب کے متعلق گائے جاتے ہیں لیکن وہ اس کے دوسرے معنی لیتے ہیں۔ لفظ وصال سے دیدار الٰہی، فراق سے حجاب خداوندی اور چشم سے نظر لطف اور خدا کی مہربانیاں مراد لیتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کا انداز ہے''۔ حضرت مخدوم جہاںؒ نے مزید ایسے ہی اور اہل وجد کے مترادفات کی تفصیل کا ذکر کیا مثلاً زلف سے قرب خداوندی یا الوہیت کے اشکال کا سلسلہ یا کفر کی ظلمت، چہرے کی چمک سے ایمان کا نور، کفر سے اپنی ہستی اور اعمال کا چھپا لینا، ارتداد سے اپنی خودی سے پھر جانا مراد لیتے ہیں۔ شراب و مستی سے یہ مراد لیتے ہیں کہ دین کا کام محض علم اور گفتگو سے نہیں سنورتا بلکہ ذوق دل سے آراستہ ہونا ضروری ہے جب خراباتی اشعار سنتے ہیں مثلاً

هر کو بخرابات نہ شد بے دین است

زیرا کہ خرابات اصول دین است

(جو شخص میخانے نہ گیا ہو وہ بے دین ہے کیونکہ شراب ہی تو دین کی بنیاد ہے)

تو اس کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں کہ صفات بشری جو زندگی کی آبادی سمجھی جاتی ہے جب تک خراب ویران نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ صفتیں جو انسان کے جوہر میں پوشیدہ ہیں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شعر کو ہر شخص اپنے مرتبہ اور حال کے مطابق سمجھے اور الگ ہی معنی مراد لے۔

حضرت مخدوم جہاںؒ سماع کے آداب کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''جب تک ضروری نہ ہو تو سماع نہ کرے اور اس کو عادت نہ بنائے اور ہر وقت سماع میں مشغول نہ رہے تا کہ اس کی تعظیم واحترام دل سے نکل نہ جائے۔اور چاہیے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے موافقت کی امید نہ رکھے۔اگر کوئی موافقت کرے تو منع نہ کرے۔اگر کوئی تواجد میں ہے تو اس کے حال پر تصرف (چھیڑ چھاڑ) نہ کرے۔اور اس کو اس شعر کے لطف و ذوق سے نہ ہٹائے جس سے وہ تواجد کر رہا ہے، کیونکہ بڑی پریشانی اور بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔اور اگر قوال خوش الحانی سے گا رہا ہے تو اس کی تعریف نہ کرے کہ اچھا گاتا ہے۔اور اگر اچھا نہیں گاتا یا ناموزوں شعر پڑھتا ہے تو نہ کہے کہ بہتر اور درست ادا کرو۔اور اس سے دل میں رنجیدہ نہ ہو اور شرم سے اس کی طرف نہ دیکھے بلکہ خود صحیح اور درست سنتا رہے۔اور اگر کسی جماعت پر سماع کی کیفیت طاری نہ ہو اور تم کو اس سے کوئی حصہ نصیب ہو تو چاہیے کہ اپنی ہوشیاری میں ان کی مستی اور بے خودی کو نیاز مندی کے ساتھ دیکھتے رہو اور تعظیم بجالاؤ تا کہ اس کی برکتیں تمہیں بھی حاصل ہوں۔اگر تم خود صاحب سماع نہ ہو تو چاہیے کہ کسی صاحب سماع اور صاحب قدم کے سایہ دولت میں آجاؤ۔دوسرا ادب یہ ہے کہ تمام حاضرین محفل سر کو جھکائے رہیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں۔اور دوران سماع بات چیت نہ کریں، نہ پانی پئیں، نہ دائیں بائیں دیکھیں، نہ ہاتھ پاؤں اور سر ہلائیں بلکہ نماز میں تشہد کی طرح باادب بیٹھے رہیں۔دل کو خداوند تعالیٰ کی طرف کلیۃً متوجہ رکھیں اور منتظر رہیں کہ سماع کے سبب غیب سے ان کے دل پر سر الٰہی منکشف کیا جائے۔اور اگر کوئی وجد وحال کے غلبہ سے کھڑا ہو تو اس کی موافقت میں یہ لوگ بھی کھڑے ہو جائیں اور اگر اس کی دستار یا ٹوپی گر جائے تو اٹھا کر رکھ لیں یہ سب باتیں اگرچہ بدعت ہیں اور صحابہ اور تابعین

رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہیں۔لیکن ہر بدعت ممنوع نہیں ہے۔بہت سے بدعتیں اچھی ہوتی ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ تراویح امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کی ہے اور یہ اچھی بدعت ہے''۔

تجرید وتفرید[۳۰]: گزشتہ صفحات میں سلوک کے مختلف لوازمات اور کمالات کا ذکر کیا گیا۔

اب ضروری ہے کہ مرید کو سلوک کی شرط راہ سے بھی آگاہی ہوجائے۔حضرت مخدوم جہاںؒ فرماتے ہیں: ''سنو پہلا کام جو اس راہ کے طالبوں کے بازار کی چہل پہل اور مرید صادق کے لئے نوروز کی مسرتوں کا دن کہا جاسکتا ہے وہ تجرید وتفرید ہے۔تجرید کے معنی کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ جو کچھ تم کو آج ملے اس سے دامن جھاڑ کر صاف نکل آؤ۔تفرید کا یہ مطلب ہے کہ دل میں کل کی کوئی فکر نہ ہو۔.......... دوسری بات ظاہر وباطن کی خلوت ہے۔خلوت ظاہری یہ ہے کہ مخلوقات سے کنارہ کشی اختیار کرلو اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے تصویر کی طرح حیران وخاموش ہوجاؤ۔یہاں تک کہ تم اس کے دروازہ پر مرجاؤ۔اور خلوت باطنی یہ ہے کہ ماسوا اور اغیار کا خیال ذرا بھی دل میں نہ آنے پائے اور دنیا اور آخرت کی کدورت اور آلائشیں بالکل دھوڈالو۔تیسری بات یہ ہے کہ ایک ہی کے ہوجاؤ۔ایک ہی کا ذکر زبان پر اور ایک ہی کا دھیان دل میں رہے۔یہاں تک کہ دوسرے کا نام لینا یا کسی کا اندیشہ کرنا حرام مطلق سمجھنے لگو۔چوتھی بات یہ ہے کہ کم بولنے کم کھانے اور کم سونے کی عادت ڈالو۔کیونکہ انہیں سے نفس سرکش کو مدد ملتی ہے اور وہ قوی ہوجاتا ہے۔زیادہ بکنا خدا کے ذکر سے روک رکھتا ہے۔بہت سونا غور وفکر سے باز رکھتا ہے۔اور حد سے زیادہ کھانا گرانی اور سستی پیدا کرتا اور ضروری کاموں میں خلل ڈالتا ہے۔ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے کیونکہ ظاہری طہارت باطنی صفائی کے لئے سہارا ہے۔.......... یہ باتیں کہنے میں بہت آسان ہیں مگر کرنے میں نہایت مشکل۔کیونکہ اس راستہ میں چلنا ہاتھ پاؤں سے نہیں ہوتا بلکہ اس کی روش دل وجان سے تعلق رکھتی ہے۔اور ظاہر ہے کہ دل وجان کسی کے حکم کے طابع نہیں، لیکن ہمت والوں اور عاشقان صادق کے لئے منہ کا نوالہ ہے۔علم ومعرفت اس راہ کے سلوک کا دروازہ ہے۔جو ادھر سے نہیں جائے گا وہ ایک لق ودق بیابان میں بھٹک کر

اورغول بیابانی کے ہاتھوں میں پڑ کر جان وایمان کھو بیٹھے گا۔" تجرید وتفرید کی اہمیت کے پیش نظر حضرت مخدوم جہاںؒ نے اس کو ایک دوسرے انداز سے بھی سمجھایا ہے۔ فرماتے ہیں ۳۱: "معلوم ہو کہ تجرید وتفرید کی منزل طے کرنا مرید کے لئے اس راہ کی شرط ہے۔ خلق اللہ اور تعلقات دنیاوی سے علیحدہ ہو جانا تجرید اور خود اپنی ذات سے کنارہ کش ہو جانا تفرید ہے۔ دل میں کسی طرح کا غبار، نہ پیٹھ پر کوئی بوجھ، نہ مخلوق کے ساتھ کسی قسم کا لگاؤ باقی رہے۔ اس کی ہمت بلند دونوں جہاں اور کنگرہ عرش سے گزر کر اپنی مراد تک پہنچ گئی ہو۔ کونین کی حکومت کے باوجود بغیر لقائے دوست اس کو کوئی خوشی ہو نہ سکون۔ اور اگر دوست کے ساتھ ہے اور کونین کی کوئی نعمت میسر نہ ہو تو ذرا غم نہیں"۔

مژدہ لاتقنطو من رحمت اللہ: جس بارگاہ کا معاملہ یہ ہو کہ:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی　　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور جہاں حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ کو یہ جواب مل رہا ہو" جب میں نے پوچھا ہم نے کیا گناہ کیا، تو اس کی محبت نے جواب دیا تیرا وجود ہی اتنا بڑا گناہ ہے جس کے مقابلہ میں تمام گناہ ہیچ ہیں" تو پھر ہم جیسے عاصیوں کے لئے تو حسرت ہی حسرت ہے۔ مگر حضرت مخدوم جہاںؒ بہت ہمت بندھاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ۳۲: "اے بھائی، تم جہاں بھی رہو ناامیدی کو پاس بھی پھٹکنے نہ دو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کام اطاعت گزاروں کی اطاعت سے مقدس ہیں۔ اور معصیت کرنے والوں کی معصیت سے پاک ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اسباب وعلل کا وہاں گزر نہیں"۔

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت مخدوم فرماتے ہیں ۳۳: "اللہ اللہ معشوق کی بارگاہ میں عاشق کا وجود بھی گناہ ہے، اور باتوں کو کون پوچھتا ہے۔ اے بھائی کیا کہیں اجل تاک میں ہے۔ جو دم آدمی زندہ ہے غنیمت ہے۔ اس وقت کی قدر کرنا چاہئے۔ کیا معلوم کس وقت ملک الموت پہنچ جائیں۔ توبہ سے غافل نہ رہو۔ ایک بوڑھا آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ گناہ کی ہمارے انتہا نہیں ہے۔ ہم

چاہتے ہیں کہ اب توبہ کرلیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اے بوڑھے تم چوک گئے، آنے میں بہت دیر لگادی۔ تمہیں جوانی میں آنا تھا۔ مگر بوڑھا صحبت یافتہ تھا اور توبہ کے فوائد سن کر آیا تھا۔ کہنے لگا نہیں حضرت دیر سے کیا واسطہ، میں تو جلد سے جلد آیا ہوں۔ اے جناب توبہ وہ نعمت ہے کہ اگر مرنے کے قبل نصیب ہوجائے تو کیا کہنا ہے۔ دیر ہونا بھی عین جلدی ہے۔ میں جلد سے جلد آیا ہوں۔ بھائی میرے، ہرچند تم گناہ سے آلودہ اور ملوث ہورہے ہو، توبہ کرو تو سہی۔ دیکھو توبہ کیسی امید افزا ہوتی ہے۔ تم کو جاننا چاہئے کہ ساحران فرعون سے تم زیادہ آلودہ تو نہیں۔ سگ اصحاب کہف سے تم زیادہ ناپاک تو نہیں۔ سنگ طور سینا سے تم زیادہ جامد تو نہیں۔ چوب حنانہ سے تم زیادہ بے قیمت تو نہیں۔ قطع نظر اس کے کوئی شخص جبش سے غلام لاکر اس کا نام کافور رکھ دے تو اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ دیکھو جب ملائکہ نے کہا کہ ہم کو ان کے (انسان کے) فساد کی طاقت نہیں ہے۔ ندا آئی۔ ٹھیک ہے، یہ کہنا تمہارا اس وقت مناسب ہوتا جب ہم حاجت لے کر تمہارے دروازے پر ان کو بھیجتے، یا تمہارے ہاتھ ان کو بیچتے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتو ہرگز نہ چڑھنے دینا اور نہ خریدنا۔ شاید تم کو اس کا خوف ہے کہ معصیت ان کی میری رحمت سے بڑھ جائے گی یا آلودگی ان کی ہماری قدوسیت پر دھبہ لگادے گی۔ یہ وہ مشت خاک ہیں کہ ہماری درگاہ میں مقبول ہیں۔ جب ہم نے قبول کرہی لیا ہے تو معصیت ولوث کی کیا مجال ہے جو کچھ کرسکیں۔

سراسر ماہمہ عیبم بدیدی و خریدی تو

زہے کالائے پرعیب وزہے لطف خریداری

(میں سر سے پاؤں تک عیب ہی عیب ہوں تو نے ٹھوک بجاکر مجھ کو خریدا ہے واہ کیا اچھی یہ عیب دار جنس ہے اور کیا خوب مہربان خریدار ہے)

حوالہ جات:

۱۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۲۲، صفحہ ۲۷۹

۲۔ تاریخ سلسلہ فردوسیہ، صفحہ ۲۹

۳۔ ایضاً، صفحہ ۴۱

۴۔ ایضاً، صفحہ ۳۳ تا ۶۷

۵۔ مکتوبات صدی، مکتوب ۲۵، صفحہ ۲۹۹

۶۔ ایضاً، مکتوب ۲۴، صفحہ ۲۹۱

۷۔ ایضاً، مکتوب ۲۴، صفحہ ۲۹۳

۸۔ ایضاً، مکتوب ۱۶، صفحہ ۲۴۴

۹۔ ایضاً، مکتوب ۵، صفحہ ۱۷۷

۱۰۔ ایضاً، مکتوب ۷، صفحہ ۱۹۱

۱۱۔ ایضاً، مکتوب ۶، صفحہ ۱۸۵

۱۲۔ ایضاً، مکتوب ۵۶، صفحہ ۳۶۸

۱۳۔ ایضاً، مکتوب ۵۷، صفحہ ۳۷۳

۱۴۔ ایضاً، مکتوب ۳۱، صفحہ ۳۳۰

۱۵۔ ایضاً، مکتوب ۲۹، صفحہ ۳۲۲

۱۶۔ ایضاً، مکتوب ۶۰، صفحہ ۳۹۰ (مزید دیکھئے معدن المعانی، صفحہ ۲۹۸)

۱۷۔ ایضاً، مکتوب ۵۰، صفحہ ۳۳۹

۱۸۔ ایضاً، مکتوب ۴۹، صفحہ ۳۳۶

۱۹۔ ایضاً، مکتوب ۴۶، صفحہ ۳۲۴

۲۰۔ ایضاً، مکتوب ۲۶، صفحہ ۳۰۵

۲۱۔ ایضاً، مکتوب ۴۵، صفحہ ۳۱۴

۲۲۔ ایضاً، مکتوب ۸، صفحہ ۱۹۸

۲۳۔ ایضاً، مکتوب ۹، صفحہ ۲۰۴

۲۴۔ایضاً،مکتوب ۸،صفحہ۱۹۹

۲۵۔ایضاً،مکتوب ۱۲،صفحہ۲۲۷

۲۶۔ایضاً،مکتوب ۱۳،صفحہ۲۳۱

۲۷۔ایضاً،مکتوب ۱۴،صفحہ۲۳۶

۲۸۔ایضاً،مکتوب ۹۳،صفحہ۵۶۳

۲۹۔ایضاً،مکتوب ۹۳،صفحہ۵۶۳

۳۰۔ایضاً،مکتوب ۶۱،صفحہ۳۹۴

۳۱۔ایضاً،مکتوب ۶۲،صفحہ۳۹۷

۳۲۔مکتوبات دوصدی،مترجم نعیم ندوی،صفحہ۳۰۷

۳۳۔مکتوبات دوصدی،مکتوب ۲،صفحہ۱۶۶

ضمیمہ ۱

حضرت مخدوم جہاںؒ کے مکتوبات کے چند نمونے

اصحاب ذوق مطالعہ مکتوبات حضرت مخدوم جہاںؒ میں ایک خاص لذت و کیفیت پاتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام بھی اس کیفیت سے کچھ حصہ پاسکیں، حضرت مخدوم جہاںؒ کے چند مکتوبات ذیل میں نمونۃً پیش کئے جارہے ہیں۔ اصل متن کے ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا جارہا ہے، اور یہ دونوں جناب محمد نعیم ندوی کی شائع کردہ کتاب 'مکتوبات صدی' سے ماخوذ ہیں جو حیدرآباد سندھ سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

مکتوبِ اوّل

در توحید

برادرم اعز شمس الدین اکرمہ اللہ تعالیٰ فی الدارین۔ بداند کہ توحید نزدِ اہل طریق بر چہار وجہ (درجہ) است درجۂ اوّل آن است کہ بزباں لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ بگوید و بہ دل اعتقاد نہ دارد و این توحیدِ منافقان است فردا ہیچ سود نہ دارد۔ درجۂ دوم آن کہ بزبان بگوید لَآ اِلٰـہَ اِلَّـہ اللّٰہُ و در دل اعتقاد بدین دارد بہ تقلید چون عامی یا بہ نوعے از دلیل چون متکلّم۔ و این قالب و صورتِ توحید است علی التحقیق در نظر اہل طریقت و نجات یافتن از شرک جلی بدو منوط است و رستن از خلود دوزخ و رسیدن بہ بہشت ثمرۂ اوست۔ این توحید بہ سلامت و ثبات نزدیک تر است۔ امّا قناعت است بہ ادنیٰ درجہ عَلَیْکُم بِدِیْنِ الْعَجَائِز این را گویند۔ درجہ سوم آن کہ نُورے بود کہ در دلِ بندہ پدید آید۔ دران نور بیند کہ ہمہ کار از یک اصل می رود و فاعل یکے بیش نیست و ہیچ کسِ دیگر را فعل نیست۔ و این نہ چوں اعتقاد عامی و متکلّم بود کہ اعتقاد بندے بود کہ بر

دل افگند۔ واین مشاہدۂ نورے است کہ ہمہ بند ہارا برگیرد۔ وفرق باشد میان کسے کہ خویشتن رابرآن دارد و اعتقاد کند کہ فلان خواجہ درسرائے ہست بہ سبب آن کہ فلان کس ہمچنین می گوید این تقلیدِ عامی است از ما در و پدر یا از کسے دیگر شنیدہ بود۔ ومیان آن کہ استدلال کند کہ فلان خواجہ درسرائے ہست بہ دلیل آن کہ اسپ وغلامِ خواجہ بردرِ سرائے می بیند واین نظر واعتقاد متکلم است واز مقلد این مقدار دروے زیادت است۔ امّا در عدمِ مشاہدہ ہر دو برابراند۔ ومیان آن کہ خواجہ را درسرائے مشاہدہ کند واین توحیدِ عارف است کہ درجہ سوم گفتم۔ لٰکن دروے خلق را بیند وخالق رامی داند کہ خلق ہمہ از خالق است پس این مقدار تفرقہ باشد وجمع نہ بود بہ کمالِ توحید درنظر اہل طریقت۔ درجہ چہارم آن است کہ چندان از نورِ ظہورِ حق بررونده آشکارا شود کہ ہمہ ذرّاتِ وجود پیشِ دیدۂ وے دراشراقِ آن نُور متواری شوند بر مثل متواری شدن ذرّہ ہائے ہوا در اشراقِ نورِ آفتاب وذرّہ درنورِ آفتاب نہ توان دید نہ ازان کہ آن ذرّہ نیست شدہ است بلکہ ازان کہ با ظہورِ نُورِ آفتاب ذرّہ راجز متواری شدن روے نیست ہمچنین نہ آن کہ بندہ خدا اگردد تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوّاً كَبِيْراً۔ ونہ آنکہ بندہ بہ حقیقت نیست شود۔ نابودن دیگراست ونادیدن دیگر۔

پیشِ توحیدِ اونہ کہنہ است نہ نُو ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست
گے بودما زِما جُدا ماندہ من و تو رفتہ و خدا ماندہ

تو چون در آئینہ نگری آئینہ رانہ بینی زیرا کہ مستغرقِ جمالِ خودی۔ ونتوانی گفت آئینہ نیست شد و یا آئینہ جمال شد و یا جمال آئینہ شد۔ دیدن قدرت در مقدورات ہمچنین بود بے تفاوت واین راصوفیان اَلْفَنَاءُ فِي التَّوْحِيْدِ خوانند۔

گویدآن کس درین مقام فضول کہ تجلّی نہ داند از حُلول

پس بسیار کس را این جا قدم بلغزیدہ است جز بہ مدد وتوفیق وعنایتِ ازلی و بہ بدرقۂ پیر رسیدہ۔ وصاحب دیدہ شدہ وفراز ونشیبِ این راہ گذشتہ وشربتِ قہر وجلال ولطفِ جمال چشیدہ۔ این بادیہ را کسے قطع نہ تواند کرد۔ این است معنی آن حکایت کہ خواجہ منصور حلّاج ابراہیم خواص را دید در بادیہ می گشت۔ گفت چہ می کنی۔ گفت قدم خویش برتوکّل درست می کنم۔ خواجہ منصور گفت ضَيَّعْتَ عُمْرَكَ فِي عِمْرَ

انِ باطِنِكَ فَاَيْنَ الْفَنَآءُ فِى التَّوحِيْدِ عمر در آبادان کردن باطن ضایع کردن است۔ پس در فنائے توحید کے رسی۔ وگفتہ اند روندگان درین مقام متفادت باشند۔ کس باشد کہ در ہفتہ یک ساعت بدین حضرت باریابد۔ وکس باشد کہ ہرروز یک ساعت وکس باشد کہ دو ساعت وکس باشد کہ بیشتر اوقات مستغرق باشد۔ و دیگر بعد ازین چہار درجہ اَلْفَنَآءُ عَنِ الْفَنَآءِ گفتہ اند۔ وآن آن ست کہ از کمالِ استغراق احساسِ رونده را بہ فنائے خود وآگاہیِ او از فنائے خود ودانستنِ او کہ این دریافتن سلطانِ ظہورِ جمال وجلال است بیک صدمہ بہ کتمِ عدم بَرد۔ وہمہ از وبیفتد۔ زیرا کہ دانستنِ رونده این ہمہ در نظرِ اہلِ طریقت اشارت بہ تفرقہ می کند عین الجمع وجمع الجمع اینجا است کہ خود را وکل کائنات را در نورِ ظہورِ حق گم کند وآگاہی خود ازین گم کردن ہم گم کند۔

تو در وگم شو کہ توحید این بود گم شدن گم کن کہ تفرید این بود

نہ اسم است اینجا نہ رسم، نہ وجود نہ عدم، نہ عبارت است اینجا نہ اشارت، نہ عرش است درین عالم نہ فرش، نہ اثر است درین دیار نہ خبر كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ جز درین مقام جلوه نہ کند و كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَه، جز درین جا پیش روی نہ نماید۔ انا الحق وسبحانی جز اینجا پیش نشان نہ کند وتوحید بے شرک مطلق کہ شنیدۂ جز درین دار الملک صورت نہ بندد۔

خیالِ کژ مپژ این جاو بشناس ہر آن گو در خدا گم شد خدا نیست

درمیان آئینہ وصورت نہ اتحاد بود نہ حلول وتصورِ آن در مثال نہ حلول بود نہ اتحاد۔ ومثال این چہار درجہ توحید در عالم محسوس گفتہ اند کہ جوز است۔ درجہ اوّل توحید پوستِ اولِ جوز است۔ درجہ دوم توحید چون پوستِ دوم جوز است۔ درجہ سوم توحید چون مغزِ جوز است۔ درجہ چہارم توحید چون مغزِ مغزِ جوز است و آن روغن است۔ نامِ جوز برین مجموع افتد۔ اما در درجات وثمرات وفوائد وعوائد وتفاوت ہزار در ہزار است۔ این مکتوب را تامل شافی کند وبہ حقیقت دریابد کہ اصل ہمہ مقامات واحوال ومعاملات ومکاشفات است وکلماتِ مشائخ واشاراتِ ایشان ومطالعہ کتبِ ایشان رضوان اللہ علیہم اجمعین این جا معلوم ومفہوم گردد چنانچہ است۔ ودر غلط نیفتد۔ وابیات کہ ہر کسے را در توحید ودر درجاتِ وے افتادہ است بر اصل وقانون روشن تواند کرد وتفاوتے نبود اے برادر اگرچہ موری، سلیمان وار درآئی منگر کہ عاصی وملوّثی۔ اگرچہ پشّہ شیر

واردر آئی ببین کہ آلودۂ وحسی۔ آن نگر کہ مقصد ہزار سال طاعتِ مطیعان و عابدان بباد بے نیازی دادند ہمہ هَبَآءً امَنثُوراً شد واین بین کہ از آب وخاک آدم صفی اللہ واز یتیم ابوطالب محمد رسول اللہ واز آزر بت تراش ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام می سازد، وآن بین کہ از مشرکان موحدان داز کافران مومنان واز عاصیان مطیعان واز مفسدان مصلحان می کند قدرت طاعتِ کسے می نگر دنہ لطف معصیتِ کسے می بیند۔ آوردہ اند کہ زنار دارے روزے زنارِ خود را می آراست۔ سرّ از غیب در زنار بدد آشکار اشد از خانہ بیرون دَوید ونعرہ می زد ومی گفت اَیْنَ اللّٰہُ۔ از تابشِ آن سرّ شہر بہ شہر می دوید تا بہ شام رسید بہ جبل لبنان کہ جائگاہ اوتاد وابدال است۔ شش کس را دید استادہ وجنازہ در پیش نہادہ۔ این مرد برخاست وقصہ پرسید ایشان اورا گفتند پیش رَو۔ وبرین جنازہ نماز کن آنگاہ قصہ پرس۔ او پیش رفت ونماز کرد۔ ودفن کردند۔ پس باوے گفتند ما ازان ہفت کسانیم کہ عالم از بہرِ ما برپاست واین مردہ کہ تو بروے نماز کردی پیرِ ما بود قطبِ عالم۔ چون نقل می کرد مارا گفت چون مرا بشوئید ودر جنازہ کنید، بنہید ومنتظر باشید کسے از گوشہ درخواہد آمد اورا بگوئید تا بر من نماز کند وبدَل من قطب عالم بود۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

پہلا مکتوب (ترجمہ)

توحید کے بیان میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین تم کو اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں عزت دے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ بزرگوں کے نزدیک از روئے شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت اجمالاً توحید کے چار درجے ہیں اور ہر درجہ میں مختلف حالت اہلِ توحید کی ہوا کرتی ہے۔

توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ایک گروہ فقط زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے مگر دل سے رسالت وتوحید کا منکر ہے۔ ایسے لوگ زبانِ شرع میں منافق کہے جاتے ہیں۔ یہ توحید مرنے کے وقت یا قیامت کے دن کچھ فائدہ بخش نہ ہوگی۔ سراسر وبال اور نکالِ آخرت کا باعث ہوگی۔ خدا محفوظ رکھے۔

توحید کا دوسرا درجہ۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک گروہ زبان سے بھی لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے اور دل میں بھی تقلیداً اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ جیسا کہ ماں باپ وغیرہ سے اُس نے سنا ہے اسی پر ثابت قدم ہے۔ اس جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں ہیں.......... دوسرا گروہ زبان سے بھی لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے۔ اور دل میں اعتقاد صحیح رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سیکڑوں دلیلیں بھی رکھتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ متکلمین، یعنی علمائے ظواہر کہلاتے ہیں۔ (بیت کا ترجمہ)

(یعنی جاؤ آنکھیں حاصل کرو۔ خاک کا ہر ذرّہ ایک پیالہ ہے جس میں سارا جہان دکھائی دیتا ہے)

عام مسلمان و متکلمین یعنی علمائے ظاہر کی توحید وہ توحید ہے کہ شرکِ جلی سے نجات پانا اس سے وابستہ ہے۔ سلامتی و ثباتِ آخرت سے ملحق ہے۔ خلودِ دوزخ سے رہائی، بہشت میں داخل ہونا اس کا ثمرہ ہے۔ البتہ اس توحید میں مشاہدہ نہیں ہے۔ اس لیے اربابِ طریقت کے نزدیک اس توحید سے ترقی نہ کرنا، ادنیٰ درجہ پر قناعت کرنا ہے۔ عَلَیْکُمْ بِدِیْنِ الْعَجَآئِزِ (یعنی بوڑھی عورتوں کے دین کو اختیار کرنا لازم سمجھو) ایسے ہی موقع پر کہا کرتے ہیں۔

توحید کا تیسرا درجہ۔ موحّد مومن بہ اتباعِ پیرِ طریقت مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ترقی اس نے کی ہے کہ نورِ بصیرت دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس نور سے اس کو اس کا مشاہدہ ہے کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ سارا عالم گویا کٹھ پتلی کی طرح ہے۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسا موحّد کسی فعل کی نسبت کسی دوسری طرف نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ فاعلِ حقیقی کے سوا دوسرے کا فعل نہیں ہے۔

بیت

درین نوع ہم شرک پوشیدہ است　　　کہ زیدم بیازرد و عمرم بکشت

(یعنی اس میں بھی شرک چھپا ہوا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ مجھ کو زید نے ستایا اور عمرو نے مار ڈالا)

اب ہم ایک مثال دیتے ہیں اس سے توحید عامیانہ، توحید متکلمانہ اور توحیدِ عارفانہ سبھوں کے مراتب کا فرق صاف ظاہر ہو جائے گا۔

مثال۔ کسی سرائے میں ایک سوداگر اترا۔ اُس کی شہرت ہوئی، لوگ اس کا مال واسباب دیکھنے کو چلے اور ملاقات کے خواہاں ہوئے۔

ایک شخص نے زید سے پوچھا۔ بھئی، تم کچھ جانتے ہو۔ فلاں سوداگر آیا ہوا ہے زید نے کہا۔ ہاں صحیح خبر ہے۔ کیونکہ معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا ہے۔ یہ توحیدِ عامیانہ کی مثال ہے۔

دوسرے نے عمرو سے دریافت کیا۔ اجی حضرت آپ کو اس سوداگر کا حال معلوم ہے۔ عمرو نے کہا۔ خوب، ابھی ابھی میں اس طرف سے آرہا ہوں۔ سوداگر سے ملاقات تو نہ ہوئی، مگر اُس کے نوکروں کو دیکھا، اُس کے گھوڑے دیکھے۔ اسباب وغیرہ دیکھنے میں آئے۔ ذرا شبہ اس کے آنے میں نہیں ہے۔ یہ توحید متکلمانہ ہے۔

تیسرے شخص نے خالد سے استفسار کیا۔ جناب اس کی خبر رکھتے ہیں کہ سوداگر صاحب سرائے میں تشریف رکھتے ہیں۔ خالد نے جواب دیا۔ بیشک میں تو ابھی ابھی انھیں کے پاس سے آرہا ہیں۔ مجھ سے اچھی طرح ملاقات ہوگئی ہے۔ یہ توحید عارفانہ ہے۔

دیکھو زید نے سنی سنائی پر اعتقاد کیا۔ عمرو نے اسپ واسباب وغیرہ دیکھ کر دلیل قائم کی۔ خالد نے خود سوداگر کو دیکھ کر یقین کیا۔ تینوں میں فرقِ مراتب ہے اس کے بیان کی اب حاجت نہ رہی۔ اہل طریقت کے نزدیک جس توحید میں مشاہدہ نہ ہو وہ توحید کی صورت اور توحید کا قالب ہے۔ مشاہدہ سے اعتقاد کو کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ اعتقاد دل کو خواہ مخواہ ایک چیز کا پابند کر لیتا ہے۔ اور مشاہدہ ہر بند کو کھول دیتا ہے۔ اور مشاہدہ سے استدلال کو بھی کوئی مناسبت نہیں۔ کیونکہ

پائے استدلالیان چوبین بود　　　پائے چوبین سخت بے تمکین بود

(یعنی دلیلیں لانے والوں کا پاؤں لکڑی کا بنا ہوتا ہے۔ اور لکڑی کا پاؤں دیر تک قائم نہیں رہ سکتا)۔

توحید کا چوتھا درجہ۔ کثرت اذکار و اشغال و ریاضت و مجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے یہاں تک سالک ترقی کرتا ہے کہ بعض بعض وقت شش جہت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیاتِ صفاتی کا ظہور اس شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اُس کی نظر میں گم ہو

جاتی ہیں۔ جس طرح ذرّے آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی میں نظر نہیں آتے۔ دھوپ میں جو ذرّہ دکھائی نہیں دیتا اس کا سبب یہ نہیں کہ ذرّہ نیست ہو جاتا یا ذرّہ آفتاب ہو جاتا ہے، بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہوگی ذرّوں کو چھپ جانے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ جس وقت روشندان تابدان وغیرہ سے دھوپ کوٹھری یا سائبان میں آتی ہے، اس وقت ذرّوں کا تماشا دیکھو، صاف نظر آتے ہیں۔ پھر آنگن میں نکل کر دیکھو غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بندہ خدا نہیں ہوتا۔ تعالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (یعنی اللہ اس سے بہت بلند تر ہے)۔ اور نہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ درحقیقت نیست ہو جاتا ہے نابود ہونا اور چیز ہے اور نہ دیکھا جانا اور شے ہے۔ نظم

پیشِ توحیدِ او نہ کہنہ نہ نوست　　　ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست

من و تو رفتہ و خدا ماندہ　　　کہ بود ماز ما جدا ماندہ

(یعنی اُس کی توحید کے سامنے نیا اور پُرانا کیا سب ہیچ ہی ہیچ ہے۔ وہ وہی ہے جیسا کہ وہ ہے۔ لفظ ما سے ما کب تک الگ رہے گا۔ من و تو بیچ سے اُٹھ گیا اور خدا باقی رہ گیا)۔ یا یوں سمجھو کہ عالم ایک آئینہ ہے۔ اس آئینے میں سالک کو بعض بعض وقت خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ خدا کے مشاہدے میں سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینہ حیرت ہے اُس کو نظر نہیں آتا۔ اس سے اور آسان مثال سنو۔ تم خود آئینہ دیکھو اور اپنے جمال پر محو ہو جاؤ۔ پھر دیکھو تو سہی آئینہ تمھاری نظر سے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں۔ ضرور ساقط ہوگا۔ ایسے موقع میں کیا تم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوگا کہ آئینہ نیست ہو گیا۔ یا آئینہ جمال ہو گیا۔ ہرگز نہیں۔ نیست ہونا اور ہے۔ نہیں دکھائی دینا اور ہے۔ جس کی نظر میں آفتابِ انوارِ حق اس شان سے ظہور کرے گا اُس کی نظر میں ساری ہستیاں (گم) نہ ہوں گی تو کیا ہوں گی۔ قدرت کا مقدرات میں دیکھنا بلا فرق اسی طرح پر ہوتا ہے۔ صوفیوں کے یہاں اس مقام کا نام اَلْفَنَآءُ فِی التَّوْحِیْدِ یعنی توحید میں فنا ہو جانا ہے۔

گوید آنکس درین مقام فضول　　　کہ تجلّی نہ داند از حُلول

(یعنی وہ شخص یہاں فضول بکتا ہے۔ کیونکہ وہ تجلّی اور حلول کا فرق نہیں پہچانتا)

اس مقام میں اگر شطحیات سالک سے سرزد ہوں گے تو اس کی خامی سمجھی جائے گی اس میں

شک نہیں کہ خدا کی تجلی ہوتی ہے۔اور خدا اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔مگر انسان میں حلول نہیں کرتا۔اس مقام میں پہنچ کر سیکڑوں سالک پھسل چکے ہیں۔اس خوفناک جنگل سے جان سلامت لے جانا بغیر تائیدِ غیبی وعنایت ازلی ناممکن ہے۔اور پیر کی مدد بھی ضروری ہے۔جو پیر حق رسیدہ ہو، صاحب بصیرت ہو، نشیب وفراز سے واقف ہو۔شربت قہرِ جلال اور لطفِ جمال کا چکھ چکا ہو۔تاکہ اس ورطۂ ہلاکت سے مرید کو نکال سکے۔دیکھو حضرت خواجہ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ جو مقامِ توکل کے بادشاہ ہیں۔ایک دفعہ حضرت خواجہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو دیکھا کہ بے زادوراحلہ بادیۂ خونخوار میں گشت کرر ہے ہیں۔پوچھا، یہاں آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ مقامِ توکل میں ثابت قدمی کا امتحان دے رہا ہوں۔چونکہ اہلِ توحید کے نزدیک مقامِ توکّل توحید کے مقامات میں سے ایک ادنیٰ درجہ کا مقام ہے۔بتقاضائے خلوص آپ کو ہمدردانہ جلال آ گیا۔اور اس عبارتِ لطیف کے ساتھ اس مقامِ توکّل سے ترقی کرنے کی یوں ہمت دلائی:۔

ضَيَّعْتَ عُمْرَكَ فِیْ عِمْرَانِ باطِنِكَ فَاَیْنَ الْفَنَآءُ فِی التَّوحِیْدِ (یعنی اگر عمر اسی مقام توکل کی داد دینے میں تمام ہوگئی تو درجۂ کمالِ توحید کب حاصل ہوگا۔) اب تم سمجھ سکتے ہو کہ راہِ توحید میں یارِ موافق اور پیرِ مشفق کی کس وقت تک کس درجہ ضرورت ہے۔

بہر کیف درجہ چہارم کی توحید میں سالکوں کے احوال مختلف ہیں۔کسی پر ہفتہ میں ایک ساعت کے لئے فنائیت طاری ہوتی ہے کسی پر ہر روز ایک ساعت یا دو ساعت۔کسی پر بیشتر اوقات عالمِ استغراق رہتا ہے۔

فنافی التوحید کے بعد ایک مرتبہ ہے جس کا نام اَلْفَنَآءُ عَنِ الْفَنَآءِ ہے۔اس مرتبہ کو بھی تعلق درجہ چہارم سے ہے یعنی اس درجہ کا نام مرتبۂ اکمل میں اَلْفَنَآءُ عَنِ الْفَنَآءِ ہے۔اسی لیے اس کو درجۂ پنجم نہیں کہا گیا۔اس مرتبہ میں سالک کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کمالِ استغراق کی وجہ سے اس کے احساس کو اپنی فنائیت کی خبر نہیں ہوتی۔اور نہ اُس کی آگاہی باقی رہتی ہے۔کہ ہم فنا ہوئے۔یہاں تک کہ جمالی وجلالی تجلّی کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔ایک جنبش میں سب باتیں غائب ہو جاتی ہیں۔کیونکہ کسی قسم کا علم باقی نہیں رہتا۔اہلِ طریقت کے نزدیک (یہ علم) تفرقہ کی دلیل ہے۔مقامِ عین الجمع وجمع الجمع جب ہی

حاصل ہوگا کہ سالک اپنے کو اور کل کائنات کو ظہورِ حق کے دریائے نور میں گم کردے اور اس کی خبر بھی نہ رکھے کہ گم کون ہوا۔

تو در و گم شو کہ توحید این بود　　　　گم شدن گم کن کہ تفرید این بود

(تو اس میں کھو جا یہی توحید ہے اور اس کھو جانے کو بھی بھول جا............اس کا نام تفرید ہے۔)

اس مقامِ تفرید میں پہنچ کر حقیقتِ وحدت الوجود اس طرح پر منکشف ہوتی ہے کہ سالک محو ہو جاتا ہے۔ تجلیِ ذاتی کل قصوں کو طے کردیتی ہے۔ اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت و اشارت عرش و فرش، اثر و خبر اس عالم اور اس دیار میں کچھ نہ پاؤ گے۔ کُل مَن علیها فان (یعنی یہاں ہر چیز کو فنا ہے) اس مقام کے سوا کہیں جلوہ گر نہیں ہوتا۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (یعنی ہر چیز مٹ جانے والی ہے مگر اُس کی ذات)۔ اس جگہ کے سوا اور کہیں صورت نہیں دکھاتا۔ اَنَا الْحَقُّ و سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ (یعنی پاک ہوں اور میری شان بہت بڑی ہے) یہاں کے سوا اور کہیں اس کا نشان ظاہر نہیں ہوتا۔ توحید بے شرکِ مطلق جو تم نے سنا ہے، وہ اس دار الملک کے سوا اور کہیں نہ دیکھنے پاؤ گے۔

خیالِ کژ مپز اینجا و بشناس　　　　ہر آن کو در خدا گم شد خدا نیست

(یعنی یہاں دل میں الٹا خیال نہ لاؤ، اور سمجھو کہ، جو خدا کی ذات میں کھو گیا، وہ خدا نہیں ہے)۔

توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو، یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ تک پہنچے ہر مرتبہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے۔ اسی لیے اَنَا الْحَقُّ و سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ وغیرہ کہنا اگر صدقِ حال نہ ہو تو خود اہلِ طریقت کے نزدیک یہ کلمات کفریہ ہیں۔ اور جہان صدقِ حال ہے بیشک وہاں کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔

رَوا باشد اَنَا اللہ از درختے　　　　چرا نبود رَوا از نیک بختے

(یعنی ایک درخت سے اَنَا اللہ کی صدا نکلنا جب درست ہے تو اگر کسی نیک بخت کے منہ سے یہی آواز نکلے تو کیوں صحیح نہ ہوگی)۔

خیر اس کو تو ہم پہلے ہی کہہ چکے کہ آئینہ و صورت کے درمیان نہ اتحاد کا دعویٰ صحیح نہ حلول کا زعم

باطل درست۔ اب تم چاروں درجوں کی توحید میں جو فرق ہے وہ اس مثال سے سمجھ سکتے ہو۔ اخروٹ میں دو قسم کے پوست اور ایک قسم کا مغز ہوتا ہے۔ پھر مغز میں روغن ہے۔

(۱) منافقوں کی توحید پہلے چھلکے کے درجہ میں ہے۔ کیونکہ وہ چھلکا کسی کام کا نہیں ہوتا۔

(۲) عام مسلمانوں اور متکلموں کی توحید دوسرے چھلکے کے درجہ میں ہے، یہ کچھ کارآمد ہوتا ہے۔

(۳) عارفانہ توحید مغز کے درجہ میں ہے۔ اس کا فائدہ اور اس کی خوبی ظاہر ہے۔

(۴) موحدانہ توحید روغن کے درجہ میں ہے۔ اس کی تعریف کی حاجت نہیں۔ دیکھو اخروٹ تو پورے مجموعے کو کہتے ہیں۔ مگر پہلے چھلکے سے روغن تک جو فرق ہے وہ صاف روشن ہے۔ اسی طرح توحید تو ہر توحید کو کہتے ہیں۔ مگر درجات، ثمرات، قاعدے ضابطے میں تفادت ہزار در ہزار ہیں۔

اے بھائی یہ مکتوب معمولی نہیں۔ اسی میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اچھی طرح اس کو دیکھو اور اس کی تہہ کو پہنچو۔ کیونکہ یہ مکتوب جڑ ہے تمام مقامات و احوال و معاملات و مکاشفات کی۔ جب تم کلمات مشائخوں کے دیکھو یا اُن کے اشارات پر نظر تمھاری پڑے، یا اُن کی کتابیں دیکھنے میں آئیں۔ اگر اس مکتوب کے اصول کو ملحوظ رکھو گے تو حلِ مطالب آسانی سے ہوں گے کہیں پر مغالطہ نہ ہوگا۔ اور غلط فہمی تمھیں نہ ہوگی۔ ٹھیک ٹھیک سمجھ لو گے۔ اشعارِ توحید یہ مشائخِ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو اپنے درجہ کے اعتبار سے نظم فرمائے ہیں وہ بھی اسی اصول و قانون کی رُو سے سمجھے جائیں گے۔ اور کہیں سے کسر نہ ہوگی۔

اے برادر عزیز بہت ممکن ہے کہ اہلِ توحید کی حالتوں کو دیکھ اور سن کر تمھیں غبطہ ہو اور حسرتِ نایافت بے کل کر دے اور شکستہ خاطر ہو کر تم نا اُمید ہو جاؤ۔ نہیں نہیں بلند ہمّتی سے کام لو۔ ہم نے مانا کہ تم چیونٹی کی طرح خاکسار سہی، مگر دل حضرت سلیمان کے ایسا پیدا کرو۔ اور اس راہ میں قدم رکھو۔ ہم نے فرض کیا کہ مچھر کی طرح مخنی ہو، لیکن جگر شیر کا بنا ڈالو اور منزلِ مقصود کی تلاش میں گام زنی شروع کر دو۔ تم دیکھتے نہیں کہ کیا سے کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ سات سات لاکھ برس کی طاعت و عبادت کو بادِ بے نیازی نے اس طرح اُڑا پھینکا ہے کہ ہباء منثورا ہو کر رہ گئی۔ اپنی خرابیوں کو تم نہ دیکھو اس بات کو دیکھو کہ آب و خاک بے مقدار سے حضرت آدم صفی اللہ کیسے پیدا ہو گئے۔ ایک یتیم ہستی جس کے کفیل ابو طالب تھے وہ محمد رسول

اللہ ﷺ کیونکر ہوگئی۔ آزر بت تراش کے گھر میں حضرت ابراہیم خلیلؑ اللہ کا وجود کس طرح ظہور پذیر ہوا۔ سبحان اللہ وبحمدہ اور اس بات کا تماشا دیکھو کہ مشرکوں سے موحدین، کافروں سے مومنین، عاصیوں سے مطیعین، مفسدوں سے مصلحین ہوا کرتے ہیں۔ قدرت کسی کی طاعت پر نظر نہیں کرتی۔ لطف کسی کی معصیت کو نہیں دیکھتا۔

نقل ہے کہ ایک زنار دار اپنے زنار کو آراستہ کر رہا تھا۔ غیب سے ایک بھید ظاہر ہوا جس سے زنار کی حقیقت اُس پر کھل گئی۔ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ حالت یہ تھی کہ دوڑتا جاتا تھا اور نعرہ مارتا تھا اَیْنَ اللّٰہ۔ اللہ کہاں ہے؟۔ اس انکشافِ راز کے باعث ایسا سوزِ دروں پیدا تھا کہ اس کو ذرا قرار نہ تھا۔ یہاں سے وہاں اِس شہر سے اُس شہر مارا مارا پھرتا تھا۔ اسی طرح گرتا پڑتا ملکِ شام میں جبلِ لبنان پر پہنچا۔ اس پہاڑ پر غوث، قطب، ابدال، اوتاد وغیرہم رہا کرتے ہیں۔ جا کر کیا دیکھتا ہے کہ چھ آدمی کھڑے ہیں۔ اور ایک جنازہ سامنے رکھا ہے۔

یہ غریب بدحال ان لوگوں سے واقعہ دریافت کرنے لگا۔ ان لوگوں نے کہا واقعہ پیچھے پوچھیے گا، پہلے نمازِ جنازہ کی امامت تو کیجیے۔ خدا کی شان وہ بے تکلف آگے بڑھ گیا۔ اور نماز پڑھا دی۔ جب نماز پڑھا چکا تو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم لوگ ان سات آدمیوں میں سے ہیں جن پر سارے عالم کے کل کاروبار کا دارومدار ہے۔ اور جس میت پر آپ نے نماز پڑھی ہے وہ ہمارے روشن ضمیر پیر تھے۔ قطبِ عالم کے عہدے پر فائز تھے۔ وقتِ انتقال یہ وصیت فرمائی تھی کہ غسل وغیرہ سے جب فراغت ہو جائے تو جنازہ رکھ کر تھوڑا انتظار کرنا۔ ایک صاحب اس گوشے سے آئیں گے۔ ان سے کہنا کہ نماز آپ ہی پڑھائیں گے۔ کیونکہ ہمارے بعد قطبیت کا درجہ انھیں حضرت سلامت کو ملے گا۔ والسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

مکتوب ہفتاد و یکم

درخدمتِ این طائفہ

برادر شمس الدین اکرمہ اللہ تعالیٰ بخدمتِ اولیائہ۔ بداند کہ یک کار بزرگ مرید را خدمت است و در خدمت فائدہ ہا و خاصیتہا است کہ در ہیچ عبادت و طاعتِ دیگر نیست یکے آن است کہ نفس مردہ شود و کبر و نخوتِ خواجگی را از سر وے ببرد و تواضع و عجز در وے پدید آید و او را مؤدّب گرداند۔ و اخلاقہا را نیکو گرداند و علوم سنن طریقت در آموزد و تیرگی و گرانیِ نفس از وے برود۔ ولطیف و سبک روح گردد و ظاہر و باطنش روشن شود۔ و این فوائد مخصوص است بخدمت۔ بزرگے را پرسیدند کہ راہ بحق چند است۔ گفت بعددِ ہر ذرّہ از موجودات راہے است بحق۔ اما ہیچ راہ نیکوتر و نزدیک تر از راحت رسانیدن بہ دلہا نیست۔ و ما بدین راہ یافتیم و بدین مریدان را وصیت کردیم۔ و گفتہء بزرگان است کہ اوراد و طاعتِ این طائفہ زیادت از ان است کہ بیان کردہ شود۔ و چوں از ان ہمہ فارغ شود ہیچ ورد و طاعت فاضل تر و با فائدہ تر از خدمت کردن یک دیگر نیست۔ چنانچہ روایت کردہ اند از پیغامبر علیہ السلام کہ چوں سوال

کردند اَیُّ صَدَ قَۃٍ اَفْضَلُ قَالَ خِدْمَۃُ عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ ظِلُّ فُسْطَاطٍ اَوْ طُرُوْقَۃُ فَحْلٍ فِیْ

خیمہ وخرگاہ　　کنایہ اشترانِ خوب

سَبِیْلِ اللّٰہِ از حضرت رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم پرسیدند کہ کدام صدقہ فاضل تر است۔ گفت خدمتِ بندہ در راہِ خدائے یا سایہ کردن خیمہ در راہِ خدائے یا دادن اشترے در راہِ خدائے۔ وجائے دیگر فرمودہ است اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَۃِ وَالْمَسَاکِیْنَ کَالْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ کَالَّذِیْ یَصُوْمُ النَّھَارَ وَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ سعی کنندہ در کارِ بیوہ زنان و در کارِ مسکینان ہمچو مجاہد است در راہِ خدائے یا ہمچو روزہ دارِ روز و زندہ دارِ شب۔ اما شرائطِ خادم آن است کہ آرزو و مراد و تصرف خویش جملہ ترک کند و ہم بمرادِ جمع زندگانی کند۔ مسافران و مقیمان را بر مذاقِ طبع ایشان ہر یکے را خدمت می کند تا ایشان بہ اوراد و اوقاتِ خویش پردازند و فارغ البال بہ احوالِ خویش مشغول توانند بود تا ہر چہ یکے را از ین جمع بریاضت و مجاہدت حاصل آید او را از ان خدمت حاصل آید کہ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ و این خانقاہہا و رباطہا و اوقاف برائے این کار ساختہ اند۔ و شرطِ دیگر آن است کہ خود را ملک و نصیب نہ داند۔ و ہر چہ او را باشد از ان جمع داند تا خود را و مالِ خود را و مراد و ہوائے خود را در راہِ ایشان صرف تواند کرد و جمع را بر خویشتن

برہمہ نصیبہا مقدم دارد و ہیچ چیز دریغ نہ دارد اِلَّا مَا حَرَّمَ للهُ ۔ وہر چہ ازو درخواست کنند بے تاخیرے بجاے آرد۔ اگر چہ ہم مزدوری باید کرد بکند۔ تا آن درخواستِ ایشان میسّر شود۔ و با جمع ہمچنان باشد کہ غلام با خواجۂ خویش۔ تا بہر درشتے کہ با او کنند تحمّل برخود واجب داند ۔ چنانکہ غلام۔ وبر دے لازم باشد کہ پیوستہ رموز واشارت سخنِ جمع را پاس دارد۔ وہر چہ ازان کسے بہ خلل بیند اگر چہ آن کس درخواست نہ کند ترتیبِ آن بسازد۔ وشرطِ دیگر آن است کہ ہر خدمتے کہ درحقِ جمع بتواند کرد از نیکوئیہا کند تا توفیقے یابد شکر آنہا برخود لازم داند۔ وہر چہ ممکن بود کہ درحقِ جمع بتواند کرد از نیکوئی بہر نوع کہ باشد بکند۔ واگر دقیقہ فرو گذارد و غرامتہا برخود واجب داند۔ وخدمتہا بسیار است، از خدمت مقصود آنکہ بہ ہیچ نوع جوان را نہ شاید جوان را نہ شاید کہ خدمت نہ کند۔ شیخ ابو العباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است ۔ ہر آن مریدے کہ بیک خدمت قیام نماید وے را بہتر از صد رکعت نمازِ نفل۔ واین طائفہ مرتبۂ ہر کسے را بہ خدمت و زیادتِ صحبت واہلیت و ریاضت مشائخ و تربیتِ ایشان وسفر وطول عمر اعتبار کنند بنیت ونسب را ہیچ اعتبار نہ نہند مگر فرزندانِ رسول علیہ السلام و مشائخ زادگان را کہ ایشان را براے نسب اکرام کنند چہ گفتہ اند نَسَبُ الرَّجُلِ دِیْنُہٗ وَ حَسَبُہٗ تَقْوَاہُ۔ گفتہ اند چنانچہ بر صاحبِ مال واجب است کہ زکوٰۃ بیرون آرد، وبہ درویشان بدہد بر عالم واجب است کہ متعلمان را رعایت کنند و زکوٰۃِ علم خود بدہند ہمچنین در طریقت بر مرید مبتدی واجب است کہ از ہر حرکتِ خویش بخدمت راحت و فائدہ بہ غیرے رساند۔ و برادرِ مسلمان را یاری کند۔ و بزرگ تر از خود را خدمت کند۔ و مرتبۂ خدمت وثمرۂ وے و فائدۂ وے آنجا ظاہر شود کہ بے غرض و بے منت و بے ریا باشد پس ہر مریدے کہ خدمت (نہ) کند واز دیگرے خدمت طمع دارد کاہل شود و بر دلہا گران شود و گرانی بر دل تپ جان است ۔ وطبعہا از وے درنفور شود واین ہمہ وے را زیان دارد وروے امید کارے کمتر بود۔ مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم این حرکتِ لطیف کردہ است براے تعلیم وتنبیہ صحابہؓ وامت را کہ وقتے قدحِ شیر درآوردند بر خاست و بر کفِ مبارکِ خود نہاد و ہمہ فقراے صحابہؓ را بداد۔ وانچہ باقی ماند خود خورد۔ گفتند یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ابتدا از خود نہ کردی۔ گفت نہ شاید کہ سَاقِیُ الْقَوْمِ اٰخِرُھُمْ شُرْبًا۔ ودرمیانِ این طائفہ معروف است کہ ہر کہ خدوم تر عزیز تر و بدلہا شیرین تر و نظرہا بدو مائل تر کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ۔ یکے را از بزرگانِ

عرب پرسید ند بِمَ سُدْتَ قَالَ خَدَمْتُ فَسُدْتُ گفت بچہ مہتر شدی گفت خدمت کردم تامہتر شدم۔ و گفتہ اند ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ از رسول علیہ السلام مرتبۂ خلافت یافت وبدان دولت کہ رسید از مواظبتِ خدمت بود۔ وہمہ بزرگان راابتدا ہمین بودہ است کہ درآغاز کمرِ خدمت بستہ اند۔ تا بہ انتہا مخدوم گشتہ اند۔ وثمراتِ وے زیادہ ازان است کہ درتحریر وبیان آید۔ بقدرِامکان غنیمت شمرد وامیدوار باشد۔ اے برادر احکامِ الٰہی از قیاسِ بشر بیرون است کنعان از صلبِ نوح پیغامبر بود علیہ السلام درکشتی راہش نہ دادند۔ ابلیس لعین راراہ بودروا بود کہ این حدیث باباد شاہ نہ گویند وباپاسبانے بگویند۔ نہ بنی کہ بافرعون نہ گفتند وباپیرزنے کہ درخانہ اش بود گفتند۔ او بتوکہ نگرد بحکمِ علمِ پاکِ خود نگرد نہ بحکمِ عمل آلودۂ تو مذہبِ اہلِ سنت آن است کہ الطافِ حق رانہایت نیست۔ عالم برشد کسے بہ کنہ الطافِ حق نہ رسید کہ برین مشتے خاک است۔ فردا ہمہ راحشر کنند پس ندادردہند کہ ہمہ خاک گردید وفرشتگان را گویند شما گردِ عرش برمی گردید۔ نہ شمارا باحلّۂ رضوان کار، ونہ باسلسلۂ مالک شمار۔ شما از مقامِ معلوم بہ بینید کہ مارا بااین مشتے خاک چہ کارہا است۔ از ینجا است کہ گفتہ اند کہ اگرخاک نہ بودے این حدیث نہ بودے، واین سوزہاو دردہانہ بودے۔ بہشت باہمہ نعمت وکرامت نقدِ سرنواختِ خاک است۔ رضوان باہمہ غلمان چاکرشادی وصالِ خاک است خاک نہ بود۔ واین لطف کہ شنیدی بااین مشتے خاک درازل بود خاک نہ آمدہ وکارخاک بہ لطف پاک ساختہ۔ کام نہ شراب ساختہ ،سرنہ کلاہ دوختہ، قدم نہ راہ پرداختہ، دل نہ نظر پیوستہ، گناہ نہ خزانۂ مغفرت پُر کردہ طاعت نہ بہشت آراستہ اَلْعِنَایَۃُ قَبْلَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔ والسلام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اکہتّر واں مکتوب اے (ترجمہ)

خدمت کے بیان میں

بھائی شمس الدین۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اولیاء کی خدمت میں بزرگی نصیب کرے۔ سنو مرید کا ایک بڑا کام

خدمت کرنا ہے۔ خدمت کرنے میں بڑے بڑے فوائد ہیں۔ اور کچھ ایسی خاصیتیں ہیں جو اور کسی عبادت میں نہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ نفس سرکش مرجاتا ہے اور بڑائی کا گھمنڈ دماغ سے نکل جاتا ہے عاجزی اور تواضع آجاتی ہے۔ اچھے اخلاق، تہذیب اور آداب آجاتے ہیں۔ سنت اور طریقت کے علوم سکھاتی ہے۔ نفس کی گرانی اور ظلمت دُور ہوکر روح سبک اور لطیف ہوجاتی ہے۔ آدمی کا ظاہر و باطن صاف اور روشن ہوجاتا ہے۔ یہ سب فائدے خدمت ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا خدا تک پہنچنے کے لیے کتنے راستے ہیں؟ جواب دیا کہ موجوداتِ عالم کا ہر ذرّہ خدا تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے، مگر کوئی راہ نزدیک تر اور بہتر خلقِ خدا کو راحت اور آرام پہنچانے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور ہم تو اسی راستے پر چل کر اس منزل تک پہنچے ہیں۔ اور اپنے مریدوں کو بھی اسی کی وصیت کرتے ہیں۔ انھیں بزرگوں کا کہا ہوا ہے کہ اس گروہ کے وِردو وظائف اور عبادتیں اتنی ہیں جو بیان نہیں کی جاسکتیں۔ مگر کوئی عبادت افضل اور مفید تر خدمتِ خلق سے نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا اَیُّ صَدَقَةٍ اَفْضَلُ۔ قَالَ خِدْمَةُ عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْظِلُّ فِسْطَاطٍ اَوْ طَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ فرمایا بندے کی خدمت کرنا خدا کی راہ میں، یا سائے کی غرض سے خدا کے راستے میں شامیانے لگانا، خیمے نصب کرنا۔ یا خدا کی راہ میں اونٹ یا کشتی دینا) ایک اور دوسری جگہ ارشاد ہوا اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمَسَاکِیْنِ کَالْمجَاهِدِفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ کَالَّذِیْ یَصُوْمُ النَّهَارَ وَیَقُوْمُ الَّیْلَ (بیوہ عورتوں کے کام میں دوڑنا اور غریبوں مسکینوں کی خدمت بجالانا ایک مجاہد کی طرح ہے راہِ خدا میں۔ یا اُن لوگوں کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھتے اور راتوں کو عبادت کرتے ہیں) مگر خدمت کے لیے شرطیں ہیں۔ وہ یہ کہ اپنی آرزو اور اپنا تصرف بالکل چھوڑ دے اور قوم وجماعت کا جو مقصد ہو ویسا ہی کرے۔ مسافر یا مقیم جو بھی ہیں اُن کی طبیعت کے رجحان کے مطابق کام کرے تاکہ انھیں فراغتِ دل حاصل ہو اور بے فکر ہوکر اپنے اوقات وردو وظائف میں گذاریں اور فارغ البال ہوکر اپنے معمولات میں مشغول رہ سکیں ان کو جو کچھ مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہوگا اُس کو اسی خدمت سے وہی سب فائدے ہوں گے۔ کہ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ (جس نے کسی

اچھے کام کے لئے مدد کی تو اُس کا اجر بھی اُس کام کے کرنے والے کے برابر ملے گا) یہ خانقاہیں، مسافر خانے اور اوقاف اسی کام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خود کو مالک ومختار نہ سمجھے۔ جو کچھ اس کے پاس ہے، یہ سمجھے کہ وہ انھیں لوگوں کا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات مال مراد اور اپنی خواہشات کو ان کے لیے لٹادے اپنے ہر کام پر ان کی ضرورتوں کو مقدم سمجھے۔ اُن سے کوئی چیز دریغ نہ رکھے۔ البتہ جو جو چیزیں کہ خدا نے حرام کردی ہیں۔ اور جس جس چیز کی اس سے درخواست کریں فوراً بجالائے۔ اگرچہ اس کے لیے مزدوری کرنا پڑے تو مزدوری کرنے سے بھی جان نہ چرائے تاکہ ان کا کام پورا ہو جائے۔ اور اُن کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا ہو جیسا ایک غلام اپنے مالک کے ساتھ کرتا ہے۔ اگر وہ سختی بھی کریں تو اُس کی برداشت واجب سمجھے اور ہمیشہ ان کے رمز واشارے کی باتوں کا لحاظ رکھے۔ اگر کوئی خرابی بھی دیکھے تو بغیر اُن کی تحریک کے درست کردے۔ اور یہ شرط بھی ہے کہ جو جو کام خلق اللہ کے لیے نیک دلی اور ہنسی خوشی کے ساتھ کرے تاکہ توفیقِ خیر کا مستحق ہو۔ اور ان کاموں کی انجام دہی پر شکر حق بجالائے اور جو کچھ اس سے ممکن ہو جماعت وملّت کے لیے نیکیاں کرتا جائے۔ اور اگر کوئی دقیقہ فروگذاشت ہو جائے تو پشیمان ہو اور تاوان ادا کرے۔ خدمتیں بے شمار ہیں اور مقصود یہ ہے کہ جوان افراد کسی طرح بھی خدمت سے جان نہ چرائیں۔ شیخ ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جو مرید ایک کام کرنے کے واسطے کھڑا ہوگا اُس کے لیے یہ کام نماز نفل کی سو رکعتوں سے زیادہ مفید وبہتر ہے۔ یہ لوگ ہر ایک شخص کی خدمت اور پیروں کی صحبت اور اہلیت و ریاضت وتربیت کا زیادہ سے زیادہ اعتبار کرتے ہیں اور نسبت ونسب کا کوئی خیال نہیں کرتے البتہ آلِ اطہارِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں اور مشائخ زادے بھی۔ کیونکہ یہ نسب کے اعتبار سے لائقِ احترام ہیں۔ جیسا کہا ہے نَسَبُ الرَّجُلِ دِيْنُهٗ وَ حَسَبُهٗ تَقْوَاهُ (نسب آدمی کا دین اور پرہیزگاری اس کا مشرب ہے)۔ جیسا کہ صاحبِ مال پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکال کر فقراء کو دے۔ اور علماء کے لیے لازم ہے کہ طلباء کو پڑھائیں، علم سکھائیں اور اپنے علم کی زکوٰۃ دیں۔ اسی طرح راہِ طریقت میں مبتدی مرید پر واجب ہے کہ اپنی خدمت کے ذریعہ غیروں کو راحت وآرام پہنچائے۔ مسلمان بھائیوں کی امداد اور اپنے سے بڑوں کی خدمت انجام دے۔ خدمت کرنے کا صلہ، ثمرہ اور فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب خدمت

بے غرض، بے منت اور بے ریا ہو۔ پس جو مرید خود خدمت نہیں کرتا بلکہ دوسروں سے خدمت لینے کی آرزو کرتا ہے وہ کاہل ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر گراں گذرتا ہے اور بوجھ بن جاتا ہے۔ دل کی یہ گرانی اور بوجھ جان کے لیے تپ ہے اس لیے لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ اُس کے حق میں سراسر نقصان اور خرابی کا باعث ہے اور کار برآری کی امید کم ہو جاتی ہے۔ حضرت پیغمبر مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ اور امت کی تعلیم کی غرض سے نہایت لطیف پیرائے میں اس کو سمجھایا ہے کہ کسی وقت ایک کٹورا دودھ کا حضور ﷺ کے پاس لایا گیا آپ نے اُٹھ کر اپنے دستِ مبارک میں لیا اور فقراء وصحابہؓ میں تقسیم فرما دیا۔ اور جو کچھ بچ رہا خود پی لیا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول ﷺ اللہ، حضور ﷺ نے اپنے سے شروع کیوں نہ فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ ایسا نہیں چاہیے کہ سَاقِیُ الْقَوْمِ اٰخِرُ ھُمْ شُرْبًا (قوم کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے)۔ اس گروہ میں مشہور ہے جو زیادہ خدمت کرتا ہے وہ زیادہ بزرگ اور پیارا ہوتا ہے، دلوں میں خوش آئند اور نگاہیں اُس کی طرف مائل رہتی ہیں کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ (قوم کا سردار وہی ہے جو اُن کی خدمت کرتا ہے)۔ عرب کے ایک بزرگ سے پوچھا گیا بِمَ سُدْتَ قَالَ خَدَمْتُ فَسُدْتُ (تم کیسے سردار بن گئے؟ انھوں نے کہا میں نے لوگوں کی خدمت کی اور سردار ہو گیا)۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم سے جو منصب خلافت پایا اور اتنی بڑی دولت ملی وہ ہمیشہ خدمت میں کمر بستہ رہنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ ابتدا میں ہر ایک بزرگ کے ساتھ یہی ہوا ہے کہ وہ ہر وقت خدمت کے لیے ایک پاؤں پر کھڑے رہے ہیں یہاں تک کہ آخر میں خود مخدوم ہو گئے۔ خدمت کے ثمرے اتنے ہیں کہ بیان نہیں کئے جا سکتے۔ تم سے جہاں تک ہو سکے غنیمت سمجھو اور امیدوار رہو۔ اے بھائی احکامِ خداوندی انسان کے فہم وادراک سے بالاتر ہیں۔ کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند تھا۔ وہ کشتی میں نہیں بٹھایا گیا اور شیطانِ ملعون کے لیے راستہ ہو جائے یہ جائز ہے کہ یہ باتیں بادشاہ سے تو نہ کہی جائیں مگر ایک پاسبان سے بیان کی جائیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ فرعون سے تو نہ کہا لیکن اسی گھر میں ایک بڑھیا سے کہہ دیا۔ اس کی نگاہیں جو تمھاری طرف اُٹھا کرتی ہیں اور اتنی مہربانیوں اور کرم کی بوچھار ہوتی رہتی ہے وہ اپنے علمِ پاک کی رُو سے نظر کرتا ہے تمھارے گندے اعمال کی رُو سے نہیں ہے۔ اہل سنت کا مذہب کہتا ہے

کہ خدا کی نوازش و کرم کی کوئی حد نہیں۔ سارا عالم اُٹھا مگر کوئی اُس کے انعام و اکرام کے اسرار تک نہ پہنچا کہ آخر اس خاک کے پتلے پر اتنا کرم کیوں ہے؟ کل جب قیامت آئے گی سب لوگ حشر کے میدان میں بلائے جائیں گے۔ غیب سے ایک آواز سنائی دے گی کہ سب خاک ہو جاؤ۔ فرشتوں کو حکم ہو گا کہ تم عرش کے گرد جمع ہو جاؤ۔ تمھیں حلہ بہشتی سے کوئی کام نہیں اور نہ دوزخ کی بیڑیوں سے کوئی سروکار۔ تم مقامِ معلوم سے دیکھتے رہو کہ اس مشت خاک کے ساتھ ہمارے کیا کیا معاملے ہیں؟ اسی معنی کو دیکھ کر کہا ہے کہ اگر یہ خاکی نہ ہوتا تو یہ باتیں بھی نہ ہوتیں اور نہ یہ سوز و گداز و درد و تپش ہوتی بہشت اتنی نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ اس خاکی پر نچھاور اور غلمان و حوروں کو لیے ہوئے رضوان اُس کے جشن وصال کے شادیانے گاتا ہے۔

اور یہ جو تم نے سنا کہ ازل میں یہ خاکی اُس وقت بھی موجود تھا۔ یہاں تک کہ خاک پیدا کی اور اپنی نوازش و کرم سے اس خاکی کا کل سامان مہیا کیا۔ ابھی پینے والا نہ تھا کہ شراب بنائی۔ سر نہ تھا مگر اُس کے لئے تاج آراستہ کیا۔ چلنے والا پاؤں نہ تھا مگر راستہ صاف اور ستھرا کر دیا۔ دل نہ تھا مگر نگاہیں اُس پر اُٹھا دیں۔ گناہوں کا وجود نہ تھا مگر رحمت و مغفرت کے خزانے بھر دیئے اور طاعت و بندگی کا کہیں نام و نشان نہ تھا مگر گلزار فردوس کو دل کش بہاروں سے آراستہ کر دیا۔ اَلْعِنَايَةُ قَبْلَ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ (کرم و نوازش کا یہ سارا اہتمام خمیر گوندھنے سے پیشتر ہی کر دیا گیا)۔ والسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

مکتوب ہشتاد و ہفتم

در تفاوتِ اقدام

و دعائے برائے کفایت مہمات

برادر اعز شمس الدین بداند کہ در راہِ دین میانِ اِقدام خلائق تفاوتے عظیم است از ہر قدمے تا قدمے و از ہر دمے تا دمے و از ہر سرے تا سرے چندانے تفاوت باشد کہ از عرش تا ثریٰ اگر چہ در خلقت و

صورت یکساں اند فتویٰ شرع است اَلنَّا سُ مَعَادِنُ کَمَعَا دِنِ الذَّ هَبِ وَالْفِضَّةِ۔ گفت این خلق ہمہ کان اند و کان ہر چند بظاہر یکسان ولیکن در معنی تفاوتے عظیم دارد۔ نہ بینی تا از یک کان زر۔ واز یکے نقرہ واز یکے آہن واز یکے گوہر۔ این ہمہ خلائق کہ ہستند و بودہ اند و خواہند بود ہمہ صدفہاے اسرار اند۔ در ہر جسدے سرّ ے است و در ہر قالبے خداوند را تعبیہ ایست و در ہر دلے از شواہد دین داعیہ ایست و در ہر جانے شانے است کہ عقولِ ملکی و بشری بر نہ سنجد۔ درین معنی خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً گفتہ است۔ مثنوی۔

نبات ومعدن وحیوان و افلاک میانِ آب و بادو آتش و خاک
ہمہ در عشق می گردنداز حال چہ در وقت وچہ در ماہ وچہ در سال
اگر چشمِ دلت گردد برین باز برون گیرد ز یک یک ذرہ صدراز
ہمہ ذرّاتِ عالم رادرین کوے نہ بیند یک نفس جز درروش رُوے
کہ داند کین چہ اسرارِ نہان است سخن نیست این کہ نورِ عقل وجان است

اما آنہا کہ خورشیدِ فلکِ ارادت اند ومقبولِ حضرتِ ازل اند وسر ہنگانِ عہدِ دولتِ اسلام اند، گردِ مرکب دولتِ ایشان بر ہر کہ افتاد عزیز ابد گشت واگر بر بتخانہ رسید مسجد گشت ۔

دوش می گویند پیرے درخرابات آمدہ است آب چشمش با صراحی در مناجات آمدہ است
مے غسل گرد و بدستش بت کدہ مسجد شود یارب این مقبل چنین صاحب کرامات آمدہ است

سنّت درحق ایشان از درگاہِ عزت آفریدگار چنین رفتہ است کہ زحمتِ گفتن وشنودن ایشان را دامن نہ گیرد۔ وغیرتِ راہِ دین نقطۂ دلِ ایشان بہ تیغ قہر سیاست نمودہ باشد کہ ہر چہ نسبت براہِ آفرینش دارد ہیچ چیز سراز دولت خانۂ دین ایشان بر نہ زند۔ غیرتِ عزتِ ازلی ایشان را در کنف غیرتِ خویش متواری دارد تا ہیچ نظر بد بر جمالِ حالِ ایشان راہ نیابد وَتَرٰهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ وَ هُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۔سر این معنی است در عالمِ حقائق ایشان را نزاع القبائل خوانند۔ قدر شریعت سید ایشان دانند وقدرِ سنتِ او ایشان شناسند۔ بر مقامِ انبیاء ایشان شایند۔ و در بیانِ احکامِ شرع چنین صدیقان پایند تا فتویٰ دہند ومیانِ حق و بندگان چنین

مقربان آیند تا سخنے گویند وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ۔ تربیت واذن ایشان است اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ احوالِ پیر ومرید آن است ؎

آن را کہ دلیلِ رہ رُخے چومہ نیست　　　از خود بخود آمدن رہے کوتہ نیست

چہ توان کرد ہمہ از پردۂ غیبِ صدیقان نیایند وہمہ از مادرِ روزگار پادشاہان نزایند ہزار ہزار جانِ پاک را در کورۂ طلب فرو گذارند تا صدیقے را از پیش بیتے برگیرند وہزار ہزار معتکفانِ صوامع را از محرابِ طاعت بیرون آرند وبدوزخ سپارند تا سینۂ خراباتی را با عہد توحید دیدار دہند۔ اما مرادِ ترا با حدیثِ پاکان چہ کار واین دولت کہ داد مرادِ ترا نصیب نیست۔ ودر دِمن وتو آن است کہ خسرو گفتہ است علیہ الرحمۃ ؎

سگاں در کوے تو شب گرد خسرو را دران رہ نے

طفیلِ آن سگان بارے مراہم بار بایستے

وقتے ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مریدے را بہ تجسسِ بایزیدؒ فرستاد تا از حالتِ بایزیدؒ او را خبرے آرد۔ چون مرید بہ بسطام رسید و در کلبہ، بایزیدؒ در آمد و او را در صحنِ حجرہ نشستہ دید نشناخت وندانست کہ بایزید است۔ بایزید گفت او را چہ می خواہی۔ گفت بایزیدؒ را می خواہم گفت اَیْنَ اَبُوْ یَزِیْدُ وَاَنَا فِیْ طَلَبِ اَبِیْ یَزِیْدِ مُنْذُ سِنِیْنَ۔ گفت کدام ابو یزید را می طلبی واز کجا می طلبی اینک من ابو یزیدم۔ سالہا است کہ در عشقِ بو یزیدم وہنوز در نیافتہ ام۔ آن مرید با خود گفت کہ این دیوانہ است ہیچ نمی داند کہ چہ می گوید۔ بہ مصر باز آمد وخواجہ ذوالنون را خبر داد۔ بگریست وگفت اَخِیْ اَبُوْ یَزِیْدُ قَدْ ذَھَبَتْ فِی الذَّاھِبِیْنَ اِلَی اللّٰہِ برادرِ من بایزید با قافلہ، مشتاقان بہ عالمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رفت ومارا اینجا تنہا بگذاشت۔ اینک این حدیثِ مردان است کہ ایشان را بہ دنیا در آوردند وبیرون بردند۔ وایشان را نہ در آوردنِ دنیا خبر بود نہ از بیرون بردن۔ شیخ ابوالحسن خرقانی را قدس اللہ روحہ، گفتند کہ جنید ہشیار در دنیا در آمد امّا مست بیرون رفت۔ و شبلی مست در آمد ومست بیرون رفت۔ در ایشان چہ گوئی۔ گفت لَوْ سُئِلَا مَا عَلِمَا ذٰلِکَ۔ گفت اگر جنید وشبلی را فردا حشر کنند واز ایشان پرسند کہ چگونہ آمد وچگونہ شد ایشان را نہ از آمدن خبر باشد ونہ از بیرون شدن۔ درحال فرشتہ درسرِ شیخ خرقانی ندا کرد کہ صَدَقْتَ لَوْ سُئِلَا مَا عَلِمَا ذٰلِکَ راست گفتی اے

شیخ اگراز ایشان پرسی ایشان خود نہ دانند کسے کہ ہمیشہ خدائے را داند دیگر چیز ہا او را خبر نہ باشد رباعی۔

عشاقِ تو از الست مست آمدہ اند سرمست زبادۂ الست آمدہ اند

ےمی نوشند و پند می نہ نیو شند کایشان زالست مے پرست آمدہ اند

سخن این صدیقانِ با ایمان شنو، زینہار در حالِ صدیقان بہ عقل رکیکِ خود تصرف نہ کنی کہ این عزیزان اند کہ نظامِ عالم در قدمِ ایشان است۔ وقوامِ دین در تصرفِ ایشان است و مشارقِ عالم در امرِ ایشان است و مغاربِ عالم منقادِ نہیِ ایشان است۔ نہ بینی آنکہ سیدِ کونین و خواجہ عالمین است چون ہلالؓ غلامِ مغیرہؓ را بدیدے در پیش فراز آمدے و گفتے مرا دعائے بکن۔ چون او دعا کردے خود آمین گفتے۔ روزے بامدادے نشستہ بود روے بیاران کرد و گفت قُوۡمُوۡا بِنَا اِلَیۡہِ ہمہ برخیزید کہ کائنات را درین ساعت کسوۃ مصیبتِ ہلالؓ پوشانیدہ اند۔ بہ جمع برخاستند و بہ درِ خانۂ مغیرہؓ رفتند۔ و مغیرہؓ را خبر نہ کہ ہلالؓ فرمان یافتہ است۔ برائے آنکہ در خانۂ وے ہیچ کس خوارتر از ہلالؓ نہ بود۔ اہلِ خانہ را نہ از زندگیِ او خبر، نہ از مردنِ او خبر۔ مغیرہؓ بیرون آمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم را بہ آن صدیقان ایستادہ دید۔ در پاے مبارکش غلطید۔ پیغامبر گفت مَا حَدَثَ فِیۡ دَارِکَ در سرائے تو امروز چہ پدید امدہ است گفت مَا حَدَثَ فِیۡ دَارِیۡ اِلَّا خَیۡرٌ۔ یارسولؐ اللہ در سرائے من ہیچ چیز پدید نیامدہ است مگر خیر۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم گفت یا مغیرہ عزیز ترین اہلِ بیت ترا جان برداشتہ اند و ترا خبر نہ۔ مغیرہؓ بہ تعجب فرد ماند۔ گفت ہرگز این گمان نہ بردم کہ ہلالؓ را این درجہ بود۔ عجب کارے است در ہفت آسمان جلالتِ ہلالؓ را گلہِ سعادت بستہ بودند۔ و در زمین جز مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کسے او را نہ شناخت تا بدانی کہ این حدیث کارِ بے تابان است۔ ہر کہ بکارے مغرور شد دست از فلاح او باید شست کہ شَرُّ النَّاسِ مَنۡ یُّشَارُ اِلَیۡہِ بِالۡاَصَابِعِ۔ ہر کہ انگشت نمائے خلق باشد او را مسلم نیست این حدیث کردن سنتِ بادشاہے اگر نہ از بہرِ ایمانِ خلق را بودے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ازین قدم کہ اَنَا ابۡنُ اِمۡرَأَۃٍ مِنۡ قُرَیۡشٍ کَانَتۡ تَاۡکُلُ الۡقَدِیۡدَ۔ درین قدم گاہ باز نیامدے کہ اَنَا سَیِّدُ وُلۡدِ اٰدَمَ وَلَا فَخۡرَ۔ سنتِ بادشاہی این است کہ چون بساطِ راز خویش در سینہ بگسترانند میل در چشم اہلِ عادت و رسم کشند تا ہر ناشستہ روے او را نتواند دید۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دانست کہ ہلال کیست کہ مددگاہِ او از حضرتِ

مصطفےٰ بود ولیکن تا اجلش نیامد کسے راز حالِ او خبر نہ کرد برائے آنکہ پردہ دریدن نہ کارِ او بود۔ ہیچ منزل آراستہ تر و باسلامت تر از منزلِ متواریان نیست۔ ہلالؓ چنان متواری رفتہ بود کہ خواجہ او در خانہ ندانست۔ پس پیغامبر علیہ السلام گفت یَا مُغِیْرَۃ اَیْنَ مَکَانَہُ الَّذِیْ یَکُوْنُ فِیْہِ۔ جائے ہلال کجا است مارا آنجا بر۔ مغیرۃؓ ایشان را بہ اصطبلِ ستوران برد ہلال را دیدند رضی اللہ عنہ کہ در زیر دست و پائے ستوراں افتادہ و جان بدادہ۔ پیغامبر علیہ السلام در آمد و سرِ مبارکِ او را در کنار گرفت وَاَغْرَقَتْ عَیْنَیْہِ و چشمہا در آب غرق گرد اینده و می گفت یا ہلال بظاہر بدین خاک افتادہ۔ ولیکن حقیقتِ گوہرِ تو در حضرتِ پاک است ہرگز صحابہ مصطفےٰ صلَّی اللہ علیہ وسلم را در ہیچ ماتمی بدان گرمی نہ دیدہ بودند۔ و ہرگز خویشتن را حسرت زدہ تر از ان روز نہ دانستہ بودند۔ ہمہ صدیقان و سرورانِ قریش در تمنا آن روز بودند کاش کہ جانِ ماخاکے بودے کہ ہلال پائے بران نہادے دیا کاش کہ جانہائے ما را چہار پارہ نعلینِ ہلال کردندے۔ و بآخر حضرتِ رسالت این فرمود کہ اِنَّ لِلّٰہِ فِی کُلِّ زَمَانٍ سَبْعَۃَ اَعْبُدٍ بِھِم یَنْصُرُوْن وبِھِمْ وَ یُمْطَرُوْنَ وَبِھِمْ یُرْزَقُوْنَ لَنْ یَّنَالُو اَمَا یَنَالُوا بِکَثْرَۃِ صَلٰوۃٍ وَلَا بِصَوْمٍ وَلَا بِصَدَقَۃٍ وَاِنَّمَا نَالُوا بِسَلَامَۃِ الْقُلُوب وَ سَخَاوَۃِ الْاَنْفُسِ وَکَانَ ھَلَالٌ مِنْ اَفْضَلِھِمْ گفت خدائے را در ہر عصرے ہفت بندہ باشند کہ خلائق روزی از برکاتِ وقتِ ایشان یابند و اہلِ اسلام را نصرۃ از ہمتِ ایشان بود۔ و باران از آسمان بدعائے ایشان آید۔ این ہلال فاضل تر و عزیز تر ازین ہفت کس بود کہ درین عصراند۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَالّٰی عَلَی اللّٰہِ بِزَوَالِ الدُّنیا لَا زَالَھَا مِنْ مَکَانِھَا۔ بدان خدائے کہ نفس محمدؐ بہ قبضہ قدرتِ اوست اگر این ہلال سوگند بر خدائے دادے کہ دنیا را یکبارگی نیست گردان سوگندِ او سوگند راست گشتے واز دنیا ذرہ نماندے۔ منکرِ بے دولت را بگو کہ ملتِ محمدؐ این است کہ اگر بر ملتِ اوئی برین ایمان آر۔ و اگر نہ عہد نامہ اسلام باز دِہ

ہر کرا مہمے پیش آید و تدبیر آن نہ داند این دعا را بہ اخلاص تمام بخواند کل مہماتِ او مکفی گردد۔ این است۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِصِدْقِ اَبِیْ بَکْرٍ وَ خِلَافَتِہٖ وَ بِعَدْلِ

عُمَرَ وَصَلَابَتِهٖ وَ بِحَیَاءِ عُثْمَانَ وَسَخَاوَتِهٖ وَ بِعِلْمِ عَلِیٍّ وَ شُجَاعَتِهٖ وَ بِسَخَاوَۃِ الْحَسَنِ وَرُتْبَتِهٖ وَبِشَهَادَۃِ الْحُسَیْنِ وَ غُرْبَتِهٖ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ۔ والسلام۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

ستاسیواں مکتوب ۸۷ (ترجمہ)

قدموں کے فرق اور کفایت مہمات کی دعاء میں

میرے عزیز بھائی شمس الدین، معلوم ہو کہ دین کی راہ میں لوگوں کے قدموں کے درمیان بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ نیز ایک قدم سے دوسرے قدم تک، ایک سانس سے دوسری سانس تک اور ایک راز سے دوسرے راز تک اتنا فرق ہوتا ہے جتنا عرش سے تحت الثریٰ تک۔ اگر چہ اپنی خلقت اور صورت میں سب آدمی برابر ہیں۔ مگر شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّۃِ۔ (آدمی کان ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں)۔ اگر چہ بہ ظاہر سب کانیں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں۔ لیکن اپنے معنی میں بڑا فرق رکھتی ہیں۔ نہیں دیکھتے کہ ایک کان سے سونا، ایک سے چاندی، ایک سے لوہا اور ایک سے جواہرات نکلتے ہیں۔ یہ جتنے لوگ ہیں اور جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں اور جو آئندہ ہوں گے سب ہی اسرارِ الٰہی کے صدف ہیں۔ ہر ایک جسم میں ایک راز ہے اور ہر قالب میں اللہ تعالیٰ کا حسن ہے اور ہر دل میں دینی مشاہدات اور خواہش و ارادہ ہے اور ہر جان میں خدا کی ایک شان ہے جس کو فرشتوں اور انسانوں کی آنکھیں سمجھ نہیں سکتیں۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو ظاہر کیا ہے مثنوی۔

نبات و معدن و حیوان و افلاک — میانِ آب و باد و آتش و خاک
همہ در عشق می گردند از حال — چہ در وقت و چہ در ماہ و چہ در سال
اگر چشمِ دلت گردد برین باز — برون گیر د ز یک یک ذرہ صد راز
همہ ذرّاتِ عالم را درین کوے — نہ بیند یک نفس جز در روش رُوے

سخن این است نورِ عقل و جان است • که داند کین چہ اسرارِ نہان است

(نباتات، معدنیات، حیوانات، آسمان، عناصر آب و آتش، خاک و باد، یہ سب کے سب ہر وقت، ہر مہینے، ہر سال اُس کے عشق میں گردش کرتے اور اپنی حالت بدلتے رہتے ہیں۔ اگر تمھارے دل کی آنکھیں ان پر کھل جائیں تو ہر ذرّے میں سیکڑوں راز پوشیدہ نظر آئیں۔ یہاں تمام ذرّاتِ عالم کو ہر وقت گردش اور روش میں دیکھتے ہیں۔ کون جانے اِن میں کیا کیا راز پوشیدہ ہیں۔ یہی بات ہے جو عقل و جان کو روشنی بخشتی ہے)۔

لیکن وہ لوگ جو آسمانِ ارادت کے آفتاب، درگاہِ حق کے مقبولِ ازلی اور مملکتِ اسلام کے سالار ہیں ان کے مرکبِ دولت کی گرد جس کے سر پر پڑ گئی وہ ہمیشہ کے لیے عزیز ہو گیا۔ اگر بتخانے میں پہنچ گئی تو بتخانہ مسجد بن گیا۔ قطعہ۔

آب چشمش باصراحی در مناجات آمدہ است • دوش می گفتند پیرے در خرابات آمدہ است

یارب این مقبل چنین صاحب کرامات آمد است • مَے عسل گردو بدستش بت کدہ مسجد شود

(کل رات لوگ کہہ رہے تھے کہ میخانے میں ایک پیر آیا ہے جس کی آنکھوں کی چمک صراحی کے ساتھ مل کر مناجات کرتی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں شراب شہد بن جاتی ہے اور اُس کے قدموں سے تنجانہ مسجد ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ یہ کیسا صاحبِ کرامات اور مقبول بندہ آیا ہوا ہے)۔ ان کے حق میں پروردگارِ عالم کی یہی سنت جاری ہے کہ ان کو بولنے اور سننے کی زحمت نہیں ہوتی اور راہِ دین کی غیرت کی وجہ سے ان کے دل کا نقطہ سیاست میں قہر کی تلوار ہوتا ہے۔ اس لیے جس کا تعلق آفرینش سے ہے وہ ان کے دل کے دولت خانے سے باہر نہیں جا سکتا۔ اُن کو ازلی غیرت و غرت اپنی پناہ میں رکھتی ہے تا کہ اُن کے حسن و جمال کو نظر بد نہ لگ جائے۔ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۔(اور تم دیکھتے ہو کہ وہ تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر وہ کچھ نہیں دیکھتے)۔ اسی بھید کے معنی ہیں کہ عالمِ حقیقت میں ان کو نزاع القبائل کہتے ہیں۔ حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سنتِ نبوی ﷺ کی قدر یہی لوگ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کے وارث اور قائم مقام ہونے کے لائق یہی لوگ ہیں۔ احکامِ شریعت بیان کرنا ایسے ہی صدیقوں کا کام ہے کہ فتویٰ صادر کریں۔ اور خدا اور بندوں کے درمیان ایسے ہی مقربانِ بارگاہ کے واسطے کی

ضرورت ہے۔ تاکہ خدا کا کلام سنائیں۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَق۔ (اور ہم نے ایک امت ایسی بھی پیدا کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھاتی ہے)۔ ان کی تربیت و اجازت اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں تم نے ان میں سے کسی کی بھی پیروی کی تو تم ہدایت پاؤ گے) ثابت ہے۔ اور پیروں اور مریدوں کا یہی حال ہے۔

آن را کہ دلیل رہ رخے چو مہ نیست   از خود بخود آمدن رہے کوتہ نیست

(جس کا رہنما کوئی چاندی سی شکل والا نہیں ہے۔ خود بخود منزل پر پہنچ جانا بہت دشوار ہے اور راستہ بہت طویل ہو جاتا ہے)۔ اے بھائی، کیا کیا جائے۔ پردۂ غیب سے سب صدیق ہی نہیں نکلا کرتے اور مادرِ گیتی سے سب بادشاہ ہی پیدا نہیں ہوتے۔ ہزاروں پاک جانیں طلب کی بھٹی میں پگھلائی جاتی ہیں جب کسی بت کے سامنے سے کسی صدیق کو چن لیتے ہیں۔ اور حجرۂ عبادت کے ہزار ہا اعتکاف کرنے والوں کو محرابِ طاعت سے باہر کھینچ کر دوزخ میں ڈال دیتے ہیں، جب کہیں کسی میخوارِ خراباتی کی آنکھیں جلوۂ توحید سے آشنا ہوتی ہیں۔ لیکن ہم کو تم کو اِن پاک لوگوں کی باتوں سے کیا سروکار؟ یہ دولت جو عطا کی گئی ہمارے تمھارے نصیب میں کہاں؟ ہمارا تمھارا درد تو وہ ہے جس کو خسرو رحمۃ اللہ علیہ والغفر ان نے یوں کہا ہے۔

سگان در کوے تو شب گرد و خسرو ادران رہ نے
طفیلِ آن سگان بارے مرا ہم بار بایستے

(راتوں کو تیری گلی میں کتے چکر لگاتے ہیں۔ لیکن خسرو کیلئے کوئی راہ نہیں۔ اپنی گلی کے کتوں کے صدقے میں کسی دن مجھے بھی آنے کی اجازت دے)۔ ایک دن حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید کو حضرت بایزید قدس سرہٗ کی تلاش میں بھیجا کہ جا کر اُن کی خبر لائے۔ مرید جب بسطام پہنچا اور بایزیدؒ کے مکان پر آیا تو ان کو صحنِ مکاں میں بیٹھا دیکھا۔ پہچان نہ سکا کہ یہی بایزیدؒ ہیں۔ آپ نے پوچھا ''کیا چاہیے''؟ اُس نے کہا ''میں بایزیدؒ سے ملنا چاہتا ہوں'' آپ نے فرمایا ''اَیْنَ اَبُوْ یَزِیْدُ وَاَنَا فِیْ طَلَبِ اَبِیْ یَزِیْدِ مُنْذُ سِنِیْنَ''۔ (ابویزیدؒ کہاں ہے؟ میں خود ابویزید کو سالہا سال سے تلاش کر رہا ہوں)۔ تم کس بایزیدؒ کو چاہتے ہو؟ میں ابویزیدؒ کے عشق میں برسوں سے مبتلا ہوں۔ ابھی تک میں نے اس کو نہیں

پایا۔'' مرید نے اپنے دل میں سوچا یہ دیوانہ ہے اور کچھ نہیں جانتا کہ کیا کہتا ہے۔ آخر مصر میں واپس آیا اور حضرت ذوالنون سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ یہ سن کر رونے لگے اور بولے اَخِیْ اَبُوْ یَزِیْدُ قَدْ ذَھَبَتْ فِی الذَّاھِبِیْنَ اِلَی اللّٰہِ ۔ میرا بھائی بایزیدؒ مشتاقوں کے قافلے کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے عالم میں پہنچ گیا۔ اور مجھے یہاں اکیلا چھوڑ دیا۔ یہ اُن مردانِ خدا کی باتیں ہیں جن کو اس دنیا میں لائے اور پھر واپس لے گئے۔ لیکن نہ ان کو یہاں آنے کی خبر ہوئی نہ یہاں سے جانا معلوم ہوا۔ شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ نے کہا کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں ہوشیار آئے اور مست ہو کر یہاں سے گئے۔ اور شبلیؒ مست ہی آئے اور مست ہی گئے۔ ان لوگوں کا کیا کہنا۔ لَوْ سُئِلَا مَا عَلِمَا ذٰلِكَ اگر اِن دونوں جنید و شبلی رحمۃ اللہ علیہما سے قیامت کے دن پوچھا جائے کہ کیونکر آئے اور کیونکر گئے؟ تو ان کو نہ اپنے آنے کی خبر ہے نہ جانے کی۔ اسی وقت ایک فرشتۂ غیب نے ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو ندا کی صَدَقْتَ لَوْ سُئِلَا مَا عَلِمَا ذٰلِكَ۔ اے شیخ آپ نے سچ فرمایا اگر ان سے پوچھا جائے تو یہ خود نہیں جانتے۔ سچ ہے جو شخص صرف خدا ہی کو جانتا ہے اُسے دوسری چیزوں کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ رباعی۔

عشاقِ تو از الست مست آمدہ اند	سرمست زبادۂ الست آمدہ اند
مے نوشند و پند مئے نمی نیوشند	کایشان زالست بادہ پرست آمدہ اند

(تیرے عشاق روزِ الست ہی سے مست آئے ہیں۔ یہ شرابِ الست سے مخمور ہو کر آئے ہیں۔ شراب پیتے اور شراب کی نصیحت نہیں سنتے۔ کیونکہ ازل سے شرابی بن کر آئے ہیں)۔ اب اِن ایمان والے صدیقوں کا حال سنو۔ اور اپنی ناقص عقل سے ان کے متعلق رائے زنی نہ کرو۔ کیونکہ یہ وہ بزرگانِ دین ہیں کہ دنیا کا نظم و نسق انھیں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اور دین کا استحکام اِن کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ مغربی اور مشرقی دنیا ان کے حکم و فرمان کے تابع ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ہلالؓ کو (جو حضرت مغیرہ کے غلام تھے) دیکھتے تو تپاک کے ساتھ تشریف لاتے اور کہتے کہ میرے لیے دعا کرو۔ وہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آمین فرماتے۔ ایک دن صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ قُوْمُوْابِنَا اِلَیْہِ۔ آؤ اٹھو، اس وقت کائنات کو ہلالؓ کی مصیبت کی

پوشاک پہنائی گئی ہے۔ سب لوگ روانہ ہوئے اور حضرت مغیرہؓ کے گھر پہنچے۔ حضرت مغیرہؓ کو خبر نہ تھی کہ حضرت ہلالؓ کو فرمانِ قضا پہنچ چکا ہے۔ اس لیے کہ ان کے گھر میں ہلالؓ سے زیادہ اور حقیر و ذلیل نہ تھا۔ اور گھر کے لوگوں کو اُن کی زندگی اور موت کی کچھ خبر نہ تھی۔ جب مغیرہؓ باہر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن صدیقوں کے ساتھ کھڑے دیکھا تو پاؤں پر گر پڑے اور آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا مَا حَدَثَ فِی دَارِكَ (آج تمہارے گھر میں کیا حادثہ ہو گیا ہے؟) اُنھوں نے کہا مَا حَدَثَ فِی دَارِیْ اِلَّا خَیْرُ یَا رَسُوْلُ اللّٰهِ (یا رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ سب خیریت ہے)۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرے گھر کے لوگوں میں سے ایک عزیز ترین ہستی نے انتقال کیا، اور تجھے اس کی خبر نہیں۔ حضرت مغیرہؓ کو سخت تعجب ہوا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں کبھی ایسا گمان بھی نہ ہوا کہ ہلال رضی اللہ عنہ کا اتنا بڑا رتبہ ہوگا۔ تعجب کی بات ہے کہ سات آسمانوں میں ہلالؓ کی عظمت کا یہ مرتبہ کہ سعادت و نیک بختی کا تاج اُن کے سر پر رکھا جاتا ہے اور زمین میں سوائے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی اُن کو نہیں پہچانتا۔ اس سے اندازہ کرو کہ یہ بے تاب و بے چین لوگوں کی باتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کام میں مشہور ہو گیا تو اُس کی فلاح سے ہاتھ دھوڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ شَرُّ النَّاسِ مَنْ یُشَارُ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ۔ (جسے انگلی سے اشارہ کیا جائے وہ اچھا آدمی نہیں ہے)۔ جو مخلوق میں انگشت نما ہو وہ ان باتوں کے کہنے کے لائق نہیں ہے۔ اگر بادشاہ کا طریقہ مخلوق کے ایمان کے لیے ضروری نہ ہوتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام اَنَا اِبْنُ اِمْرَاۃٍ مِنْ قُرَیْشٍ کَانَتْ تَاْکُلُ الْقَدِیْدَ (میں اسی خاتون کا فرزند ہوں جو سکھایا ہوا گوشت کھاتی تھیں) سے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (میں بنی آدم کا سردار ہیں اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے) کے مقام پر تشریف نہ لاتے۔ بادشاہِ حقیقی کی سنت یہی ہے کہ جب کسی کے سینے میں اسرار کی بساط بچھاتے ہیں تو رسم و رواج کے شیدائیوں کی آنکھوں میں سلائی پھیر دیتے ہیں تا کہ وہ لوگ جنھوں نے بشریت کی ناپاکی سے اپنا منھ نہیں دھولیا ہے وہ اُسے نہ دیکھ سکیں۔ حضرت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے تھے کہ ہلالؓ کی شخصیت کیا ہے کیونکہ ان کے مراتب کا سر چشمہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک تھی۔ جب تک حضرت ہلالؓ کا وصال نہ ہوا کسی کو ان کے حال کی خبر نہ ہوئی اور نہ حضور ﷺ نے کسی

پر ظاہر فرمایا۔ کیونکہ پردہ دری کرنا حضور ﷺ کا شیوہ نہ تھا۔ یقیناً کوئی منزل ومقام گوشہ نشینی وگمنامی سے بڑھ کر آراستہ اور سلامت نہیں ہے۔ حضرت ہلالؓ تو اس درجہ بے نام ونمود اور غیر معروف تھے کہ خود اس گھر کے مالک کو معلوم نہ ہوسکا۔ پھر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَا مُغِیْرَۃُ اَیْنَ مَکَانُہُ الَّذِیْ یَکُوْنُ فِیْہِ۔ (اے مغیرہؓ وہ جگہ کہاں ہے جہاں وہ رہتے تھے)۔ ہمیں وہاں لے چلو! حضرت مغیرہؓ آپ ﷺ کو چوپایوں کے طویلے میں لے گئے جہاں آپ ﷺ نے ہلال رضی اللہ عنہ کو چوپایوں کے پاؤں کے نیچے پڑے ہوئے دیکھا اور آپ کی روح پرواز کر چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لائے اور ان کے سرِ مبارک کو اُٹھا کر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ لیا وَاَغْرَقَتْ عَیْنَاہُ (اور آپ کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں) اور فرمایا ''اے ہلالؓ، بظاہر تم اس فرشِ خاک پر پڑے ہوئے ہو مگر تمھاری حقیقت کا جوہر دربارِ خداوندی میں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی اور کی تعزیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غمگین نہ دیکھا تھا۔ اور اپنے کو اس روز سے زیادہ حسرت زدہ نہ پایا تھا۔ اسوقت تمام صدیقوں اور سردارانِ قریش کی یہ تمنا تھی کہ کاش ہماری جانیں خاک ہوجاتیں اور حضرتِ ہلالؓ اُس پر اپنا قدم رکھتے۔ یا ہماری کھالوں سے حضرت ہلالؓ کی جوتیاں بنادی جاتیں۔ آخر میں حضرتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ لِلّٰہِ فِی کُلِّ زَمَانٍ سَبْعَۃَ اَعْبُدٍ بِھِم یَنْصُرُوْن وبِھِمْ یُمْطَرُوْنَ وَبِھِمْ یُرْزَقُوْنَ لَنْ یَّنَالُو اِمَا یَنَالُوابِکَثْرَۃِ صَلوٰۃٍ وَلَا بِصَوْمٍ وَلَا بِصَدَقَۃٍ وَاِنَّمَا نَالُوْا بِسَلَامَۃِ الْقُلُوب وَ سَخَاوَۃِالْاَ نَفْسِ وَکَانَ ھَلَا لٌ مِنْ اَفْضَلِھِمْ (ہر زمانے میں خدا کے سات بندے ہوتے ہیں کہ ان کی دعاؤں سے مخلوق کی مدد کی جاتی ہے۔ ان کے طفیل آسمان سے بارش ہوتی ہے۔ انھیں کی برکتوں سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔ اور یہ مرتبہ انھیں نماز روزے کی کثرت اور زیادہ صدقہ دینے کی وجہ سے نہیں بلکہ دل کی سلامتی اور نفس کی سخاوت کی وجہ سے ملتا ہے۔ اور حضرت ہلالؓ ان سے افضل تھے)۔ پھر فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَا لِیْ عَلَی اللّٰہِ بِزَوَالِ الدُّنیالَا زَالَھَا مِنْ مَکَانِھَا۔ (اور اس خدائے پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر یہ ہلالؓ خدا کو قسم دیتے کہ دنیا کو نیست و نابود کردے تو دنیا اپنی جگہ پر معدوم ہوجاتی)۔ جو منکر بد بخت ہے اس سے کہو کہ ملتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہی

ہے۔اگر تم ان کے دین کی پیروی کرتے ہو تو اس پر ایمان لاؤ۔ ورنہ اسلام کا عہد نامہ واپس کردو۔

اگر کسی کو کوئی مشکل پیش آجائے اور اُس کے حل کرنے کی کوئی تدبیر نہ ہو تو نہایت خلوصِ دل سے یہ دعا پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِصِدْقِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّ خِلَافَتِهٖ وَ بِعَدْلِ عُمَرَ وَّصَلَابَتِهٖ وَ بِحَيَاءِ عُثْمَانَ وَّ سَخَاوَتِهٖ و بِعِلْمِ عَلِيٍّ وَّ شُجَاعَتِهٖ وَ بِسَخَاوَةِ الْحَسَنِ وَرُتْبَتِهٖ وَبِشَهَادَةِ الْحُسَيْنِ وَ غُرْبَتِهٖ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ يَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ۔

والسلام

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ
عظیم آباد، پٹنہ
رائے پورہ فتوحہ

ضمیمہ ۲

انعقادِ اعراس کے لئے حجت وعرس حضرت مخدوم جہاںؒ

بزرگانِ دین کے عرس کے انعقاد کے حق میں حضرت مخدوم جہاںؒ نے تاریخی شواہد سے حجت پیش کی ہے۔ مخ المعانی میں حضرت مخدوم جہاںؒ کا اس سلسلہ میں یوں ارشاد ہے ☆: (ملاحظہ ہو تاریخ سلسلہ فردوسیہ، مصنفہ محمد معین الدین دردائی، صفحہ ۲۲۶):

حضرت سالت پناہ صلعم کا وصال یکم ربیع الاوّل کو ہوا بعض ظاہری اختلافات اور باطنی معاملات کی وجہ سے تجہیز و تکفین تیسری تاریخ ہوئی۔ پھر نوروز اس اختلاف میں گذرے کہ خلیفہ کون ہو۔ اسکے بعد فیصلہ ہو گیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مان لئے گئے۔ تیسری تاریخ سے گیارہ تاریخ تک ازواج مطہرات کا یہ معمول رہا کہ ہر محل سے ایک ایک دن بنام رسول اللہ علیہ السلام بقدر وسعت طعام داری کی گئی۔ بارہویں تاریخ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بخیال ایصال ثواب روح پرفتوح رسول علیہ السلام کھانا پکوایا اور اس مقدار سے پکوایا کہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہوا۔ طعام داری کا یہ رنگ دیکھ کر ادھر اُدھر لوگ پوچھنے لگے کہ اسکا سبب کیا ہے۔ کہا گیا کہ 'الیوم عرس رسول اللہ ﷺ' کیا تم نہیں جانتے کہ آج حضور پرنور صلعم کا عرس شریف ہے۔

☆: حضرت مخدوم جہاںؒ نے شاید تفسیر زاہدی کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے۔ یہ تاریخ وصال مشہور تاریخ وصال سے مختلف ضرور ہے، مگر آج کل یہ بات زیر بحث بھی ہے کہ مشہور تاریخ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ حجۃ الوداع کا جمعہ کو ہونا محقق ہے، اسطرح وصال کا دن پیر (دوشنبہ) بھی محقق ہے اسطرح تاریخ وصال جو بارہ ربیع الاوّل مشہور ہے، وہ درست نظر نہیں آتی اور اسکا امکان ہے کہ پہلی ربیع الاوّل پیر کا دن ہو۔

خوان پر نعمت ☆،ملفوظ حضرت مخدوم جہاںؒ، میں یوں مذکور ہے کہ مخدوم عظمہ اللہ نے فرمایا کہ شیخ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ دہلی میں بڑے مشہور ومعروف بزرگ گذرے ہیں۔ پیران طریقت کا عرس یہ کیا کرتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دہلی میں عرس کی ابتداء آپ نے کی۔

عرس حضرت مخدوم جہاںؒ بھی بہت تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ اسکا سلسلہ بلخیوں کے دوران سجادگی سے ہی قائم ہوا اور بعد میں جب خانوادہ مخدوم جہاںؒ سجادگی پر رونق افروز ہوئے تو یہ سلسلہ اور بھی دراز و پر رونق ہو گیا۔ موجودہ زمانے کا کچھ حال مکتوبات صدی حصہ اوّل، مؤلفہ الحاج محمد سلیمان صاحب میں 'مختصر تذکرہ حضرت مخدوم الملک سیدنا شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ' کے عنوان کے تحت یوں مذکور ہے ☆☆:

ہر سال ۵ شوال سے لے کر ۷ شوال تک عرس شریف ہوتا ہے۔ چادر بڑے جلوس کی شکل میں بہار شریف کی کوتوالی۔ کچہری۔ محکمہ آبکاری وغیرہ سے ہر سال بلا ناغہ مزار شریف پر چڑھائی جاتی ہے۔ علاوہ اسکے چادر خاص خانقاہ سے ان کے سجادہ نشین خود لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ خانقاہ میں مجلس سماع بھی منعقد ہوتی ہے اور سجادہ نشین تشریف فرما ہوتے ہیں۔ عرس شریف کے دنوں میں عظیم الشان مجمع ہوتا ہے۔ ہر قوم و ملت کے لوگ کثرت سے شریک ہوتے ہیں اور اپنے اپنے مراد کو پہنچتے ہیں۔ بہ سبب طوالت زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ناظرین اسی پر اکتفا کریں۔

عرس حضرت مخدوم جہاںؒ کا تفصیلی ذکر حیات ثبات مصنفہ جناب سید شاہ نجم الدینؒ، میں مذکور ہے۔ یہ تفصیل حضرت جناب سید شاہ امین احمد فردوسی المعروف بہ حضورؒ کے زمانہ کے حوالہ سے ہے۔ تاریخ سلسلہ

☆ خوان پر نعمت، مترجمہ ڈاکٹر محمد علی ارشد فردوسی، صفحہ ۱۵۸

☆☆ مکتوبات صدی حصہ اوّل، از حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری ثم بہاریؒ، تالیف لطیف الحاج محمد سلیمان صاحب قادری ابوالعلائی چشتی فردوسی بہاری، منجانب بزم فردوسیہ، وشن داس روڈ، رام سوامی دکراچی، سنہ طباعت ۱۹۶۴ء، صفحہ ۱۷

فردوسیہ (صفحہ ۲۲۸) میں جناب حضورؒ کے زمانہ میں عرس کی تقریبات کا جونقشہ پیش کیا گیا ہے اسکا خلاصہ درج ذیل ہے:

رجب کے مہینہ سے ہی عرس شریف کی تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں۔ خانقاہ معظم کی مرمت و رنگ روغن کا کام ہوتا، ضروری سامان طعامداری فراہم کرلیا جاتا۔ یکم شوال سے مہمانوں اور زائرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ پانچویں تاریخ تک پورا شہر مہمانوں سے بھر جاتا۔ ہر گھر میں کوئی نہ کوئی مہمان قیام پذیر ہوتا۔ ان حضرات کے ذوق وانبساط کا یہ عالم ہوتا کہ

منم کہ دیدہ بدیدار دوست کردم باز
چہ شکر گوئمت اے کارساز بندہ نواز

پانچویں تاریخ بعد ظہر اور قریب عصر بہار اور صوبہ بہار کے معزز مہمان کمرے پر جمع ہوتے۔ فقراء کی جماعت بھی آتی۔ جناب حضور تشریف لاتے اور سبھوں سے التفات فرماتے۔ بعد عشاء درگاہ شریف جانے کی تیاری ہوتی، اس وقت حضرت جناب حضور کی خاص حالت میں رائی المخدوم کی شان نظر آتی۔ پھر آپ درگاہ شریف کی طرف روانہ ہوتے اور آپ کے معیت میں تمام حاضرین روانہ ہوتے۔ راستہ میں چراغاں ہوتا اور عجب دلکش منظر ہوتا۔ فاتحہ اور چادر سے فرصت کر کے جناب حضور اکابرین اجداد کے مزارات پر چادر اور پھول چڑھاتے پھر مزار اقدس کے سامنے حجرا بیض کے متصل تشریف رکھتے اور قل ہوتا اور انوار وتجلیات سے دامن مراد بھر کر خانقاہ واپس تشریف لے جاتے۔ خانقاہ میں مجلس سماع ہوتی اور جب یہ ٹھمری پڑھی جاتی تو درودیوار انوار وتجلیات سے منور ہو جاتے۔

میرے پیر شرف توری نگری سلامت ارج کرے اک ناری
گھر والے نکلی برج تلے ٹھاری انواں بھیجے موری ساری
میرے پیر شرف
سب پنہاریاں بھر بھر گیلیں میں تورا اور چوا اٹھاری

میرے پیر شرف توری نگری سلامت ارج کرے اک ناری

قریب طلوع آفتاب (۶ شوال) عزیزاں خاص دیوان خانہ سے حلوہ چپاتی شربت اپنے اپنے سروں پر لے کر آتے اور قل ہوتا۔ بعد قل وہ چیزیں تبرکاً تقسیم کی جاتیں۔ پھر مخدوم جہاںؒ کی چہار دیواری پر گاگر تقسیم کیے جاتے۔ جناب حضور اور متوسلین گاگر اُٹھا کر دکھن دیوان خانہ آتے اور گاگر کے پانی دیگ میں انڈیل دیتے۔ اس پانی سے نیاز کا کھانا پکتا۔ اور طرح طرح کے کھانوں، مثلاً بریانی، میٹھا، فرنی، قورمہ، قلیا، سموسہ، کباب، عطر، پان وغیرہ کا بھی اضافہ کیا جاتا۔ بعد ظہر یہ کل چیزیں دیوان خانہ کے دکھن سائبان میں ایک چوکی پر رکھ دی جاتیں۔ پھر جناب حضور تشریف لاتے اور قل ہوتا جس میں اکثر لوگ شریک ہوتے۔ بعد قل وہ کھانا تبرکاً تقسیم ہوتا۔

۶ کا دن گذار کر لوگ بکثرت مرید ہوتے۔ چونکہ اس شب لوگوں کی بہت کثرت ہوتی اسلئے مہمانان خاص روک لئے جاتے اور ساتویں کو ایک مجلس دعوت (سماع) ترتیب دی جاتی جس میں خوب ذوق وشوق کا سماع ہوتا۔ بعد مجلس ماحضر پیش کیا جاتا۔ مہمان وارا کین شہر کی شرکت ہوتی اور بعد فراغت لوگ واپس جاتے۔

۶ تاریخ سے ۱۴، ۱۵، تاریخ تک بہار شریف میں گھر گھر انواع و اقسام کھانے تقسیم کئے جاتے، گویا پورا شہر عرس کی رونق سے معمور ہوتا۔ ۹ تاریخ کو چھ من چاول اور گوشت کا کھانا پکا کر فقراء کو بھیج دیا جاتا۔ ۱۹ شوال کو فقراء خانقاہ آتے۔ اُس روز انہیں کھانے کو قبولی ملتی اور ۱۹ تک جتنی نذریں ان فقراء کے لئے ملتی ہوتیں وہ جمع رکھی جاتیں اور اس دن یہ تمام چیزیں فقراء میں حسب مراتب تقسیم کر دی جاتیں۔

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ
عظیم آباد، پٹنہ

ضمیمہ ۳:

کلام عارفانہ ومنقبت درشان حضرت مخدوم جہاںؒ

کچھ کلام عارفانہ اور حضرت مخدوم جہاںؒ کی شان میں کہی گئی چند مشہور منقبتیں پیش کی جارہی ہیں۔ بتقاضائے ادب ابتداء حمد ونعت سے کی جارہی ہے۔ ان میں سے اکثر کلام محافل سماع میں پڑھے جاتے ہیں اور اہل دل ان سے ذوق حاصل کرتے ہیں۔ قوال حضرات انکی ادائیگی میں کبھی سہو کر جاتے ہیں، چنانچہ انکو یہاں پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انکی ادائیگی کی تصحیح ہو سکے اور صاحبان ذوق کا لطف دوبالا ہو سکے۔ کلام کے انتخاب کے لئے مؤلف جناب علی حسین احمدی سہروردی صاحب اور جناب سید غلام محی الدین صاحب، احباب بزم فردوسیہ ٹرسٹ، کا ممنون ہے۔

حمد

الٰہی عاصیم اَستَغفِرُ اللہ   تو اِی فریادْ رَس اَلحَمدُ لِلّٰہ

ندارم ہیچ چیزے توشۂ راہ   بجزْ لَا تَقنَطُوا مِن رَّحمَۃِ اللہ

"حضرت مخدوم جہاںؒ"

☆..................☆..................☆

حمد

نقاب کبریائی بر تو زیباست   لوائے بادشاہی بر تو زیباست

جمال خویش را ظاہر کن امروز   کہ سر خودنمائی بر تو زیباست

ترا بینم بہر صورت کہ بینم — کہ سر رہنمائی برتو زیباست
تو شہباز فضائے کبریائی — ازاں فرّ ہمائی برتو زیباست
توئی مستغرق اندر بحر وحدت — کہ موج آشنائی برتو زیباست
پلاسی و چرم را احمد گزیدے — لباس بادشائی برتو زیباست

(حضرت مخدوم احمد چرمپوش قدس سرہٗ)

☆..........☆..........☆

سلام

بحضور سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اِنْ نَزَلْتِ یَا رِیْحَ الصَّبَا یَوماً اِلَی الْاَرْضِ الْحَرَمْ
بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَةً فِیْهَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمْ

مَنْ وَجْهُهٗ شَمْسُ الضُّحٰی مَنْ خَدُّهٗ بَدْرُ الدُّجٰی
مَنْ ذَاتُهٗ نُوْرُالْهُدٰی مَنْ کَفُّهٗ بَحْرِ الْهِمَمْ

قُرْ آنُهٗ بُرْهَا نُنَا نَسْخاً لِاَ دْیَان مَّضَتْ
اِذَا جَآءَ نَا اَحْکَامُهٗ کُلِّ الصُّحُفِ صَارَ الْعَدَمْ

اَکْبَادُنَا مَجْرُوْحَةٌ مِنْ سَیْفِ هِجْرِ الْمُصْطَفٰے
طُوْبٰی لِاَ هْلِ بَلْدَةٍ فِیْهَا النَّبِیِّ الْمُحْتَرَمْ

لَسْتُ بُرَاجِ مُفْرَدَابَلْ اَقْرَبَائِیْ کُلُّهُم
فِی الْحَشْرِاِ شْفَعْ یا شَفِیْع بِا الصَّادو النُّونِ و القلم

يَـا رَحْـمَةً لِّـلْـعَـالَـمِيْـنَ اَنْـتَ شَـفِيْـعُ الْـمُـذْنبِيْـن
اَكْـرِمْ لَـنَـا يَـوْمَ الْـحَـزِيْـنَ فَـضْلاً وُجُـوْدًا وَالْـكَّـرَمْ

يَـا مُـصْـطَـفٰـے يَـا مُـجْـتَبٰـى اِرْحَـمْ عَـلٰـى عِـصْـيَـانِـنَـا
مَـجْـبُـوْرَـةً اَعْـمَـالَـنَـا ذَنْـبـاً وَطَـمَـعًـاوَالظُّـلْـم

اَوْلاَدَهٗ فِـــىْ دَارِهٖ اَعْـــدَآءِهٖ فِـــىْ نَــارِهٖ
صِـدِّيْـقُـــهٗ فِـــىْ غَـــارِهٖ ذٰكَ الْـعَـتِيْـقُ الْـمُـحْـتَشَـم

فَـارُوْقُـــهٗ عَـدْلُ الـصَّـفَـا عُـثْـمَـانُـــهٗ عَـيْـنَ الْـحَـيَـا
اَلْـمُـرْتَـضٰـى كَـهْـفِ الْـوَرٰى ذٰكَ الْـعُـلٰـى وَالْـمُـحْـتَـرَمْ

صَـلُّـوْعَـلٰـى عَـيْـنِ الـصَّـفَـا بِـنْـتَ الـنَّـبِـىُّ الْـمصْـطفٰـى
اَلْـفَـاطِـمَـــه خَـيْـرُ الـنِّـسَـاءِ يَـنْـبُـوْعَ اَنْـهَـارِ الْـكَـرَمْ

يَـــارَحْـمَـةً لِّـلْـعَـالَـمِـيْـنَ اَدْرِكْ لِـزَيْـنِ الْـعَـابِـدِيْـنَ
مَـحْـبُـوْسَ اَيْـدِ الظَّـالِـمِيْـنَ فِـىْ اَلْـهَـوْ كَـبِ وَ الْـمُـزْدَحَـم

(حضرت سیّدنا زین العابدینؓ)

☆.............☆.............☆

نعت

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مَنِ بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

چشمِ رحمت بگشا سوئے من اندازِ نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مُطّلبی

نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

ماہمہ تشنہ لبانیم توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی

سیّدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسیؔ پئے درماں طلبی

(حضرت قدسیؒ)

☆.......................☆.......................☆

نعت

زمہجوری برآمد جانِ عالَم ترحّم یا نبی اللہ ترحّم

نے آخر رحمۃٌ لِلعالمینی زمحروماں چرا غافل نشینی

زخاک اَے لالۂ سیراب برخیز چونرگس خواب چنداز خواب برخیز

تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے   کنی برحالِ لب خشکاں نگاہے

ادیم طائفی نعلین پائن   شراک از رشتہ جانہائی مائن

کہ بخشد از یقین اوّل حیاتے   دہد آنگہ بکاردیں ثباتے

(حضرت مولانا جامیؒ)

☆..................☆..................☆

نعت

بہ ہجرت دل فگارم یا محمدؐ   نظر بر حالِ زارم یا محمدؐ

شفیق و مہربانِ غمزدائے   کسے جز تو نہ دارم یا محمدؐ

حضورے خود مرا مشغول داری   سوئے پروردگارم یا محمدؐ

زعکسِ مہر رویت بدر گردم

ہمیں امیدوارم یا محمد

(قدوۃ السالکین سیّد شاہ بدرالدینؒ)

☆..................☆..................☆

نعت

تنم فرسودہ جاں پارہ زہجراں یا رسولؐ اللہ

دلم پژمردہ آوارہ زعصیاں یا رسولؐ اللہ

چوں سوئے من گزر آرمی منِ مسکیں زناداری
فدائے نقشِ نعلینت کنم جاں یا رسول اللہ

زکردہ خویش حیرانم سیہ شد روزِ عصیانم
پشیانم پشیمانم پشیماں یا رسول اللہ

زجامِ حب تو مستم بہ زنجیر تو دل بستم
نمی گویم کہ من ہستم سخن داں یا رسول اللہ

چوں بازوئے شفاعت را کشائی بَر گنہ گاراں
مکن محروم جامیؔ را درآں جا یا رسول اللہ

(حضرت مولانا جامیؒ)

☆............☆............☆

گم شدم درخود ندانم یا کیم یا چیستم — قابلم عقلم حیاتم جان گویا چیستم
آدمی نامم ولیکن آدمی دراصل چیست — معنیم یا صورتم اسم مسمّٰی چیستم
عاشقم معشوق عشقم سالکم پیرو مرید — راہم یار صلیم یا مسیحا چیستم
بے نشانی شد نشاں وبے زبانی شد زباں — بے نشاں و بے زباں گویا و بینا چیستم
دوستانم نجم خوارزمی ہمی خوانند من — والہ و مدہوش و حیراں تاچیم یا چیستم

(حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ)

بہ عشق اندر گرفتارم نہ ہشیارم نہ دیوانہ
نہ دلدارم نہ دل دارم نہ جاں دارم نہ جانانہ
نہ در کنج مناجاتم نہ در کوئے خراباتم
خلاف عقل طاماتم کشیدہ رطل مستانہ
بیار آں جام جاں افزا بہ براز خاطرم سودا
بروں شو از من وازما درآاے یارمردانہ
الا اے نجم اگر خواہی مسلم ماہ تاماہی
بسوئے حضرت شاہی قدم بردار مردانہ
(حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ)

☆..........☆..........☆

عکس نمائے آں صنم آئینہ جمال ما
نقش ونگارِ روئے اُوصورت بے مثال ما
ہست کمال ذات اوپاک زلوث نقصہا
عقل رکیک کے رسد درصفت کمال ما
گردحدوث کے رسد گردسراچہ قدم
پاک زلوث عنصری حضرت ذوالجلال ما
مازفراق ایزدی آب حیات خوردہ ایم
ہست زچشمۂ ابدعین بقا زلال ما
گاہ ببرج کبریاگاہ بکنگرۂ صفا
طائر ماہی پرد باز بہ پَرو بال ما
گاہِ شدیم خرقہ پوش گاہ شدیم چرمپوش
گاہ بہ قہر درخروش بوالعجب است حال ما
(مخدوم احمد چرمپوشؒ)

☆..........☆..........☆

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ

ما چشم و دل بجانب دلدار کردہ ایم
جاں رافدائے غمزۂ خونخوار کردہ ایم
افگندہ ایم سَر بسَر کوئے دلستاں
خود را براہِ دوست سبکسار کردہ ایم
از بہر یک دو جُرعۂ دردے ہزار بار
جاں رافدائے خانۂ خمار کردہ ایم
مارا نہ رائے جاہ نہ پروائے خانقاہ
خود را برایں طریق سبکسار کردہ ایم
احمد لباس خرقۂ چرمی بخود مبیں
پنہاں بہ زیر خرقہ زنار کردہ ایم

(مخدوم احمد چرم پوشؒ)

☆..................☆..................☆

باساغرِ جم رُو بدنہ کند سرمست بہ جامِ شرف الدین
بر تختِ سلیماں پانہ نہد شد ہر کہ غلامِ شرف الدین

فیضان محمدؐ بر دلِ او خاص ست ازاں در جملہ جہاں
محروم نہ باشد ہیچ کسے از رحمتِ عامِ شرف الدین

گر مرغ دلم شد قیدی زلفش آں چہ عجب اے اہلِ خِرد
صد ہم چو مظفر می آید شہباز بدامِ شرف الدین
(حضرت مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ)

آں قدسی کہ نور جمال و جلال داشت
ورلا تمام بود درالاکمال داشت

قطب زمان کہ بُد شرف الحق دریں جہاں
درآسمان بہ جمع ملائک جمال داشت

آں شہسوار گوے زمیدان صدق برو
چوگان ہمتش بہ فرسگاہ حال داشت

از نار عشق سوختہ بُد پروبال او
از نور صرف وحدت اوپر وبال داشت

اودرفنا بہ حد نہایت رسیدہ بود
ملک بقائے ایزد باقی نوال داشت

اوبود بے عیاں ولیک از علوے قدر
جملہ جہاں ز مشرق و مغرب عیاں داشت

بے ذلت و زلال قدم بر صراط بود
عصمت بذات پاک تن لایزال داشت

(حضرت برہان مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ)

☆.................☆.................☆

منکہ درلنگرِ عشق تو تلا لا زدہ‌ام
سکہ بر عینِ دو عالم بہ تجلّی زدہ ام

چوں بہ خلوت گہہِ صوفی بجز اِلّا نبود
غم اِلّا نخورم زانکہ ہمہ لا زدہ ام

بفلک گر علم جاہ بر آرم شاید
کہ زدارات شہی کوس تو لا زدہ ام

بخشیسِ زر و مال تو فرونارم سر   کہ من از اوج عُلا پائے بر اعلیٰ زدہ ام

یعلم اللہ بطفیل شرف الحق امروز

خیمہ بر طارمِ گردونِ معلّٰی زدہ ام

(حضرت نوشہ توحید بلخی فردوسیؒ)

☆..................☆..................☆

دیوانگی ربود چو در ہر طرف مرا   در ہر طرف نمود جمالِ شرفؔ مرا

روزے نخست من ہدفِ تیر ادشدم   دیگر نگاہِ کس نہ نماید ہدف مرا

وابستہ است زیستن و مردنم بتو   این عہد بستہ شدز خلف تا سلف مرا

دنیا ہمہ زکف رود امّا محبّتش   سرمایہ ایست ہاں نرود این زکف مرا

راہِ طریقتم بکشا از رہِ کرم   عمرِ عزیز بیہدہ گردد تلف مرا

چندان کہ ہمچو طلعتِ زیبا نہان کنی   چندان شود بدیدنِ رویت شغف مرا

بر ہدِ ثباتؔ تا بجہان از فریبِ نفس

یارب طفیل پیرِ شرف دِہ کشف مرا

(حضرت شاہ امین احمد فردوسیؒ)

☆..................☆..................☆

دل بتو پرداختنم آرزوست   وز ہمہ برداشتنم آرزوست

ہست بہر انجمنم خلوتے   این است اگر انجمنم آرزوست

اہلِ دلان راست سفر در وطن   زان سفر اندر وطنم آرزوست

ہست بہ عشق از ہمہ سوز و گداز   با غمِ او ساختنم آرزوست

از نظرِ لنگرِ دریاے عشق   فیضِ حُسین و حَسَنم آرزوست

زانکہ لقبُ نوشہ، توحید داشت   ہمتِ شیخ عدنم آرزوست

در صفت و ذاتِ پر انوارِ دوست　　ذرّہ صفت گم شدنم آرزوست

بہرِ فدا برسرِ تو بار بار　　مردن و پس زیستنم آرزوست

قیدِ خودی ہست چو زنداں ثبات

رستن ازین ماو منم آرزوست

(شاہ امین احمد فردوسیؒ)

☆..............☆..............☆

رُخ بنما کہ اے پری صبح امید من توئی　　برقعہ کشا کہ اے صنم جلوۂ عید من توئی

ہر سخنے کہ می کنی جاں بہ حلاوت ایئتم　　گنج شکر بہ زیر لب پیر فرید من توئی

بخت شدہ بکام من دستِ مُراد حاصلم　　تا سگ کوئے تو مرا گفت مرید من توئی

در تنِ من ہزار جاں آتش کناں دارام وا　　یار مراچوں اے شفیعؔ گفت شہید من توئی

(حافظ شفیع فردوسیؒ)

☆..............☆..............☆

صد کیف دردست زنام شرف مرا　　بے خود نمود مستی جام شرف مرا

از چشم مست اوست کہ دل صد خوش فناست　　بستی وحدت است ز جام شرف مرا

فخرم ہمیں بس است کہ خدام کوئے او　　خوانند از غلامِ شرف مرا

از راہِ مہر ولطف رساں اے نسیم صبح　　اور اسلام من ز پیام شرف مرا

کہ ذات پاک اوست جدا از خدا شفیعؔ　　دردے پسند است زنام شرف مرا

(حافظ شفیع فردوسیؒ)

☆..............☆..............☆

از غم و درد ہجر او ترک وفا نمی کنم　　مرگ اگر دوا شود رو بہ دوا نمی کنم

راحت عاشقاں بود جور و جفائے دلبراں　　زاں بہ غم تو آشنا لب بہ دعا نمی کنم

ازمن زارائے صبا عرضہ دہی بہ یارمن نیست شبے کہ تاسحر یادشما نمی کنم
گفتمش ازخرام ناز حشر بپا ہمی کنی گفتم کدام اداازو حشر بپا نمی کنم
چوں دل ودین من توئی امن وامین من توئی شکوہ روزگار خودمن زخدانمی کنم
دررہ خارزار عشق یاس نہادہ ام قدم تانہ رسم بہ منزلے روبہ قضا نمی کنم

(حضرت شاہ الیاس المتخلص بہ یاسؒ)

☆..................☆..................☆

محتاج پہ اپنے ایک نظر یاشاہِ شرفؒ یاپیرِ شرفؒ
درچھوڑ کے تیراجائے کِدھر یاشاہِ شرفؒ یاپیرِ شرفؒ

مشتاق کی اپنی لےلو خبر آشفتہ جاں ہے جائے کدھر
اَب لُطف وکرم سے دیکھ اِدھر یاشاہِ شرفؒ یاپیرِ شرفؒ

کِس شور کا طوفاں ہے برپا ہم کِس سے کہیں اللہ اللہ
ہے موج سے کشتی زیروزبر یاشاہِ شرفؒ یاپیرِ شرفؒ

ہوجائے ابھی دل رشکِ جناں کِھل جائیں یہ دل کی سب کلیاں
آجاؤ جوتم گھر میرے اگر یاشاہِ شرفؒ یاپیرِ شرفؒ

پھر دیکھو تماشا مستی کا سرشارِ محبت کو جو کبھی
تم جامِ محبت دے دواگر یاشاہِ شرفؒ یاپیرِ شرفؒ

ہو پہلے مِرا دِل آئینہ پھر دید کا جس کے اَرماں ہے
وہ صاف مِرے تب آئے نظر یاشاہِ شرفؒ یاپیرِ شرفؒ

کیوں ربط کسی کا مجھ سے حیاتؔ اک چشمِ زدن میں چھوٹ گیا
حیرانی کی میرے لے لو خبر یا شاہِ شرفؒ یا پیرِ شرفؒ

(سید شاہ محمد حیاتؔ فردوسیؒ)

☆.................☆.................☆

خواجۂ انس وجاں شَرَفُ اُلدین محرمِ کُن فکاں شَرَفُ اُلدین
مَربعِ قدسیاں شَرَفُ اُلدین سائرِ لا مکاں شَرَفُ اُلدین
قبلۂ سالکاں شرف الدین مطلعِ عارفاں شرف الدین
پرتوِ ذات حق ہے آپ کی ذات فخرِ ہر دو جہاں شَرَفُ اُلدین
معدنِ علم و حکمت حق ہیں مرکز عاشقاں شَرَفُ اُلدین
بحر توحید کے شناور ہیں جانِ فردوسیاں شَرَفُ اُلدین
تاجدارِ بلخ ہیں ان کے غلام نازشِ بلخیاں شَرَفُ اُلدین

چھوڑ کر در کو آپ کے یہ نعیمؔ
اب وہ جائے کہاں شَرَفُ اُلدین

(محمد نعیم ندوی فردوسیؒ)

☆.................☆.................☆

دیگر کلام عارفانہ

مورا نیناں لاگے گوئیاں کو ٗ وا ور سنگ کا ہے
جو بوتراب کا سجن ہے مرا دل اسی کو چاہے
مورا نیناں لاگے گوئیاں
ہمہ شہر پُر زِ خوباں منم و خیال ما ہے

چہ کنم کہ چشمِ بدخو   نہ کند بہ کس نگاہے

مورانیناں لاگے گوئیاں

☆..................☆..................☆

میں تو آئی ہوں سرن تو ہاری

سنو موری شرفا بہاری

جھا جھارے نیا کھیون مت ہارو

بیچ بھنور موری نیا شاہ شرف مو ہے پار اُتارو

برتر ہے میری فکر سے وہ ذات ہے تیری

یا شاہِ شرف احمد یحیٰی منیری

دروازے پر تیرے جو کہ عجز سے آوے

البتہ یقین ہے کہ وہ محروم نہ جاوے

قسمت میں اگر اسکے نہ ہو تو بھی وہ پاوے

تو وہ ہے کہ تقدیر کے بگڑے کو بناوے

سنو موری شرفا بہاری میرے تو آئی ہوں سرن تو ہاری

دروازے کا ہوں تیرے گدا

بھیک دے میری

محروم نہ رکھ میری تو سال کی پھیری

سنو موری شرفا بہاری

دکھیا دکھیا سب کہی

اور کہی نگر کے لوگ

تم دکھیا مت کہو، کہ تم سنگ لاگی ہے ڈور

سنو موری شرفا بہاری

☆..................☆..................☆

شرفا توری نگری سلامت عرض کروں میں تہاری رے

سب پن ہروا بھر بھر گیلیں

میں تو تہرے دوارے جونہ اٹھاری رے

میرے پیر شرف مخدوم شرف

توری نگری سلامت عرض کروں میں تہاری رے

گھروا سے نکسی برج تل تھاڑی

انسوانہ بھیجے موری ساری رے

مخدوم شرف مورے شاہ شرف

توری نگری سلامت عرض کروں میں تہاری رے

☆..................☆..................☆

ذرا یاد کرتے رہیو جی میں تم پر بلہاری

دیس جیہو بدیس جیہو ہمکو دل سے نا بھلیو جی

ھم کو من سے نا بھلیو جی شرف ہم تم پر بلہاری

کوٹھا اُٹھیو اٹاری جھونپڑیا ہمری اَیو جی

شال اڑھیو دوشالہ اُڑھیو کملیا ہمکو اڑھیو جی

ہم تم پر بلہاری شرف یاد کرتے رہیو جی

☆..................☆..................☆

بردے میں دیکھ لوں بہار سانور گوریو

بیری بیری کرائے سنگھار سانور گوریو

ڈر گیو جیارا اچٹ گئی نیندیا

سوتے بیری اتنی پکار سانور گوریو

شرفا دروے کی مستی نہ پوچھو

رتے رتے بڑھا ہے خمار سانور گوریو

خوب حیات آج ہولی رچے گی

رنگو کھولیں ہیں گلنار سانور گوریو

بیری بیری کرائے سنگھار سانور گوریو

☆..................☆..................☆

ناہیں بھولے شرفا کی صورتیا رے سجنی میں کیسے بُھلاؤں

شرف پیا کی ہے سنولی صورتیا موہنی مورتیا

یاد پڑے دن رتیارے سجنی، میں کیسے بھلاؤں

جو جو باتیں بھئی ہی کنجن میں، سپنا بھئی دن رتیارے سجنی

میں کیسے بھلاؤں

انچرا میں چری چری اپنے پیا جی کی لکھ کے پٹھاوت من کی ساری بتیارے سجنی

میں کیسے بھلاؤں

☆..................☆..................☆

شرفا توری اونچی رے اٹریا ہم جھما کے چڑھہیٔ نا

شرفا تو سنگھوانا چھڑ ہیٔ ہم جوگنیاں ہوئکے نا

کجلو میں نہیرا نہ چلو میں ساہورا
شرفا تورا سنگھوانہ چھٹ رہئی ہم جوگنیاں ہو ئکے نا

☆..............☆..............☆

رخصتی

کاہے کو بیاہی بدیس سنو مورے
میں تورا بابل کھٹے کی گیّا چاہے جدھر باندھی جائے رے

میں تورا بابل بیلے کی کلیاں چاہے جدھر بک جائے رے
طاق بھری میں نے گڑیا سجائی چھوڑ سہیلیوں کا ساتھ رے
سنو بابل مورے

بھیّا کو دینی بابل محل دومحلا ہم دیئو پردیس رے
ڈولیکا پردہ اٹھا کے جو دیکھا۔ بابل۔ نہ بابل کا دیس رے

☆..............☆..............☆

ٹونہ

آج ٹونہ میں ایسا بناؤں بنے ۔ ہریالے بنے۔ لاڈلے بنے
پہلا رے ٹونہ رسولؐ پہ واروں۔ دوسرا رے ٹونہ حضرت علی پر
تیسرا رے ٹونہ حضرت پر واروں۔ چوتھا رے ٹونہ حضر حسین پر واروں
پنچواری ٹونہ پنج تن پر واروں۔ خواجہ ری بندریا بیاہن آیا
مخدوم شرف الدین اولیا رنگیلے بنے
آج ٹونہ میں ایسا بناؤں..........

مبارک بادی

آباد رہے شرفا دائم تیرا میخانہ
ہم شیشہ و ساغر ہم بادہ و پیمانہ

لے کاسۂ دل تیرے میخانے پہ حاضر ہیں
ایک جرعہ کا سائل ہے شرفا تیرا دیوانہ

حیدر کو محمدؐ کو سَیِّدَۂ جنت کو
اللہ مبارک ہو یہ مجلسِ شاہانہ

آباد کیا تم نے گھر احمد و حیدر کا
آباد کرو شرفا میرا دل ویرانہ

☆..............☆..............☆

شاہانہ مبارک بادی

بر توئی محفل شاہانہ مبارک باشد
ساقیا بادہ و پیمانہ مبارک باشد
بر لب جوے مصفا بہ ہزاراں، انوار
لب یارو لب پیمانہ مبارک باشد
بنشیں بر سر تخت ازلی تا بہ ابد
سرمدیں دولت جانانہ مبارک باشد

☆..............☆..............☆

التجاء

بہ دربار حضرت مخدوم نجیبُ الدّین فردوسیؒ

خود کرم کر دیجئے اور اُن سے فرماد یجئے

یہ حجاباتِ دو عالم آپ اُٹھوا دیجئے

ہم کہاں جائیں یہاں سے اُٹھ کے آخر اے حضور

کون پُوچھے گا ہمیں سرکار فرما دیجئے

اَنتَ ہادی اَنتَ مولیٰ اَنتَ مُرشِد اَنتَ حق

لَیسَ ہادی کیا ہے اے سرکار بتلا دیجئے

عمر اَب آئی ہے آقا اپنی ہونے کو تمام

اَب کرم کر دیجئے تکمیل فرما دیجئے

میری نااہلی سے میرے کام ہیں بے انتظام

اپنی شفقت سے اِنہیں انجام فرما دیجئے

یہ قسیمِ خستہ دِل ہے آپ کا پیرانِ پیر

اس درِ اقدس سے یُوں اِس کو نہ لوٹا دیجئے

(سیّد شاہ قسیم الدین احمد بلخی الفردوسیؒ)

☆..........................☆..........................☆

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ
باڑھ، پٹنہ

قطعہ تاریخ

(نتیجہ فکر جناب کیپٹن (ر) سید غلام محی الدین)

نقش بر آب شدہ نقش ہزاراں دیدم
نقش مخدوم جہاں چوں من حیراں دیدم

یک زماں حلقہ بگوشش شدو برماواجب
شکر کردن کہ بہ ما فیض فراواں دیدم

سال تالیف بہ ہاتف بشنو محی الدین
نقش مخدوم شرف لوح مطیعاں دیدم

۲۰۰۲ء

نقش مخدوم شرف حاصل ایمان دیدیم
نقش او نقشِ گر جادۂ احساں دیدیم

سال ہجری چوں می جُستیم ندا ایں آمد
جادہ عشق کزاں نقش فروزاں دیدیم

۱۴۲۳ھ

اشاریہ

	صفحہ نمبر
آداب المریدین	135,163,170,174
آدم صوفی	77
آدم علیہ السلام	217,224,229,234,290,306,321
آرہ	105
آسام	55
آمون	58,63,132,134,141,389
ابراہیم بن ادہم	152,294,323
ابراہیم قوام فاروقی	41
ابن عباس	235,243,319
ابن سیریں	235,243,319
ابوالفتح ہدایت اللہ	73
ابوالحسن ندوی	181,204
ابوالفضل	29,104,105,179,304
ابوبکر	59
ابوبکر صدیقؓ	61,116,169,277,279,352,365,349
ابوذر غفاریؓ	275,277
ابوہریرہؓ	275
ابیات حضرت مخدوم جہاں	16,37,102,108,158,165,213
اجات شترو	105,106
اجتہاد	169,222,242,246,247,297,304
اچہ ملتان	147
احمد بہاری	32,86,146,193
احمد سیاہ دینوری	113

احمد فردوسی	23,34,106,142,167,379,378
احمد لنگر دریا	29,87,159,179
احمد غزالی	175,183,194
احیائے علوم	39
اختیار الدین محمد خلجی	39,49,51,52,55,56,81
اخوند فردوسی	141
اخی سراج	145
اروِل	243
اڑیسہ	38,55
اسد اللہ خان غالب	41
اسحٰق	299
اسماء	221
اسلام	42,58,124,186,205,217,241,268,288
اسمٰعیل	73
اشرف الدین منیری	92
اشرف جہانگیر سمنانی	29,89,212
اشعریہ	226
اشوک	38
افتخار الدین گیلانی	147
التمش	83
امام الدین	94,141
امام تاج فقیہ	29,40,54,64,75,154
امام ابوبکر	59
امام ابوالفتح	59
امام ابوالصائم	59
امام ابوالقاسم	59
امام ابودہر	59
امام ابودرداء	59

امام ابودین	59
امام ابوذر	59
امام ابوشہمہ	59
امام ابومسعود	59
امام باقر	113,93,63
امام تقی	93,146
امام جعفر صادق	93
امام حسینؓ	148
امام زین العابدین	63,93,113
امام علی رضا	93
امام موسیٰ کاظم	93,113
امام امجاد فردوسی	142
امیر الدین	142
امیر کلال	145
امین احمد فردوسی	115,167,366,378
انوار	209,167,135,127
انسؓ	235,257
اوراد اوسط	163
اوراد خرد	163
اوراد کلاں	135,163,172
اودھ	52,147
اوحد الدین اصفہانی	145
اولاد شیخ اسرائیل	68,69
اولاد شیخ اسمٰعیل	73
اولاد شیخ عبدالعزیز	75
اولیاء اللہ	27,159,169,184,187
اہل خدمت	324
ایمان	19,72,117,129,130

باری تعالیٰ	169,219,234,250,259
توحید باری تعالیٰ	239,219
ذات وصفات تعالیٰ	221,225
رویت باری تعالیٰ	168,235,236
وجود باری تعالیٰ	218
بایزید بسطامی	41,296,299
بدرآباد	93
بدھ مذہب	38,55,106
بدرالدین سمرقندی	115,112
بدیع الدین فردوسی	142
بڈی بادام	95
بردوان	70
برہان الدین بلخی	51,142
برہان شہید	51
برہمن	38,39,52,55,106
بزودی	247
بصیرالدین نورشامی	141
بکسر	50
بم بسیار	106
بنگال	39,55,70,81,91,91,186,212
بنگالہ	36,51,76,84,201
بوستان	258
بہاءالدین ذکریا ملتانی	145,146,147,188
بہاءالدین نقشبند	145
بہارشریف	23,25,58,72,105,142,366
بھارت	38
بہیا	100,120,130
بیت المقدس	45,46,50,65

بی بی بارکہ	92,186
بی بی جمال	69,77,78
بی بی حفیظہ	94
بی بی دولت	76
بی بی رضیہ	40,63,66,77
بی بی زہراء	94
بی بی فاطمہ	72,92,146
بی بی کمال	77,76
بی بی ہدیہ	77
پاٹلی پترا	38
پٹنہ	30,38,57,76,84,104,165
پورب	46
پندنامہ	92,93,94,95
پیر	40,71,91,97
تاج الدین کھانڈگاہ	50,48
تاج الدین	134
تجرید	290,331
تصوف	24,30,82,132,146,164,173,231,288
تعبیر خواب	169,280
تعبیر بر بصر	282
تعبیر بر سمع	281
تعبیر بہ فعل	281
تیم اللہ سفید باز	78
تجلی	169,240,253,321,327,343
تجلی روح	327
تفسیر زاہدی	135,168,165,243,365
تفسیر کبیر	243
تفرید	331,338,344

تقلیدی ایمان	226
ثنویہ	220
جام جم	297,303
جسم	112,127,132,171,210,221,311,358
جگدیش پور	101
جلال الدین دمشقی	65,134,145,178,194
جلال منیری	73,76,154
جلیل الدین	43,69,70,135,204,210
جنید بغدادی	113,120,296
جوگی	109,129,155,195
جوہر	81,88,183,221,231,330,363
جین مذہب	106
جیوٹھلی	76
چشتیہ	115
چولھائی	95,123,129,130,185,195
حام	46
حافظ درویش بلخی	141
حافظ رکن الدین	83
حافظ سید محمد شفیع	135
حبیب الدین	43,69,77,93,186
حبیبہ	77
حسن بصری	274,293,294,304
حسن بلخی	.75,87,142,151
حسن پیارے	150
حشر	160
حضرات خمس	
حضرت ابراہیم	41,58,152,236,294,323,346
خطیر الدین ابدال	50

حق الیقین	260
حقیقت	16,90,119,133,156,169,217
حقیقت انسان	229,231
حمزہ	63
حیلہ شرعی	260
خانقاہ	16,165
خانقاہ بلخیہ	17,30,60,87,150,165
خانقاہ معظم	23,25,72,84,135,166,367
خراساں	147
خلافت نامہ	98,109
خلیل الدین	43,69,71,97,208
خواجہ احمد دمشقی	150
خواجہ خضر	135,182
خواجہ محمد گازرونی	147
خیر المجالس	148
داناپور	154
داؤد	48,63,169,191,228
دوہے	125,176
دہلی	72,80,82,91,97,183,193,366
دیوان شاہ دولت	142
دیوان شاہ علی	141
ڈاکٹر شمیم الدین	156
ذات	54,119,151,160,170,221
ذکر وجود اول	156,157
ذکی الدین	69,70,83,141,186,255
راجگیر	103,184,196,209
راجو قتال	145
رسالہ	116,132,150,160,171,193,299

رسالہ توحید اخص الخواص	160
رسالہ توحید خاص	160,193
رسالہ قضا وقدر	160
رسالہ در ہدایت حال	160
رضیہ	40,63,66,69,77
رکن الدین	49,63,69,83,112,167,366
رکن الدین فردوسی	135
زبیر	59,61,62
زین الدین	69,70,83,94,134
زین الدین مجد الملک	134
زین العابدین	63,93,113,371
زین بدر عربی	31,93,133,164,204,212
زبدۃ الحکائق	135
سالک	19,240,252,288,308,341
سام نریمان	48
سجاد فردوسی	142
سراج الدین الجوزجانی	51
سراج العارفین	133,168,194
سری سقطی	113,297
سعیدہ	73,76,154
سلطان محمد تغلق	103,104,146,184,191
سلطان غیاث الدین انور	81
سلطان غیاث الدین بلبن	80
سلطان قطب الدین	52,63
سلمان ساوجی	145
سلوک	19,38,99,12,140,172,184,248
سلیمان لنگر زمین	66,76
سکدہ	70

سلسلہ فردوسیہ	25,34,42,57,88,160,201
سنارگاؤں	29,80,175
سماع	99,124,170,328,367
سہروردیہ	77,115,148
سنہرہ	186,94
سید ابو محمد پیاری	16,131,145,370,375,376
سید احمد چرمپوش	29,87,212
سید اشرف جہانگیر سمنانی	16,20
سید حسین	63,93
سید حسن	145
سید جلال الدین بخاری	188
سید رکن الدین ملتانی	94
سید زین الدین	94
سید سجاد اکبر	148
سید شاہ ظفر احمد سہروردی	17,19
سید شاہ محمد	31,63,142,381
سید شاہ مراد اللہ	49,51,59
سید شاہ نجم الدین	31,63,214,366
سید شاہ علیم الدین بلخی	17,142
سید شمس الدین بلخی	77
سیرت الشرف	29,32,53,70,85.122,182
سید ضمیر الدین	32,59,180
سید علاؤ الحق پنڈوہ	145
سید علی ہمدانی	145
سید محمد نعیم فردوسی	173
سید موسیٰ ہمدانی	77
سید یوسف	63
سیرت الشرف	29,32,53,65,83,90,104,121,182

سیف الدین باخرزی	112,302
سیف الدین فردوسی	18,32,142
سیوان	150
شاہ ابوبکر	59
شاہ آباد	100
شاہ ابراہیم	73
شاہ احمد	63
شاہ جلال	65,68,73,76,141
شاہ جلال فردوسی	141
شاہ حسین احمد سہروردی	27
شاہ حسام الدین	52,76,209
شاہ خاتون	70
شاہ سلیمان	65,66
شاہ شعیب	73,76,141,154
شاہ صلاح الدین	73,75
شاہ عبدالقادر جیلانی	50
شاہ عبدالسلام	141
شاہ عطاء اللہ	86
شاہ عیسیٰ	166
شاہ قاضن شطاری	75
شاہ محمد تقی	142
شاہ منہاج الدین	51,53,191
شرح تعرف	135,168
شرف الدین بوعلی قلندر	99
شرک جلی	239,3+9,336
شرک خفی	249,251
شریعت	18,38,83,127,152,242,253,304
شمس الدین پروانہ نویس	134

شمس تبریزی	303
شہاب الدین پیر جگجوت	63,76,148
شہاب الدین علوی	48,94,237
شیخ احمد دمشقی	70
شیخ اسرائیل	45,64,68
شیخ اسمٰعیل	73
شیخ تقی الدین مہسوی	150
شیخ حسین معز شمس بلخی	43,157
شیخ حسین مہسوی	148
شیخ شرف الدین ابوتوامہ	83,81,95
شیخ سلیمان مہسوی	148,150
شیخ عبدالعزیز	45,49,54,64,77
شیخ منہاج الدین	153,191
شیخ مظفر	140,156
شیخ معز بلخی	75,140,145
شیخ قمرالدین	70,77,92,95,135
شیخپورہ	33,155,186
شئے	216,217,226
صباح الدین عبدالرحمٰن	166,180
صدرالدین رضا	145,188
صفی الموسوی	145
صلاح الدین ابن شاہ علا	75,94
صمصام الدین	52
صوفیہ	180,291,293
ضروریۃ الوجود	228
ضیاءالدین ابونجیب سہروردی	170
ضیاءالدین محمد حیات	142
طریقت	18,115,154,183,222,250,348

طہارت	136,184,307,316,331
طیب ابدالی	32,41
ظفرآباد	157
عالم اندسمی	113
عالم امر	229
عالم خلق	229
عبدالحق محدث دہلوی	29,104,115,145,179
عبدالواسع صدیقی	50
عبداللطیف یزدی	147
عبدالمطلب	59,61,63
عبداللہ المعروف بعمو یہ	113
عبداللہ بن زبیر	61,62
عبداللہ شطار	41,179
عبداللہ مطری	146
عبداللہ یافعی	146
عدن	33,80,93,122,133,155,171,285,334
عز کاکوی	146,193
علاءالدین طوسی عرش	114
علاءالدین بن عطا ملک جوینی	174
علاءالدین علاءالحق سہروردی	150,212
علاؤالدین فردوسی	141
علم الیقین	118,260
علم کلام	82,173,217
علی ابن ابوطالب	298,339
علیم الدین المعروف بہ شاہ بھیکہ	94
علی فردوسی	141
علیم الدین گیسودراز	141
علیم الدین بلخی اول	142

17,142	علیم الدین بلخی
142	علیم الدین درویش
146	علامہ بہاءالدین
145	علاءالدولہ سمنانی
114	عمادالدین فردوسی
242,253,258,279,331	عمرؓ
135	عوارف المعارف
71,175	عین
168,175,194,227,229	عین القضاۃ
260	عین الیقین
76,77	غریب اللہ دھوکر پوش
52	غزنی
29	غلام سرور لاہوری
142,191,376	غلام شرف
142	غلام مظفر
142	غلام معز
180	غوث گوالیاری
30	غور
80,81,82	غیاث الدین بلبن
69,72,88,146	فاطمہ
113	فتاویٰ تاتارخانی
40,53,55,65	فتح منیر
48	شہیدوں کے نام
41,59,130	فرزند علی منیری
77	فریدالدین مسعود شکر گنج
175,179,194,301	فریدالدین عطار
142	فرید بلخی
46	فریدون

فقہ	82,89,97,160,173,248,304,288
فقیہ ابو للیث	258
فیروز رائے	46
فیروز شاہ تغلق	105,150,169,185
قادریہ	115,304
قاضی زاہد	72,124,134,187,210
قاضی شمس الدین	134,164,187,195,204
قاضی شہ	134
قتیبہ	61,62
قدس خلیل	45,46,50,54
قدیم	48,66,84,174,200
قطب الدین	53,62
قطب سالار علمبردار	48
قمر الدین	70,77,92,135,159
قمر الدین بلخی	77,159
قنوج	39
قیاس	57,62,72,98,176,224,297,308
کتب خانہ خدا بخش	61
کرامیہ	226
کرمناسنگ ندی	107
کریم الدین عوض	134
کشف	41,99,117,129,140,168,232,252,326,378
کشف الہامی	326
کشف روحانی	326
کشف شہودی	326
کشف نظری	326
کشن	46
کمھرار	51

کنجانوہ	154
کھیری بازید پور	159
کیشوراج	46
گلستان	187
گنج لاکھی	130,160,164
گنگا	38,76
گوادہ	39
گوار بنگالہ	39,55
گوتم بدھ	106
لربک شہید	48
لوامع	135,168
ماہ خاتون	70
مثنوی مولانا روم	135,175
مجدالدین	146,301
مجدالملک	103,124,132,184
مجددیہ	115
مجذوب	98,309,314
محبوب الٰہی	104,105,147
محدث	19,29,104,115,145,229,179
محمد بختیار خلجی	39,51,52
محمد بزرگ	141
محمد علی ارشد	29,33,84,366
محمد غزالی	175,183,194
محمد فردوسی	141
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	18,60,116,189,201244,291,321,345,363
محمود یحیٰی	147
محی الدین کاشانی	147
مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی	33,38

مخدوم الملک	16,24,42,88,100,180,204,366
مخدوم جہاں	165,214,244,388
ابیات مخدوم جہاں	176
تصنیفات مخدوم جہاں	105,106
شجرہ بیعت	112,142
ملفوظات مخدوم جہاں	29,33,70,80
مکتوبات مخدوم جہاں	173
مسند سجادگی	104,123
معاصرین مخدوم جہاں	145
محمد بختیار خلجی	39,51
مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی	29,87,212
مخدوم امام الدین	141
مخدوم جہانیاں جہاں گشت	145,146
مخدوم جیون بلخی	142
مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی	43,157
مخدوم دولت منیری	72
مخدوم مولانا مظفر بلخی	131,153,166
مخدوم شاہ رکن الدین	49
مخدوم کنڈ	109
مخدوم یحیی	39,55,62,70,154
مخلوق	104,113,126,201,228,234,313,362
مدینہ منورہ	50,64
مرد	38
مرد کامل	38,46,195
مرید	23,58,70,84,103,119,131
معتزلہ	223,226
معرفت	19,97,118,133,172,313
معروف کرخی	133,297

معزالدین	51,134,209
مضیب	135
مطیع الامام	29,33,41,51,85,121,163,201
معین الدین دردائی	29,180,214,291
مفتاح العاشقین	148
مگدھ	38,39
ملتقط	39
ملخص احیاء العلوم	135,168
ملک المفرح	126,188
ملک حسام الدین اغلبک	52
ملک زادہ فضل اللہ	140
ملک محمود عیوض	134
ملک نصیر الدین قلمغانی	135
مناقب الاصفیاء	29,44,65,84
مناظر احسن گیلانی	180
منوچہرہ	46,53
منورالدین	69
منہاج الدین	51,153,191
منیر	30,38,50,60,70,101
مورنگ	154
موریہ	38
مولانا آمون	58,132,141
مولانا تقی الدین عربی	70
مولانا روم	135,175,183,301
مولانا منہاج الدین	153
مولانا مظفر شمس بلخی	165,75,141,157,166
مولانا نظام الدین درون حصاری	140
مہاراج	46

مہسون	39,70
مہنداواں	48
مہاویر	106
میر سید جعفر	48
میر سید مظفر	48
میر علی ترک	48,50
ناصر الدین	63
نجم الدین فردوسی	214
نجم الدین کبریٰ	66,76,112,237,300,375
نجیب الدین فردوسی	71,95,100,113,114
نصیر الدین جونپوری	140,206
نصیر الدین محمود چراغ دہلی	147
نصیر الدین سمنانی	141
نصیر الدین طوسی	174
نظام الدین	52,87,97,114,123,140,207
نظام الدین اولیاء	52,87,97,114,123
نظام الدین مولی	103,123,184
نفس	354,358
نوح	46,290,349,352
نور محمد	142,228
نیت	43,60,139,163,218,255,305,340
واجب الوجود	219,227
وجود	34,99,114,126,218,290,332
وجہ الدین ابو حفص	114
وحید الدین چلہ کش	92,186
ورع	260,328
وسیلہ شرف و ذریعہ دولت	29,42,60,88,101,201
وفات نامہ	168,204,212,254

ولایت	41,64,119,147,309,314,325
ولی اللہ	142,189,323
وہار	39
ہاشم	50,58,372
ہدایہ	168,247,298
ہدیہ	77,163,185,190,273
ہند	46,53,180,348,354
یمن	49,115,266,293
فوائد رکنی	21,167
مکتوبات بست وہشت	154,163,166
مکتوبات دوصدی	32,163,166,202
مکتوبات صدی	31,87,132,135,167,173,240,333
ملفوظات	34,24,63,133,163,271,305
راحت القلوب	130,163,226
خوان پر نعمت	93,163
فوائد غیبی	164,170
گنج لایفنی	130,163,169
مخ المعانی	163,168,365
معدن المعانی	80,93,122,133,171,202,261
مغز المعانی	163,168
مونس المریدین	163,168,262
تصنیفات	21,160,175,183,216,295
ارشاد السالکین	163,171
ارشاد الطالبین	163
رسالہ اجوبہ	172
رسالہ اشارات	163,171
رسالہ مکیہ وذکر فردوسیہ	171
شرح آداب المریدین	163,170,174

عقائد شرفی	163,172
فوائد المریدین	163,171,271
لطائف المعانی	171

خانقاہ بلخیہ فردوسیہ
عظیم آباد، پٹنہ
پورہ فتوحہ

گنجینهٔ دانش

۷۱-۷۰
پاییز و زمستان
۱۳۸۱

تاریخ نشر: مرداد ۱۳۸۶ ش
اوت ۲۰۰۷ م

فصلنامه مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

مدیر مسؤول و سردبیر: ———— دکتر رضا مصطفوی سبزواری
مدیر: ———— سید مرتضی موسوی
ویراستار: ———— دکتر محمد حسین تسبیحی
حروفچین: ———— محمد عباس بلتستانی
چاپخانه: ———— آرمی پریس (اسلام آباد)

با همکاری
شورای نویسندگان دانش
(به ترتیب حروف الفبا)
دکتر تسبیحی، دکتر رضا مصطفوی سبزواری (استاد دانشگاه)، دکتر سید سراج الدین (دانشیار)، دکتر شبلی (استاد)، دکتر صغری بانو شگفته (استاد)، دکتر گوهر نوشاهی (استاد)، آقای سید مرتضی موسوی، دکتر سهیر نور محمد خان (استاد)، دکتر سید ظهیر شاهتلوی (استاد)

روی جلد:

بنمای رخ که باغ و گلستانم آرزوست
بگشای لب که قند فراوانم آرزوست

«مولانا»

پدیدآورنده: استاد جواد بختیاری

۲۳ - تقویش شرف (اردو): مشتمل بر احوال و تعلیمات شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری، تألیف: دکتر سید صفدر الحسن، ناشر: بزم فردوسیه، کراچی، سال ۱۴۲۳ هق، ۲۰۰۲ م. شمارگان (= تعداد): ۶۰۰ جلد، ۳۷۲ ص. کلیهٔ مطالب این کتاب در احوال و آثار و افکار و تعلیمات مخدوم جهان شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری است. مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نیز، احوال و آثار شیخ شرف الدین احمد یحیی منیری را به زبان فارسی طبع و نشر کرده است. «تقویش شرف» بسیار خوب چاپ و نشر شده اما فهرست اعلام و اسامی اشخاص و اماکن بسیار مهم است که در این کتاب موجود نیست چون کلید تحقیق در هر کتاب فهرست اعلام است.